لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق



جس میں مذہب اسلام کی سچائی ثابت کی گئی ہے

مصنفہ

جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپی

لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو وہ خواب سچا کر دکھایا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رویائے صادقہ

[illegible]

[illegible]

مصنفہ

[illegible]

[illegible]

حسب فرمائش جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب ایم۔ آر۔ اے۔ ایس تعلقہ دار (ڈپٹی کلکٹر) ضلع

پنشنر گورنمنٹ نظام [illegible]

[illegible] پرنٹنگ ورکس دہلی [illegible]

[illegible]

قیمت [illegible]

شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کی دیگر تصانیف

	کاغذ سفید ولایتی	کاغذ جنائی	جلد	محصول ڈاک
(۱) قرآن مجید مترجم تقطیع کلاں دو صفحہ تیرھواں ایڈیشن مطبوعہ مفید عام آگرہ جس کے آخر میں الفاظ و محاورات اردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہے۔...	لعہ ر	معہ ر	عا ر	۲ عہ ر
(۲) قرآن شریف تقطیع متوسط چو صفحہ ترجمہ بین السطور جامع المصاحف	صہ ر	x	۸ ر	۹ ر
(۳) قرآن شریف ترجمہ بصفحہ مقابل "غرائب القرآن"	للعہ ۸ ر	سیہ ر	ایضاً	۱۳ ر
(۴) حمائل شریف تقطیع ۱۶×۲۲ ترجمہ بین السطور بارھواں ایڈیشن جس کے آخر میں الفاظ و محاورات اردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہے۔	للعہ ر	x	عہ ر	۷ ر
(۵) وہ سورہ فی احسن صورہ - مروجہ پنج سورہ کی جگہ یہ دو سورہ مترجم و محشی ہے سفر حضر میں پڑھنے کے بہت کام کا ہے - حمائل کی تقطیع ہے -	۸ ر	۸	۸	۳ ر

	رنگین منطلی	سادہ منطلی	محصول ڈاک
(۶) ادعیۃ القرآن - قرآن شریف کی تمام دعائیں مترجم مع ایک مفصل دیباچے کے جس میں دعا کی حقیقت اور اس کی مقبولیت وغیرہ پر دل پذیر مضامین ہیں۔ روزانہ وظیفہ کے لیے ایک نایاب مجموعہ ہے -	۱۰ ر	۸ ر	۳ ر

	قیمت	محصول ڈاک
(۷) الحقوق والفرائض - حصہ اول حقوق اللہ حصہ دوم حقوق العباد - حصہ سوم اخلاق و آداب مسائل شرعیہ میں اس سے بڑھ کر جامع و مفصل اور کوئی کتاب اردو میں نہیں ہے جو نہایت عام فہم اور سلیس بھی ہے -	صہ ر	۹ ر
(۸) اجتہاد - اس کتاب میں بات ثابت کی گئی ہے کہ اسلام اور سائنس کے معتقدات		

فہرست مضامین رویائے صادقہ

دیباچہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نقصان ذات کی صفات اور ذات [illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی فصل صادقہ بیگم کے ظہور پیری کی تقریب اور اُس کی خواب دیکھنے کی عادت

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیا دھوکا ہوا ہے۔ ہم مدت تک اسی خیال میں رہے کہ **صادقہ** اور **یوسفی** دو سگی بہنیں تھیں۔ اب تحقیق ہوا کہ ایک ہی عورت کے دو نام ہیں۔ اور اصلی ایک بھی نہیں اُس کو میکے ہی میں لوگ **صادقہ** کہنے لگے تھے۔ اس واسطے کہ اُس نے ساری عمر میں کبھی جھوٹا خواب دیکھا اور نہ اپنے جی سے بنا کر کوئی خواب بیان کیا۔ بیاہی گئی تو سسرال کی طرف سے یوسفی بیگم کا خطاب ملا۔ اس لیے کہ کثرت سے خواب دیکھتے دیکھتے اس کو تعبیر میں ایسا ملکہ ہو گیا تھا کہ اس کی بڑے تیر بہدف ہوتی تھی یوں تو کوئی ایسا خدا کا بندہ بشر نہیں جو سوتے میں خواب نہ دیکھتا ہو۔ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آدمی کا دماغ ایک لمحے بھی بیکار نہیں رہ سکتا وہ ہمہ وقت کچھ نہ کچھ سوچا ہی کرتا ہے جیسا جاگتے میں ویسا سوتے میں۔ اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں کو خواب یاد نہیں رہتا۔ مگر تو بھی وہ جتنی دیر سوتے ہیں۔ خواب ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ جانوروں میں بھی اور جانوروں کا تو حال معلوم نہیں مگر گھوڑے کو جس کا جی چاہے آزما لے کہ تھان پر کھڑا سو رہا ہے۔ آنکھیں بند ہیں۔ خراٹوں کی آواز چلی آتی ہے اور یکایک خاص طور پر ہنہنایا ایسے موقع پر سائیس یا جو کوئی آدمی موجود ہوتا ہے۔ تھان پر تھان ہو کہہ دیا کرتا ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ گھوڑا بھی کسی نہ کسی طرح کے خواب دیکھتا ہے۔ لوگوں نے بہت کچھ عقلیں دوڑائیں۔ مگر کسی کو ٹھیک پتہ نہیں ملا۔ کہ خواب ہی کیا چیز۔ اور اس کی تعبیر کے اصول کیا ہیں۔ ہم بھی مدتوں اس خبط میں گرفتار رہے۔ جب سے صادقہ کا حال سُنا۔ یہ خیال ہی چھوڑ دیا اور سمجھ لیا کہ خواب بھی اسرارِ الٰہی میں سے ہے ع خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ اس عورت کا دماغ بھی خدا نے عجیب ہی طرح بنایا تھا وہ بڑے درجے کی ذہین تھی۔ یوں بھی لڑکیاں بولنے اور بات چیت کرنے پر جلد قادر ہو جاتی ہیں۔ اور صادقہ تو پورے ڈھائی برس کی بھی نہ ہو گی کہ ہم نے اپنے کانوں اس کو مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر مسلسل گفتگو کرتے سُنا۔ نہ لغزش نہ لکنت نہ رکاوٹ۔ اس کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ اس کو اپنے بچپن کے ان وقتوں کی باتیں جب کہ اس کو اچھی طرح گفتگو بھی نہیں کرنی آتی تھی ایسے صاف طور پر یاد تھیں کہ گویا کل کی بات ہے ایک دفعہ کا اس نے مذکور کیا کہ میں جھولے میں لیٹی ہوئی تھی۔ اوپر سے گری چھپکلی۔ اور اتفاق سے اس وقت کوئی میرے پاس نہ تھا۔ میرے جی میں آیا کہ آواز دوں۔ مگر بولنا نہیں آتا تھا۔ ناچار رونے لگی۔ ددا نے مجکو آکر اُٹھا لیا۔ میں چُپکی تو ہو گئی۔ مگر جب پھر اس نے جھولے میں لٹانا چاہا تو میں اکڑ گئی ددا سمجھ تو گئی کہ جھولے میں لیٹنا نہیں چاہتی۔ مگر اس کو سبب کون سمجھائے۔ آخر ابا جان کا ذہن منتقل ہوا۔ اور لگیں کہنے اے ذرا ننھے بچے کو تو دیکھو۔ جوں ننھا بچہ اُٹھایا چھپکلی کو دیکھ جا وہ جا۔ ابا جان نے مجھے گود میں لیکر پیار کیا۔ اور اسی وقت چھت گیری بند ہوا دی۔ تب میرے دم میں دم آیا۔ وہ ایسی باتوں کے ایسے ٹھیک پتے دیتی تھی کہ تسلیم اور تصدیق کے سوائے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ غالباً اس نے خواب بھی اسی زمانے سے دیکھنے شروع کیے ہوں گے۔ مگر اس کا چرچا گھر میں اس وقت سے ہونے لگا جب سے اس کو بولنا آیا۔ جیسی اس کی عمر تھی جیسے اس کے خیالات تھے ویسے ہی اس کے اُن دنوں کے خواب بھی ہوتے تھے۔ مثلاً ایک دن اس کا بھائی کہ وہ بھی بچہ ہی تھا۔ اس سے کوئی دو سوا دو برس بڑا سویرے اٹھ کھانے کے لیے ضد کرنے لگا۔ ماں نے کہا باسی کچوڑی تو ہیں تم کو دینے کی نہیں ہیں کچوریاں۔ سو اول تو ابھی کانیں نہیں کھائیں اور دوسرے ذہی ایسی کونسی خوبی بھری ہیں گھی کا نام اور آدھے سے زیادہ تیل اور پھر ماش کی دال نہیں صاحب ذرا دم لو ابھی میں تم کو

روغنی ٹکیا ڈلوائے دیتی ہوں پھر چاہنا کھانڈ سے کھاتا۔ یا مربے کی پھانک سے۔ مگر خدا کے لیئے اوپر سے پانی نہ پی لینا۔ ایسا نہ ہو پھر رات کو آپ بھی مارے کھانسی کے بے چین رہو اور ہم سب کی نیند بھی حیران کرو۔ یہ سُن کر صادقہ بولی۔ اماجان مربے کا مرتبان تو گر کر ٹوٹ گیا۔

ماں۔ یہ کب اور کیونکر۔

صادقہ۔ کب اور کیونکر تو میں جانتی نہیں مگر میں نے خواب میں دیکھا ہے۔

خواب کا نام سُن کر سب لوگ ہنس پڑے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ ماما نے جلدی جلدی کر کے توا چڑھایا ٹکیا پکائی۔ جوں مربے کے لیئے کوٹھری کھولی ایک چھوڑ دو دو بلیاں نکل کر بھاگیں۔ اندر جا کر دیکھا تو واقع میں مرتبان زمین پر ٹوٹا پڑا ہے۔ دو چار بار تو لوگ خبر نہ ہوئے لیکن جب دیکھا کہ یہ ہر روز خواب دیکھتی اور جو دیکھتی ویسا ہی ظہور میں آتا تو گھر والوں کو اچھا مشغلہ ہاتھ آیا صبح ہوئی اور سب نے پوچھنا شروع کیا کہ بی بی آج کیا خواب دیکھا۔ نہ کبھی ایسا ہوا کہ صادقہ نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ اور نہ ایسا ہوا کہ دیکھا ہو اور سچا نہ اترا ہو۔ رفتہ رفتہ پہلے گھر میں پھر محلے میں پھر تو سارے شہر میں ایک غل سا مچ گیا۔ ادھر تو صادقہ کی شہرت بڑھتی جاتی تھی۔ اُدھر عمر کے ساتھ ساتھ وہ خوابوں میں ترقی کر رہی تھی۔ صادقہ کے خوابوں کے سلسلے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کسی علم کے مبتدی کو پہلے آسان آسان باتیں سکھائی جاتی ہیں اور پھر بتدریج وہ مُشکل مُشکل کتابوں پر عبور کرتا ہے۔ اسی طرح صادقہ کو پہلے صاف صاف خواب دکھائی دیتے تھے یعنی جو بات ہونی ہوتی تھی ویسی کی ویسی اسکو خواب میں دکھائی دے گئی۔ وہی خواب وہی تعبیر۔ لیکن آہستہ آہستہ اُس کے خواب پیچدار ہوتے چلے جو بدون تعبیر کے ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتے تھے جیسے پہیلی یا معما یا چیستاں۔ مثلاً گھر میں کسی کو تپ آنے کو ہوتی تو اُس نے خواب میں دیکھا۔ بخار چڑھا ہوا ہے۔ اور پڑے ہیں پھر یوں دیکھنے لگی کہ دھوپ میں بیٹھے ہیں یا آگ سے تاپ رہے ہیں اور آخر آخر کو ایسا معلوم ہوا کہ آگے دیگچی[1] لا رکھی ہے اُس میں چار رنگ کے چاول ہیں مگر کچے ہیں۔ اکثر تو ایسا ہوتا تھا کہ صادقہ کو خواب ہی میں اُس کی تعبیر بھی معلوم ہو جاتی تھی۔ گویا تعبیر بھی جزو خواب تھی۔ اور کبھی خواب میں تعبیر معلوم نہ ہوتی تو

[1] دیگچی معدہ۔ چار رنگ کے چاول صفرا۔ خون۔ بلغم۔ سودا۔ چار خلطیں۔ چاولوں کا کچا ہونا خلطوں کا فساد جس سے تپ آتی ہے ۱۲

اُس نے بیداری میں آپ تعبیر دے لی۔ ایک عجیب بات اور تھی کہ صادقہ کبھی فرمائشی خواب بھی دیکھتی تھی یعنی مثلاً ہم کو ایک بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوا اور ہم نے اُس سے درخواست کی چھپا کچھ ہونے والا ہوا۔ صادقہ نے خواب میں دیکھ دیا۔ مگر یہ بات اِس کے اختیار کی نہ تھی بہتیری مرتبہ ایسا ہوا کہ صادقہ نے خواب دیکھنا چاہا اور بہلایا پر کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ صادقہ نے سب تو نہیں مگر اپنے ضروری اور معرکے کے خواب تعبیر سمیت روزنامچے کے طور پر ایک کتاب میں جمع کر لیے تھے۔ اور اتفاق سے وہ اصل روزنامچہ ہمارے ہاتھ آ گیا ہے۔ اور ہم اس کو عن قریب چھپوانے والے ہیں۔ جب وہ روزنامچہ مشتہر ہوگا تو قابل دید ہوگا۔ نہایت دلچسپ۔ اُس روزنامچے میں ایک بڑی خوبی تو یہ ہے کہ کودن سے کودن اور غبی سے غبی اِس کو پڑھ لے اور اُلجھی ہوئی باتوں کو آسانی کے ساتھ سلجھانے لگے۔ اور اس میں تو ذرا سا بھی تامل نہیں کہ صادقہ کا روزنامچہ دیکھنے کے بعد اتنی بات تو چار و ناچار تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اس جہان کے علاوہ ایک عالم ارواح بھی ہے اور سوتے میں ہم کو اس کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ اور اگر ہم اس میں مشق و مہارت پیدا کریں تو بہت سے اسرار قدرت منکشف ہوں۔ اور یہی معمولی خواب جو ہم اکثر دیکھا کرتے ہیں اور کبھی اِن کی پروا نہیں کرتے ان میں سے ہر ایک میں بڑے بڑے مطالب پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مگر ہم کو ان کے دریافت کرنے کا سلیقہ نہیں۔

دوسری فصل صادقہ کا ایک عجیب خواب

لیکن یہ باتیں روزنامچے کے ساتھ لکھنے کی ہیں۔ تاہم اس غرض سے کہ لوگوں کو صادقہ کے خوابوں کی وقعت ہو جس کے وہ مستحق ہیں۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ صادقہ کے ماموں الہ آباد کی طرف کہیں تحصیل دار تھے۔ کثیر العیال۔ اور اس پر رحم دل اور سخی ایسے کہ باوجود موٹا کھانے اور موٹا پہننے کے ہمیشہ محتاج۔ روپیوں کے نہیں پیسوں کے۔ تو وجہ کیا تھی کہ آدھے کے لگ بھگ تو اُن کی تنخواہ مصارف خیر میں چلی جاتی تھی۔ بیواؤں اور یتیموں اور مسکینوں کی تنخواہیں مقرر تھیں سو تھیں۔ کتنے غریبوں کے بچوں کی فیس دیتے۔ اُن کے لیے کتابیں بہم پہنچاتے۔ اور اُن کو مدرسوں میں پڑھواتے۔ کبھی سُنا نہیں کہ کوئی سائل اُن کے یہاں سے محروم پھرا ہو۔ وہ ہمیشہ نئے سائلوں اور مواقع خیرات کی تلاش میں رہتے۔ اور اُن کا

خیال یہ تھا کہ نہیں معلوم کس کا دیا خدا کی درگاہ میں قبول ہو جائے۔ ساری عمر بخشش قرار پانے کی
نوکریاں کیں۔ اور گھر میں دیکھو تو بیوی بیٹیوں کے کانوں میں چاندی کی بالیاں۔ تنگ موہری کے پاجامے
چمڑے کی سادی جوتیاں۔ جس طرح بانگی سے اناج کے ڈھیر کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک
بات سے آدمی کا تمام طرز مزاج کھل پڑتا ہے۔ جو شخص اس درجے کا سخی ہو محال عقل ہے کہ ظالم و مرتشی ہو۔ تحصیلدار
صاحب کا حال یہ تھا کہ اگر کسی سرکاری کام سے علاقہ پر جاتے۔ ایک چھپٹی لکڑی کی قسم کھا اس کا تنکا حرام
غرض عملے کے لیئے عذاب و مصیبت تھے۔ رعایا کے حق میں خدا کی رحمت۔ سرکار کے معتمد الخدمت۔
بیچارے کو مشکل یہ در پیش تھی۔ کہ قانون یاد نہیں ہوتا تھا۔ ہر برس امتحان میں جاتے اور ہر بار فیل ہوتے۔ کلکٹر
مہلت دلواتے دلواتے تھک گئے۔ حکام بالا دست درگزر کرتے کرتے عاجز آ گئے۔ ضلع اور کمشنری بلکہ
بورڈ تک سے معافی امتحان کی رپورٹیں ہوئیں۔ مگر اُن دنوں کی گورنمنٹ کچھ ایسی سخت گیر تھی کہ مطلق
نہ پسیجی۔ گورنمنٹ اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ کچھ بھی ہو نئے تعلیم یافتہ اختیار اور اعتبار کے عہدوں کی
بھرتی ہوں۔ دیانت بھی امانت بھی راست بازی بھی۔ سرکار کی خیر خواہی بھی پرانے لوگ وہ روشن
خیالی وہ آزادی رائے۔ وہ بے تعصبی وہ معلومات کہاں سے لائیں گے جس کے بدون ملک داری
ہو ہی نہیں سکتی۔ خیر ع رموز مصلحت خویش خسرواں دانند تحصیلدار صاحب کا یہ اخیر سال تھا
کہ یا امتحان پاس کریں۔ یا نوکری سے برطرف بس یہاں تو منکر سے منکر کو بھی ماننا ہی پڑے گا۔ کہ خدا
ہی اوسارے وقت پر آڑے آتا اور اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔ امتحان میں بس یا وہ نہیں
کوئی ایک ہفتہ باقی رہا ہوگا کہ صادقہ نے خواب دیکھا اور وہاں ماموں صاحب کا وہی حال۔ کورس پاٹے۔
کارروائی اچھی مقدمات کی تجویز درست۔ کتابی سوال پوچھو تو سکوت۔ اور کچھ بتایا بھی تو ادھورا
اور غلط۔ خدا جانے کس کی دعا تھی۔ کجا صادقہ اور کجا قانون کا امتحان۔ مگر ہاتف غیبی نے خواب میں بیس کے پورے
سوال بتا دیئے صادقہ نے صبح سویرے اٹھ سوالات لکھ رجسٹری کرا ماموں پاس روانہ کیئے۔ ہرچند تحصیلدار کی
طبیعت کو قانونی مناسبت نہ تھی اور کسی قدر نسیان بھی تھا۔ مگر سوالات ایسے وقت پہنچے کہ تحصیلدار صاحب
نے اطمینان کے ساتھ اُن کے جوابات سوچ لیئے۔ صادقہ کے خواب پر بھروسا تو تھا۔ مگر تو بھی اندر سے دل

دُھکڑ پکڑ کرتا تھا۔ مجلس امتحان میں جا کر بیٹھے۔ تو ایک نقطے اور شوشے کا بھی تو فرق نہ تھا۔ بڑی ناموری کے ساتھ پاس ہوئے تنخواہ اور اختیارات زیادہ ہوئے سو الگ۔

تیسری فصل خواب دیکھنا صادقہ کے حق میں مضر ہوا

بے شک صادقہ میں نیکی خواب دیکھنے کی ایک خاص صفت تھی۔ لیکن سوائے اس ایک خواب کے جو ہم نے ابھی بیان کیا اور ایک خواب جس کا حال آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اُس نے کبھی کوئی بکار آمد خواب نہ دیکھا۔ اُس کو آیندہ کے واقعات دکھائی دیتے تھے۔ مگر اتنا ہی فرق تھا کہ اور لوگوں کو وقوع کے بعد خبر ہوتی تھی اور اس کو ذرا پہلے ایک عالم غیب کی ٹوہ کے پیچھے پڑا ہے۔ اور اسی بنیاد پر نجوم اور رمل اور جفر اور فال اور شگون اور کیا اور کیا کتنے پاکھنڈ دنیا میں چل پڑے ہیں لیکن جب ہم واقعات اور ان کے نتیجوں کو روک نہیں سکتے تو پہلے سے جان لینا اگر ہو بھی تو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ خدا نے کسی بندے کو غیب کا علم نہیں دیا۔ کیونکہ سب باتیں اس نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھی ہیں۔ اور کسی کو اس قدرت میں شریک کرنا چاہا نہیں تو نرا علم بے قدرت کس کام کا تھا۔ صادقہ کے خواب بھی اسی قبیل سے تھے۔ اگر اس نے کوئی اچھا خواب دیکھا تو اصلی اور عین خوشی کے مقابلے میں اس کی خوشی بہت ہوتی ہوگی تو جیسے بہت سے پہلے حرفہ۔ اور اگر بُرا دکھائی دیا تو وہی کہاوت ہوئی کہ قبل از مرگ واویلا۔ صادقہ کو ہم نے کبھی اس کی شیخی مارتے بھی نہ دیکھا اور کچھ کام کی بات ہوتی تو اُس پر ناز ہوتا پر ہوتا۔ بلکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ صادقہ اپنی اس حالت سے دل میں خوش نہ تھی۔ گو اُس نے ناخوشی کبھی ظاہر نہیں کی۔ اول تو لوگوں کی فرمایشیں اُس کو پریشان کیے رہتی تھیں۔ کوئی بندہ بشر ایسا نہیں جس کو واقعات آیندہ کے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ یا واقعات آیندہ کے دریافت کرنے کا اُس کو شوق نہ ہو۔ جو سُنتا ایک فرمایش لے دوڑتا۔ اور فرمایشی خواب کا دیکھنا صادقہ کے اختیار میں نہ تھا۔ اکثر ایسا ہوا۔ کہ کسی خاص معاملے میں اُس نے خواب دیکھنا چاہا۔ اور ہر چند کوشش کی بُرا بھلا کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ تو جن لوگوں کی کار برآری نہ ہوتی ناحق ناراض ہوتے اور صادقہ پر بے توجہی یا اخفاے حال کی بدگمانیاں کرتے۔ جس سے صادقہ کو ایذا ہوتی۔ اور ایذا کی بات بھی تھی۔ سب سے بڑا نقصان جو

صادقہ کو اپنے خوابوں کی بدولت پہنچا یہ تھا کہ لوگ اس کی نسبت خیال کرنے لگے کہ اس کو کچھ پہنچ ہے
ایک طور پر اس کا ادب کرتے اور اس کو وقعت کی نظر سے دیکھتے۔ مگر دل ہی دل میں ڈرتے بھی تھے کہ خدا جانے
کیا اسرار ہے اور آیندہ چل کر کیا گل کھلے اور یہی وجہ ہوئی کہ صادقہ اکیس بائیس ۲۲ برس کی ہوگئی
اور کہیں سے اس کے بیاہ نکاح کا پیام سلام کیسا ذکر تک بھی تو نہ آیا۔ کئی برس تک اس کی ماں اس پر
اڑی بیٹھی رہی کہ بڑی آگے سے اٹھے گی تو چھوٹیوں کا ٹھکانا کروں گی۔ بڑی کے آگے
چھوٹیوں کو بیاہے جانے کا کیا حق ہے بڑی کو کوئی نہیں پوچھتا تو چھوٹیوں کے بیسیوں سو دفعہ
کسی کو نہیں پوچھتی۔ یہی نہ کہ تینوں میرے گھٹنے سے لگی لگی بوڑھی ہو جائیں۔ بلا سے۔
خدا نہ کرے میرے یہاں کاہے کی کمی ہے۔ پہلے بیٹیوں اور پیچھے ہم سب سمجھے تو دونوں آنکھیں
برابر ہیں۔ اور تینوں ہی میرے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ بڑی کو بیٹھا رہنے دوں اور چھوٹیوں کے
گھر بسادوں تو بڑی دل میں کیا کہے گی۔ اور پھر تو بڑی کی بات کہیں ہوتی بھی ہو تو نہ ہو
لوگوں کے دل میں ول نہیں ڈالا جاتا۔ خدا رکھے دو بہنیں اور بھی ہیں مگر بڑی بڑی ہی ہے۔ صورت شکل میں دونوں سے
بہتر خانہ داری کا سلیقہ ماشاءاللہ ایسا کہ گھر کی یہ ساری رونق صادقہ ہی کے دم سے ہے پڑھی لکھی ہوشیار
ذہن کی تیز اور کتنی بڑی خوبی ہے دین دار کچھ آج کل کے مردوں کی قسمت ہی ہیٹی ہے۔ ورنہ اس کے گنوں کو
دیکھیں تو ہزاروں اس کے خریدار ہوں۔ اور جب اس کی قسمت کھلے گی تو جس کے پلے بندھے گی وہ زندگی کا
مزہ بھی پائے گا اور کہے گا کہ ہاں بیوی ہو تو ایسی ہو۔ رہی خوابوں کی بات سو اول تو مدتوں سے
اس میں بہت ہی کمی ہو گئی ہے۔ اور عجب نہیں بیاہے سے اتنی بھی نہ رہے لیکن کیسی کا حرج ہی کیا ہے۔ بلکہ قدر
کرنے والا ہو تو سو ہنر ایک طرف اور یہ اکیلا ایک طرف۔ بیوی کی بیوی اور نجومی کی نجومی۔ آج لوگ کیسے
کیسے ظن کرتے ہیں کہ آگے کا کچھ حال معلوم ہو اور اٹکل کے تکوں کے سوا کچھ حاصل نہ حصول۔
اور میری صادقہ تو جو کہتی ہے گویا لوح محفوظ سے دیکھ کر کہتی ہے اس کی بات نہ کبھی جھوٹی ہوئی اور نہ کبھی جھوٹی
ہو لیکن حق ناحق جو لوگ شبہہ کریں اور خللِ آسیب قرار دیں اس کا کیا جواب بس صبر اور شکر الٰہی جو ایسا شبہہ کریں
ان کو ان کے جھینتوں کو ان کے پیاروں کو اور ان کے رہتے سہتوں کو میری صادقہ کو اللہ رسول

کی امان، اللہ رسول کا سایہ۔ یہ تھے خیالات صادقہ کی ماں کے جو ایک ماں کو ہونے چاہئیں لیکن وہ لوگوں کی عام رائے کا اگرچہ وہ رائے غلط تھی مقابلہ کر نہیں سکتی تھی۔ حال یہ تھا کہ چھوٹی بیٹیوں کے لیے پیام پہ پیام رقعے پر رقعے چلے آتے تھے اور صادقہ کے لیے مونھ پھوڑ کر کبھی جاتا تھا تو بھی کوئی ہامی نہیں بھرتا تھا۔ لحاظ کے مارے کسی نے مونھ سے نہ کہا۔ مگر وہ چپ کر جانا بھی کہے داخل تھا۔ آخر کنبے کے لوگوں نے سمجھایا کہ اس کے کرم میں بر ہی نہ لکھا ہوگا تو کیا کر لوگی۔ ایک کی خاطر دو کی منزل کھوٹی کرنی بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے اور فرض کرو زبردستی سر پڑ کر کیا بھی اور خدا کو اس کا گھر بسانا منظور نہ ہوا تو۔ اپنی اپنی تقدیر اپنا اپنا نصیب۔ ایک ماں کے پیٹ سے دس بچے ہوتے ہیں۔ دسوں کی دس صورتیں اور دس طرح کی قسمت۔ رہا بیٹیوں کا بٹھانا۔ سو یہ ہاتھی بادشاہوں سے نہیں باندھے گئے۔ بیٹیاں پرایا دھن ہیں۔ اور سدا سے ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی چلی جائے گی کہ ان کو پالو پوسو۔ اور آخر کار جس کی امانت ہے اس کے حوالے کرو۔ تو تم یہ ضد چھوڑ دو بندے کا کیا حوصلہ ہے کہ خدا سے لڑے۔ چھوٹیوں کو ٹھکانے لگنے دو بڑی کا بھی خدا مالک ہے جب اس کا وقت آئے گا اور اس کے نصیب کھلیں گے۔ غیب سے کوئی اس کا بھی خریدار پیدا ہو جائے گا۔ آگے کو رستہ تو ہو۔ دو دو تین دوہرے سمدھیانے ہوں گے۔ چار کے کان آواز پڑے گی۔ ایسا بھی کیا ہے کہ کوئی اس کا خواہاں نہ ہو۔ غرض برس کے اندر ہی اندر دونوں چھوٹی بہنیں بیاہی جا کر دو دو تین تین بچوں کی مائیں ہو گئیں۔ اور بیچاری صادقہ ہے کہ کوئی اس پر ہاتھ نہیں رکھتا گویا بیاہے جانے کے لیے خدا نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا۔ یوں تو بیٹی والوں کو بہتیری ہی جلدی ہوتی ہے۔ اور نہ کیوں ہو۔ دیر لگی اور لڑکی کھٹائی میں پڑی۔ لیکن لحاظ کے مارے اور کچھ اس خیال سے بھی کہ خدا جانے کوئی کیا گمان کرے لوگ گھبراہٹ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے نہ ان کی طرف سے ابتدا ہوتی اور نہ اس قدر جلد خواہاں ہو جاتے کہ بس منتظر ہی بیٹھے تھے۔ لیکن صادقہ کے لیے تو وضعداری کو بھی اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔ اس پہ بھی کوئی نہیں جمتا تھا۔ اور بس وہی ایک وہم کہ اس کے سر پہ کچھ ہے جب صادقہ کی ماں کے کان میں یہ بھنک پڑی تو اس نے صادقہ کو بڑا قدغن کر دیا تھا کہ خبردار جو خواب کا نام لیا تو

اور اس کے بعد سے اگر کوئی کچھ پوچھنے آیا تو اُس کو بھی ترش روئی سے کہہ دیا کہ لوگو کیا کھیل لگایا ہی۔ ایسا ہی غیب دانی کا شوق ہو تو نجومیوں پاس جاؤ۔ پنڈتوں سے پترا کھلواؤ مولوی مُلّا سے فال نکلواؤ۔ اِس بیچاری کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ اب یہ [illegible] کرے یا تمھاری بیگار بھگتے پھرے اگرچہ کئی کئی برس سے خوابوں کا چرچا بند تھا۔ مگر تاڑنے والے تاڑ گئے تھے اور صادقہ کی نسبت لوگوں کا وہ عام خیال کہ اُس کے سر پر کچھ ہو نہ مٹا پر نہ مٹا۔ اُدھر تو صادقہ کی ماں نے اُس پر خوابوں کی بندی کر رکھی تھی۔ اور ادھر رُو در رُو نہیں اُس کی سہیلیوں اور ہمجولیوں اور میل ملاپ والیوں کی معرفت تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے اپنے بیاہ کے بارے میں کوئی خواب دیکھے۔ صادقہ عجب مصیبت میں گرفتار تھی۔ خواب کا دیکھنا اس کے اختیار میں نہیں۔ جھوٹ موٹ دل سے بنا کر کہہ دے یہ اس کی عادت نہیں ایسی کیا بات ہی کہ صادقہ کو اپنے بیاہے نہ جانے کا ملال نہ ہو۔ وہ دیکھتی تھی کہ گھر میں رات دن اسی کا مذکور ہے۔ اور ہر شخص اپنی جگہ [illegible] ممکن نہیں کہ اس پر اس کا اثر نہ پڑتا ہو۔ کنبہ اور محلہ تو بجاے خود اُس نے اپنے ہی گھر میں اپنے سے چھوٹی اور اپنے سے بیٹی ایک چھوڑ دو دو بہنوں کو بیاہے جاتے اور بچے کھلاتے تو دیکھا تھا [illegible] کچھ نہ کچھ تو خیال آتا ہوگا۔ مگر اُس کی کسی ادا سے کبھی یہ بات ظاہر نہیں ہونے پائی کہ اس کو کواری بیٹھے رہنے کا اتنا بھی رنج ہو جتنی اُڑد پر سفیدی۔ وہ اپنی بہنوں کی شادی بیاہ چھٹی وغیرہ تقریبات میں ایسی خوش دلی سے شریک ہوئی کہ کواری عورت کے لیئے بلکہ کسی قدر نامناسب تھا۔ اُس نے ماں سے لڑ لڑ کر زائد از واجب بہنوں کے حقوق دلوائے۔ اور اتنا ماں کو بیاہی ہوئی بیٹیوں کا خیال نہ تھا جتنا کہ اس کو بہنوں کا

چوتھی فصل صادقہ کا انتظام خانہ داری

وہ جو کہتے ہیں کہ نا اُمیدی میں بھی ایک طرح کی راحت ہے بس یہی حال صادقہ کا تھا۔ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ اب میری یہ عمر آئی اور میں کواری ہی زندگی بسر کروں گی اور کواری ہی مروں گی۔ اور وہ ایسی زندگی کے لیئے بالکل طیار تھی۔ ہمارے ملک میں لڑکیاں ایسی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دی جاتی ہیں کہ اُن کو خانہ داری کے لیئے طیاری کرنے کی کافی مہلت نہیں ملتی۔ صادقہ کو بڑی مہلت ملی۔ مگر اس کو خانہ داری کی طرف سے [illegible] تھی۔ تاہم اُس نے اِن لیاقتوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا۔ جو ایک شریف بی بی اور لائق

مال میں ہوتی ضرور ہیں۔ اس نے ماں کے گھر کو اپنا گھر اور چھوٹے بھائی بہنوں کو اپنے بچے سمجھ کر
خانہ داری کے سب نشیب و فراز نظر میں کر لیے۔ جو باتیں سینہ بسینہ سکھائی جاتی ہیں ان کے علاوہ اس کی علمی لیاقت
اس درجے تھی کہ ایسا ویسا مرد اس کی جوڑ کا نہ تھا۔ وہ تو خدا کو پردہ ڈھکا رکھنا تھا کہ بیٹھے بٹھائے
لوگوں کو اس پر آسیب کا اشتباہ ہو گیا۔ ورنہ کتنوں کو اس نے یہ کہہ کر چھٹا دیا ہوتا۔ کہ میں ان کے قابل
نہیں گھر والے اور نوکر چاکر گنے ہوئے بیس آدمی صبح بیس آدمی شام کھانے والے اور یہ مہنگا سماں اور اجلی
زندگی اور کلہم سو روپے مہینے کی آمدنی۔ اسی میں شادی اسی میں غمی اسی میں تیر تیوہار اور اسی میں آیا گیا بھی۔
کسی دوسرے کے ہاتھ میں یہ انتظام ہوتا تو نہیں معلوم کتنی دفعہ دوالا نکلا ہوتا۔ مگر وہ تو صادقہ ہی سری کی
خوش سلیقہ تھی کہ ہر چیز سے امیری کی شان ظاہر ہوتی تھی۔ بال بچوں کا گھر اور ایسا ستھرا اجلا رکھا کیا کمال تھا
اور نوکروں اور بچوں کو کیسا سدھایا تھا۔ ہر ایک دالان میں بھرپور چاندنی بچھی ہوئی۔ صدر مقام پر جاڑا ہو تو قالین
اور گرمی ہوئی تو سوزنی۔ سوزنی پر گاؤ تکیہ۔ ایک پہلو میں پٹاری۔ دوسرے میں صندوقچہ۔ سامنے اگالدان
اگالدان پر تہ کیا ہوا اجلا رومال دالان کی دونوں طرف دو نواڑی پلنگ۔ دونوں پر سفید چادریں کسی ہوئیں
نہ جھول نہ سلوٹ۔ سرہانے کے تکیے الگ بغلی الگ۔ پائنتی کو موسم کے مطابق چادر یا دولائی اور پلنگ پوش
باورچی خانہ ہم نے صاف دیکھا تو صادقہ کے گھر کا۔ کہ اگر چولھے نہ ہوں تو کوئی تمیز نہ کر سکے کہ یہ باورچی خانہ ہے۔ گھر
کی صفائی دیکھ کر خیال گزرتا تھا کہ کیا ہر وقت ایک آدمی جھاڑو لیے کھڑا رہتا ہے کہ کہیں تنکے کا نام نہیں
کوٹھریوں میں گھس گھس کر دیکھا تو بلا مبالغہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک کوٹھری بجائے خود دکان ہے
اور اس میں بیچنے کے لیے اسباب سجایا گیا ہے۔ پانی کے مٹکوں کی بھی کچھ اصل ہے۔ باوجودیکہ [illegible]
رمضان کے رمضان بدلے جاتے تھے۔ مگر جب جس کے جی میں آئے جا کر دیکھ لے ایسے معلوم ہوں گے
کہ کورے منگوا کر رکھے ہیں۔ سبب یہ کہ دونوں وقت اندر باہر سے مانجھے اور رگڑے جاتے ہیں۔ اور کائی
یا گرد جمنے نہیں پاتی۔ ہم کو بڑی ہی حیرت ہوئی تھی کہ سو روپے میں ایسا گھر کیونکر چلتا ہوگا لیکن غور
کرنے سے معلوم ہوا کہ خانہ داری میں اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور ان ہی میں
بہت خرچ بیٹھتا ہے مثلاً بچوں کا ناشتہ اور بازار کا سودا سلف شہر میں رہ کر بازار کے سودے سلف

کی قسم تو کھائی نہیں جاتی۔ مگر ہاں صادقہ اس اہتمام میں ضرور لگی رہتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے کسی کو اس کی چاٹ نہ پڑنے پائے یہ نہیں کہ وہ بچوں کو ترساتی تھی۔ بلکہ ہر قسم کی خانہ ساز چیزیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ اور وہ یقیناً بازاری چیزوں سے زیادہ لطیف اور مزہ دار ہوتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ رات کا بچا ہوا باسی کھانا کسی کو نہیں بھاتا۔ اور اکثر اس کا مزہ بھی اُتر جاتا ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ چار و ناچار بازاری چیزیں منگوانی پڑتی ہیں۔ لیکن اول تو صادقہ کا اندازہ ایسا ٹھیک تھا کہ اگر کبھی کبھار کچھ بچا بھی تو ایسا کہ اس کو بچنا نہیں کہتے۔ اس کا اصول یہ تھا کہ نہ باسی بچے نہ کتا کھائے دوسرے اور گھروں میں بس دو وقت کے کھانے کو ضروری سمجھا جاتا اور اسی کا اہتمام ہوتا ہے۔ صادقہ کھانے سے بڑھ کر تازہ ناشتے کا اہتمام رکھتی تھی نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھول کر بھی بازار کے سودے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اور اگر آ بھی گیا تو کوئی چاؤ سے کھاتا نہ تھا۔ اور یوں مہینے کے مہینے ایک بڑی رقم پس انداز ہوتی تھی۔ زنانے کپڑوں میں وہ کچھ ایسا زیادہ کتر بیونت نہ کر سکی۔ بڑبڑاتی جاتی تھی مگر بنانے ہی پڑتے تھے۔ لیکن مردانے کپڑوں میں اس نے ایسا تصرف کیا کہ اس مد میں روپیوں کی جگہ آنوں خرچ رہ گیا تھا۔ اس کو اس کی بڑی چڑ تھی۔ کہ مرد اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو مہین کپڑے پہنے یا عورتوں کی طرح گوٹا ٹھپا لگائے۔ کچھ ایسی پٹی پڑھا رکھی تھی کہ آٹھ برس کے لڑکے کی کیا بساط وہ اپنے کسی ہم عمر کو کامدار جوتی پہنے دیکھ کر ہنستا تھا۔ پس مردوں کے کپڑے قیمتی ہوتے تھے مگر سادہ اور چلاؤ لباس کے بارے میں چاہو اس کو فضول خرچی سمجھو کہ ایسے گھر میں دھوبی کو بہت اڑ کر ملتا تو سوا دو ڈیڑھ روپیہ صادقہ چار روپیہ مہینا دیتی تھی۔ مگر ان کے یہاں کے اترے ہوئے کپڑے دوسروں کے تازہ تہ دار دھلے ہوئے کپڑوں سے بہتر ہوتے تھے اور پھر مہینے میں چھ چھ سات سات دھلائیاں جب کہ یہاں کیا سارے شہر میں مہینے کی ایک دھلائی کا پٹنا پڑا رہتا ہو۔ ایک خاص بات صادقہ کے یہاں ہم نے اور بھی دیکھی کہ اندر باہر ملا کر پانچ نوکر تھے مگر ان کے کام اس طرح پر بٹے ہوئے تھے کہ نہ کسی کو کثرت کار کی شکایت اور نہ اتنی فرصت کہ احدیوں کی طرح پڑے اینڈا کریں۔ اور اس کی بڑی سخت تاکید کہ کوئی دوسرے کے کام میں ہاتھ نہ لگائے اس سے ہوتا کیا تھا کہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داری معلوم رہتی تھی

اور جب کوئی کام بگڑتا تھا ایک شخص خاص کو اس کی جوابدہی کرنی پڑتی تھی یہ نہیں کہ انا کو خالی بیٹھے دیکھ کر اس کے آگے سلائی ڈال دی۔ سینے والی سے آٹا گندھوا لیا۔ پکانے والی کو کسی کی خیر صلاح کی خبر کو بھیج دیا۔ اپنے کرنے کا کام نہ ہو تو خالی بیٹھی رہو۔ مگر دوسرے کے کام میں دخل نہ دو۔ دیر ہو تو تمہاری بلا سے اور بگڑے تو تمہارے صدقے سے۔ اس ربط و ضبط کی قدر کوئی اُن کے دل سے پوچھے جو گھر کا انتظام اُٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ ہے ایک مختصر سا نمونہ صادقہ کی کارروائی کا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس عقل اور سلیقے کی عورت تھی۔ ہائے افسوس ایسی دانشمند ایسی زیرک ایسی منتظم ایسی لائق صورت کی اچھی سیرت کی عمدہ اور وہ بائیس ۲۲ برس کی عمر تک صرف اس وجہ سے کواری بیٹھی رہے کہ سچا خواب دیکھتی تھی اور لوگ ناحق ناروا شبہہ کرتے تھے کہ اس کے سر پر کچھ ہے۔ لیکن خدا کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا انسان اپنے قصورِ عقل کی وجہ سے اُن مصلحتوں کو اکثر نہیں سمجھتا اور منھ سے نہ بھی کہے تو دل میں ناراض ہوتا ہے اور اس کو ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ یہی حال رہا ہوگا صادقہ کا اور اس کی بہتری چاہنے والوں کا لیکن بعد کو منکشف ہوا کہ وہ اس غرض سے بٹھائی گئی تھی کہ روزِ ازل میں اس کا جوڑا ایسے شخص کے ساتھ بدا تھا کہ معمولی طور کی عورت نہ اس کو خوش رکھ سکتی اور نہ آپ خوش رہتی

پانچویں فصل

بیاہ کے بارے میں صادقہ کے خیالات

ناظرین کی خدمت میں اس شخص کی تقریب کرنے سے پہلے ہم ایک گفتگو نقل کرتے ہیں۔ جو صادقہ اور اس کی پرانی بچپن کی سہیلی ہمرانہ بیگم میں ہوئی تھی کہ اس سے بیاہ کے بارے میں صادقہ کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ دونوں میں رشتہ ناطہ کچھ نہ تھا۔ مگر ہمسائگی ہم عمری اور ہم مکتبی کی وجہ سے ایسا خلا ملا تھا کہ دو سہیلیوں میں کہیں ہوگا تو بس اتنا ہی ہوگا۔ خدا جانے کس نے بیان کیا تھا کہ دونوں نے ایک ساتھ کا سونا اس دن چھوڑا ہے جب ہمرانہ بیاہی جا کر پرائی ہوئی۔ اور تب ہی سے صادقہ ہمرانہ سے ذرا کھنچنے بھی لگی تھی۔ کیوں کہ کواری لڑکی کا بیاہی ہوئی لڑکیوں سے بہت میل جول رکھنا ذرا بدنما بھی سمجھا جاتا ہے لیکن صادقہ کی رکاوٹ پر ہمرانہ کا یہ حال تھا کہ سسرال سے ہر روز بلاناغہ خیر صلاح کے لیے آدمی بھیجتی اور میکے آتی تو پہلے سیدھی صادقہ کے پاس آتی۔ اور سسرال جاتی تو سب سے اخیر اس سے مل کر جاتی اور

باوجودے کہ ماں بہتیرا روکتی ٹوکتی رہتی تھی کہ دیکھو ایسا نہ ہو سسرال سے کوئی آدمی آ نکلے۔ ہمراز کا (کیا گنتی بتائیں) ایک پاؤں اپنے گھر ہوتا تھا اور دوسرا صادقہ کے یہاں۔ شروع شروع میں تو یہی کیفیت رہی۔ مگر دنیا کی کسی چیز کو بھی قیام نہیں۔ جوں جوں ہمراز بال بچوں کے بکھیڑے میں پھنستی گئی پیار اخلاص میں تو نہیں مگر ہاں تپاک میں کمی آتی گئی۔ یوں تو صادقہ کے بیاہ کی طرف سے ماں کو ہر وقت تردد ہی تردد رہتا تھا۔ مگر جب سے لوگوں نے یہ صلاح دینی شروع کی کہ بڑی کے بیاہ کا انتظار نہ کر کے چھوٹی لڑکیوں کے بیاہ دو تب سے تو حقیقت میں ماں کا اضطراب اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رات دن اسی کی دھن تھی جہاں اس نے اور تدبیریں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ کہ ہمراز کو بلا کر کہا کہ میں تو نہیں کہہ سکتی تم اپنے طور پر صادقہ سے کہو کہ اپنے بارے میں کوئی خواب دیکھے۔ اور عجب نہیں دیکھا ہو اور لحاظ کے مارے نہ کہتی ہو تم اس کی ٹوہ لو۔ ہمراز نے صادقہ کو الگ دالان میں لے جا کر باہر کی چلمنیں چھوڑ دیں۔ صادقہ اس بلا کی ذہین تھی کہ اتنی ہی بات سے سمجھ گئی۔ بارے جب دونوں ایک جگہ بیٹھیں تو صادقہ نے ہی بات نکالی کہ اب کے تو تم سسرال میں خوب جمیں معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم لوگوں کی اگلی سی چاہت نہیں رہی

ہمراز: مجھ کو تو سسرال میں ایک ایک دن دوبھر ہے۔ پر کیا کروں پرائے بس میں ہوں۔ ننھے کا ایسا ہلکا خون ہے کہ آئے دن بیمار رہتا ہے۔ اور اب کے تو دشمنوں کی کچھ بھی آس نہ تھی ایسے زور کا دکھ ہوا تھا کہ بارہ دن تک ساری ساری رات لیے بیٹھے رہے بارے اب پرسوں سے ہوشیار ہوا تو میں بر وستی نکل بھاگی۔ اماں جان تو اب بھی راضی نہ تھیں اور وہ مجھ سے راضی ہی کب ہوتی ہیں۔ ہاں تم اپنی کہو تو

صادقہ: خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہماری تو وہی کہاوت ہے نہ ساون سوکھے نہ بھادوں ہرے جیسے کل تھے ویسے آج ہیں۔ تمہارے ننھے کو میں نے خواب میں بیمار دیکھا تھا مگر انجام بخیر تھا بلکہ تمہاری اماں ایک دن گھبرائی گھبرائی آئیں تھیں اور میں نے ان سے کہہ بھی دیا تھا۔ اور خبر تو میں روز ہی پوچھ لیا کرتی تھی۔ اور تم جانتی ہو میرے آنے کا کوئی موقع نہ تھا۔

ہمراز: ہاں اماں نے تمہارے خواب کا حال کہلا بھیجا۔ تب تو میرے دم میں دم آیا۔ ورنہ اتنے دن دانہ منہ میں گیا ہو تو حرام۔ خیر ہمارے لیے تو تم نے بہتیرے خواب دیکھے۔ یہ تو بتاؤ اپنے

لئے بھی کچھ دیکھا یا نہیں۔
صادقہ۔ میں اپنے لئے کیا دیکھتی۔
ہمراز۔ جس طرح میرے بیاہ سے پہلے مجکو دلہن بنا ہوا دیکھا تھا کبھی اپنے تئیں بھی دیکھا یا نہیں
صادقہ۔ ہمراز تم اب بیاہی جا چکی ہو اللہ رکھے تمہارے آگے بچے ہیں تم کو مجھ سے ایسی باتیں کرنی نہیں چاہئیں۔
ہمراز۔ کیوں۔ کیا بیاہے جانے سے مجکو کچھ اور بھاگ لگ گئے میں وہی ہمراز ہوں جس کے ساتھ پہروں تم اس قسم کی باتیں کیا کرتی تھیں۔
صادقہ۔ بے شک وہی ہمراز ہو۔ مگر میری تمہاری حالت میں اب بڑا فرق ہے شاید لوگ میرا تمہارا بہت گاڑھا ربط وضبط اب پسند نہیں کرتے۔ تمہارا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ مگر مجکو موںھ پر نہیں تو بیٹھ پیچھے پکی چھیتیسی ضرور کہیں گے۔
ہمراز۔ اسی خیال سے میں نے چلنیں چھوڑ دی ہیں کہ کوئی سُنے نہیں۔
صادقہ۔ بوڑھی اماں ہو کر تم نے اتنی ہی عقل سیکھی۔ کوئی شبہہ نہ کرتا تو کرے۔
ہمراز۔ میں تمہاری اماں کے اشارے سے آئی ہوں اونھوں نے مجکو تمہارے پاس اسی غرض سے بھیجا ہی۔
صادقہ نہیں معلوم اماں کو کلبے کی گھبراہٹ ہی۔ یہ میں جانتی ہوں کہ میرا ردٹی کپڑا ان پر بھاری نہیں اور ساری اولاد میں مجکو چاہتی بھی بہت ہیں۔ اور میں چلی جاؤں تو کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا نہیں تو کیا میری کسی بات سے ان کو تقاضا معلوم ہوا۔
ہمراز۔ ہمراز تقاضو نکا تقاضا تو تم خود ہو۔
صادقہ۔ خواہ مخواہ بھی۔ اور جو مجکو منظور ہی نہ ہو۔
ہمراز۔ کیا تم انوکھی عورت ہو کہ ساری عمر کواری بیٹھی رہو گی۔ اور کوئی تم کو جھا بھی رکھے گا۔ اور تم کو انکار ہو تو موںھ سے پھوٹتیں کیوں نہیں کہ لوگ اپنا سُبیتا کریں۔

صادقہ۔ بات یہ ہے کہ اول تو یہ ایسا مشکل معاملہ ہے کہ طبیعت ان کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں ہو سکتی دوسرے اب میرے انکار کی بھی کیا سند ہے۔ میں انکار کرتی تو اُس وقت کرتی جب انکار کرنے کا موقع تھا اب وہ موقع تو نکل گیا انکار کروں تو میری وہی کہاوت ہو۔ جو کسی کتاب میں میری نظر سے گزری ہے کہ ایک لومڑی چلتے پھرتے کسی باغ میں جا نکلی۔ دیکھا کہ انگور خوب پھلے ہیں اور کوئی رکھوالا نہیں۔ ٹیٹوں کے تلے پہنچی تو معلوم ہوا کہ انگور تو لدے پڑے ہیں مگر اونچے بہت ہیں۔ اُچھلی کودی اور بہتیرے جتن کیئے۔ انگور ہاتھ نہ آئے ناچار صبر کرکے چلتی ہوئی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتی جاتی تھی کہ خیر کم بخت تھے بھی کھٹّے۔

ہمراز۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم بیاہے جانے سے ناراض ہو۔

صادقہ۔ اگر ناراض نہیں تو راضی بھی نہیں۔

ہمراز۔ لیکن ہم تم میں جو ندکور رہا کرتے تھے وہ بھی یاد ہیں۔ تب تو تم کہا کرتی تھیں کہ میں بیاہی جاؤں گی تو یہ کروں گی اور وہ کروں گی۔

صادقہ۔ آدمی کے خیالات کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ تمھاری طرح مجکو دولہن بننے کی خوشی تھی۔ اور میرے نزدیک بیاہ اسی کا نام تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو عمدہ سے عمدہ کپڑے بدرے گہنا پہنا۔ بنائے سنوارے گئے۔ دان جہیز لیا۔ سسرال سے چڑھاوا آیا۔ کچھ رونمائی میں ملا۔ سسرال جاتی ہیں تو وہاں خاطر مدارات میکے آتے ہیں تو یہاں چوچلے۔ پھر جوں جوں عمر زیادہ ہوتی گئی اور اونچ نیچ کی سمجھ آئی۔ بہت کچھ کتابوں میں پڑھا اور کسی قدر اپنی دیکھ بھال سے دریافت کیا تو بیاہ کے نام سے میرا کلیجا تھر تھر کانپنے لگتا ہے اور اندر سے جی یہی چاہتا ہے کہ عمر بھر اسی طرح بیٹھی رہوں۔

ہمراز۔ سچ کہا ہے بہت سیان پن بھی آدمی کو خراب کرتی ہے۔ سب تمہاری ہی طرح سوچا کریں تو دنیا کاہے کو بسے آخر سب بیاہے ہی جاتے ہیں۔

صادقہ۔ بیاہے تو جاتے ہیں مگر ایک گھر کا تو نشان دو جہاں جوتیوں میں دال نہ بٹتی ہو۔ اور تم اپنے ہی بہنوں کیوں نہیں دیکھتیں۔ باوجودے کہ تم کو خوش قسمتی سے میاں بھی ایسے ملے ہیں کہ ہزاروں میں

ایک پڑھے - لکھے - لائق حسب نسب سے درست - اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نوکر اور نوکری بھی معقول اور
پھر نہ تم خوش اور تمھاری ہی کہنا ہے کہ وہ بھی تم سے خوش نہیں اور ابھی کی آمدنی کی ہیر شدی تیل و کھوتیل

ہمراز - ہمارے یہاں تو یہ ایک بڑا اَبَل آ کر پڑا ہے کہ گھر گھر ساس نندیں ہیں لیکن ایسی آخر تو کہیں بھی نہ ہوں گی جیسی میری - ان کو رات دن میری بدیاں رونے کے سوائے اور کچھ کام ہی نہیں - وہ[1] اپنی ذات سے ایسے بُرے نہیں - مگر انھوں نے لگا لگا کے لگا لگا کے آخر مجکو اُن کی نظروں سے گرا دیا - اور اب بھی تو صبر نہیں -

صادقہ - کیا تم سے کچھ سختی کرتے ہیں -

ہمراز - نہیں خدا نہ کرے سختی تو نہیں کرتے - مگر میری طرف اُن کا رُخ نہیں کبھی بضرورت ایک آدھی بات کرلی ورنہ کوئی پہچان نہیں سکتا - کہ یہ میاں بیوی ہیں -

صادقہ - کیا ہوا بعض آدمی کم سخن بھی ہوتے ہیں -

ہمراز - اے ہے یہی تو غضب ہے - بڑے باتونی بڑے خوش مزاج - مگر مجھ سے نہیں - اوروں سے - ایک ہمارے رشتے کی خالہ ہوتی ہیں - ہمارے گھر سے دیوار بیچ اُن کا گھر ہے - ہم نے تو اُن کو ابھی کے دیکھا خدا جانے کتنے برسوں میں حج کر کے آئی ہیں - اور بغداد اور بیت المقدس اور نہیں معلوم کہاں کہاں گئی تھیں - اُن کو بُلا بُلا بھیجتے ہیں - اور پہروں اُن سے اِدھر اُدھر کے حالات پوچھا کرتے ہیں - یا ہمارے ماموزاد بھائی میاں آگاہ جب کبھی آ نکلتے ہیں تو پھر ان دونوں کی باتیں سنو - دونوں میں سے کسی کے ہاتھ میں اخبار ہوتا ہے اور رُوم اور رُوس اور خدا تمھارا بھلا کرے کابل اور کون کون ملکوں کے جھگڑے پیش ہوتے ہیں - میں تو کچھ سمجھتی بوجھتی نہیں - مگر نہ تو اُن کا جی اُٹھنے کو چاہتا ہے اور نہ یہ اُن کا پنڈ چھوڑتے ہیں - تو کیوں کر کہوں کہ کم سخن ہیں -

صادقہ لِم کو پہنچ تو گئی مگر ہمراز کی دل شکنی کے خیال سے کچھ نہ کہہ سکی اور پوچھا تو یہ پوچھا کہ تم نے کبھی موقع پا کر اپنے میاں سے اِس کا سبب بھی دریافت کیا -

ہمراز - ایک بار بیسیوں دفعہ - جب پوچھا یہی کہہ دیا - میں جس مزاج کا ہوں تم کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی

[1] ہمراز نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا کیوں کہ ہندوستان میں بی بی شوہر کا نام نہیں لیا کرتی ۔ ۲ ۔ +

اور کھانے پہننے کی باتوں سے میرا جی الجھتا ہے کیوں کہ یہ تمہارے کرنے کے کام ہیں۔ ان میں مجھکو درک اور نہ دخل دینے کی ضرورت۔ میرا بہت سا وقت صرف ہوتا ہے کچہری میں تم کو اس سے کچھ مناسبت نہیں۔ میں ہر چند سوچتا ہوں تم سے کرنے کی کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ سو ہوا یہ آخر کار میں نے بھی اسکا خیال چھوڑ دیا۔ وہ کنوار پنے کی بے فکریاں جو کبھی یاد آجاتی ہیں تو ایک سناٹا سا گزر جاتا ہے

صادقہ۔ اور پھر میں کہتی ہوں تم سینکڑوں ہزاروں میں اچھی ہو۔ میں نے تو بڑی بڑی دور تک خیال دوڑائے ہیں۔ وہ امن چین وہ تسلی وہ خوشی جو بیاہ کا مقصود ہے۔ کسی ایک آدھ ہی کو نصیب ہوتی ہوگی اور اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہاں کا بیاہ اندھے کا نشانہ ہے لگا تو تیر نہیں خالی گیا۔ کیا مرد کیا عورت ہر ایک کا مزاج الگ ہر ایک کی طبیعت جدا۔ ہر ایک کی خو خصلت علیحدہ دو آدمی اجنبی محض جان نہیں پہچان نہیں۔ ملاقات نہیں۔ صاحب سلامت نہیں۔ اوپر والوں کی تجویز سے ملا دیئے جاتے ہیں۔ اب وہ شیر و شکر کا سا ملنا ملیں تو ان کی تقدیر اور تیل اور پانی کا سا ملنا ملیں تو ان کی تقدیر۔ اور چونکہ مرد کا پلہ زبردست ہے موافقت نہ آئی تو عورت زندہ درگور ہو چکی یہی سچ سمجھ کر میرا جی دھکڑ پکڑ کرتا ہے۔ اور واقع میں میں کوئی انوکھی عورت نہیں ہوں جو دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور وہ میرا دستور۔ مجھکو ہرگز امید نہیں کہ ساری عمر بھی اطمینان کیساتھ اس کا فیصلہ کر سکوں گی۔ غرض اندر دل سے تو میں بیاہ سے راضی نہیں۔ مگر جانتی ہوں کہ سب اس کے در پے ہیں تو انکار بھی نہیں کر سکتی۔

ہمراز۔ پھر آخر میں تمہاری اماں سے کیا جا کر کہوں۔

صادقہ۔ ان سے تو اتنی ہی بات کہہ دینا کہ خواب تو میں نے کوئی دیکھا دکھایا نہیں۔ اور نہ ہوتا ہوتا تو مجھکو ضرور دکھائی دیتا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہوگا تو سہی مگر دیر سے۔

چھٹی فصل صادقہ کے بیاہ کی چھیڑ چھاڑ

چھوٹی دو بہنوں کے بیاہ ہو چکنے پر پہلے پہل تو صادقہ کے ماں باپ بڑی فکر میں رہے۔ جب سے یہ دونوں بیاہی گئیں نہیں معلوم ان کے شغل میں لگ گئے یا ناامید ہو کر بیٹھ رہے غرض مدتوں سے گھر میں

صادقہ کے بیاہ برات کا کچھ چرچا سننے میں نہیں آتا تھا۔ لیکن ماں کو تو ملووں سے لگی تھی وہ پانچوں وقت نماز کے بعد دعا مانگا کرتی تھی برسوں اس کے لیے اُس نے حصن حصین پڑھی۔ اور عمل تو جس نے جو بتایا کیسا ہی مشکل کا ہو اُس کو کرنا ضرور۔ بارے بخارا کی طرف کے کوئی بزرگ سیاحت کے طور پہ شہر میں آ نکلے تو اتفاق سے اسی محلے کی مسجد میں آکر ٹھہرے معمول کے مطابق صادقہ کے یہاں سے دونوں وقت کھانا آتا رہا وہ ہو گئے بیمار۔ ان لوگوں نے حسبۃً للہ ایسی خبر گیری اور خدمت کی کہ جو خبر گیری اور خدمت کا حق ہے۔ دونوں وقت حکیم کو حال کہلا بھیجنا۔ نسخہ منگوانا بنانا حکیم نے جو کچھ کھانے کو بتایا تو وقت پہ طیار کرا دینا۔ اتنے تعلق سے اُن بزرگ کو اس گھر کے بعض حالات بھی معلوم ہوئے۔ اور اُن میں سے صادقہ کا معاملہ بھی تھا۔ آخر اِن بزرگ نے کہلا بھیجا کہ ان شاء اللہ میں بھی دعا کروں گا۔ اور تم میں سے کسی سے ہو سکے تو نماز تہجد کے بعد تنہائی میں دو نفلیں تعدیل ارکان کے ساتھ پڑھ کر اول آخر تین تین بار درود اکتالیس دفعہ اس آیت شریف کا ورد کرو اور پھر خشوع خضوع کے ساتھ عرض حاجت آیت یہ ہے و من آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ[1]۔ ان بزرگ نے یہ بھی فرمایا کہ اس عمل کی حد تو ایک چلے کی ہے۔ مگر مجھ کو خدا کی ذات سے توقع ہے کہ ہفتے کے اندر ہی اندر بشارت ہو گی۔ عمل کو شروع کیے ہوئے تیسری رات تھی کہ اُدھر صادقہ کی ماں دعا مانگ رہی تھی اور اِدھر صادقہ کو خواب دکھائی دے رہا تھا۔ دیکھتی کیا ہے کہ جیسے اس کے والد چھکتے میں ایک تصویر لیے کھڑے ہیں اور اس کو دکھا رہے ہیں اور وہ تصویر کسی انگریز کی سی ہے۔ صادقہ نے اجنبی مرد کی صورت دیکھتے ہی بے اختیار اپنا مونہ چھپا لیا۔ تو اس کے والد کہتے ہیں بیٹا! یہ تو تصویر ہے اور تصویر بھی ٹھیک نہیں۔ دیکھو اس شخص کی اصلی صورت یہ ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اُس تصویر کے نیچے سے اور تصویر نکالی۔ تو وہ ایک مسلمان کی تھی مگر دونوں تصویریں تھیں ایک ہی شخص کی۔ صادقہ کو تو اپنے خوابوں کی تعبیر کی مہارت تھی ہی۔ سمجھ گئی کہ بیاہ کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ کوئی اور نادان عورت ہوتی تو مارے خوشی کے اُچھل پڑتی۔ مگر صادقہ کو اُن ذمہ داریوں کا خیال آ گیا جو بیاہ سے پیچھے اس پر عائد ہوں گی اور وہ ابھی سے سوچ میں گئی کہ اس چہرے مہرے کا شخص کس مزاج کا ہو گا۔ اور اس کو خوش رکھنے کے لیے

[1] اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے تم ہی میں سے تمھارے لیے بیبیاں پیدا کیں کہ تم اُن کی طرف رغبت کرو۔ اور تم میں اور اُن میں دوستی اور مہربانی قائم کی ۱۲

مجھکو کیا کرنا پڑے گا۔ قیافے کے سوائے تحقیقات کا اور کوئی ذریعہ تھا نہیں تو اس نے عقل دوڑائی کہ یہ
مرد وا میانہ قد سے نکلتا ہوا ہے۔ اور اس کی گردن بھی لمبی ہے تو یہ برتری کی دلیل ہے اور ضرور ہے کہ ایسا
شخص نام ونمود کا طلبگار ہو۔ اسکا سر بڑا ہے یعنی دانشمند ہے پیشانی اونچی اور فراخ ہے تو خوش مزاج ہوگا ماتھا بھرا
ہوا ہے ذہن کا تیز ہے۔ آنکھیں روشن اور بڑی ہیں بلند نظر اور سیر چشم ہے۔ ہونٹ پتلے اور بھنچے ہیں۔ ارادے کا
پکا اور ہٹ کا پورا ہے۔ ناک کسی قدر موٹی اور نتھنے چوڑے ہیں خوددار اور غصیلا ہے اور کیا عجب ہے
مغرور ہو۔ کنپٹیاں الگ دکھ پڑتی ہیں کمانے کے خوب ڈھنگ آتے ہونگے۔ سینہ چوڑا ہے تو
تندرست اور قوی دل ہے۔ یہ روداد تو کچھ بری نہ تھی۔ بلکہ ان صفتوں کے آدمی میسر نہیں آتے مگر کچھ
سمجھ میں نہ آیا کہ وہ تصویریں کیسی۔ چند روز کا وقفہ دے کر پھر صادقہ نے دیکھا کہ پانچ وہی
وہ تصویریں اس کے حوالے کیں کہ لو تم اپنے پاس رکھو۔ مگر بہت احتیاط سے رکھنا۔ اس کا مطلب بھی صاف تھا۔
تیسری بار کسی کو خواب میں پکار کر کہتے ہوئے سنا کہ وہ تصویریں تمہارے ہمنام کی ہیں۔ صادقہ نے
غور تو کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ آج جمعرات کی رات کو صبح ہوتے ہوتے صادقہ نے
یہ اچنبھے کا خواب دیکھا۔ اور اگلے ہی دن کوئی چار گھڑی دن چڑھتے چڑھتے ڈاکیے نے آواز دی کہ
رجسٹری خط لے جاؤ۔ دیکھیں تو ایک بڑا سا رعنا انگریزی کاغذ کا لفافہ صادقہ کے والد میر خسرو
کے نام بنارس سے صادق نامی کسی شخص نے ایسے اہتمام سے بھیجا ہے کہ لفافے کی درزوں پر
ایک ایک انچ کے فاصلے سے لاکھ کی مہریں ہیں۔ مکتوب الیہ کا نام اور پتہ انگریزی فارسی دونوں
خطوں میں ایسا صاف لکھا ہوا تھا کہ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لفافہ لے تو لیا
مگر یہ معمولی طور کا لفافہ نہ تھا۔ کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا کہ ہمارے متعارفین میں سے بنارس میں
اس نام کا کون شخص ہے۔ اور اس کو ایسا لفافہ رجسٹری بھیجنے کی کیا ضرورت پڑی ہوگی۔ سردی کا تھا
موسم اور ابھی کچھ ایسا دن بھی نہیں چڑھا تھا سب لوگ ایک ہی دالان میں جمع تھے [illegible]
صادقہ بھی۔ یہ تو سمجھ گئی کہ ہمنام کی یہ تعبیر ہے۔ میر صاحب نے تھوڑی دیر تامل کر کے آخر لفافے کو کھولا۔ اندر سے
جز کا جز ایک خط نکلا۔ چند سطریں بھی پڑھنے نہیں پائے تھے کہ بی بی نے پوچھا آخر کون ہیں کیا لکھتے ہیں

میاں۔ ابھی اِس کے پوچھنے کا کیا موقع ہے ذرا پڑھ تو لینے دو۔

بی بی۔ بس میرا بولنا تو تمکو زہر لگتا ہے۔

میاں۔ تم ۔ بات ہی ایسی کرتی ہو کہ نہ رکھی جائے اور نہ اُٹھائی جائے۔ اول تو تم کو میری ہر ایک بات کی کُرید ہی کرنی کیا ضرور ہے اور پھر صریحًا دیکھ رہی ہو کہ کتاب کی کتاب میرے ہاتھ میں ہے۔ پڑھنا شروع کیا ہے کہ تم نے بیچ میں ایک پتھر کھینچ مارا۔ مجھکو معلوم نہیں تم جواب کیا دوں۔ ابھی زردے کا عمل پورا نہیں ہوا۔ اوپر تلے چار پانچ پان کھاؤ گی تو تمھارا مزاج درست ہوگا۔

بی بی۔ آپ سارے دن حقہ بیٹھے گڑگڑائیں تو کچھ نہیں میرے زردے کا ہر وقت طعنہ۔ لو اب زردہ کھاؤں تو حرام کھاؤں۔ مردار کھاؤں۔

یہ کہکر گلوری جو تھوڑی دیر ہوئی مونہ میں رکھی تھی اور ابھی اُس کے چبانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی اُگالدان اُٹھا تھوک دی۔ میر صاحب بیچارے خط ہاتھ میں لیے دم دبائے چلتے ہوے۔ اور اگر ایک لمحہ بھی بیٹھے رہیں تو دونوں میں ایسی ہی لڑائی ہو جیسی ہر روز ہوا کرتی تھی باہر مردانے میں اطمینان سے بیٹھ کر خط پڑھا تو لکھا تھا۔

ساتویں فصل سید صادق کی طرف سے شادی کا رقعہ کہنے کو رقعہ ور واقع میں کتاب اور اُسی میں علیگڈھ کالج کا مختصر حال اور نکاح کے بارے میں لوگوں کی رائیں

جناب من۔ بندے کا نام تو آپ کو لفافے ہی سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ میں اُس سے آشنا اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ۱۸۹۶ء کے بی اے کے امتحان میں جو شخص کلکتہ یونیورسٹی میں اول رہا وہ یہی خاکسار ہے۔ میں نے علیگڈھ کالج میں تعلیم پائی ہے اور اب بھی اُسی کالج کی ایم اے کلاس میں پڑھتا ہوں بندے کا وطن آبائی تو فیض آباد ہے مگر شاہزادہ [illegible] نشکوہ کے توسل کی وجہ سے والد نے بنارس میں رہنا اختیار کیا۔ اور چونکہ کچھ جائداد از قسم زمینداری وغیرہ بھی پیدا کرلی ہے۔ اب ہم یہیں کے ہو گئے ہیں۔ ہمارا نسب نامہ محفوظ ہے اور میں اس سے آپ کو اپنے سید الطرفین ہونے کا یقین دلا سکتا ہوں۔ اور اس کا بھی کہ بزرگوں میں علما اور مشائخ اور حکام وقت اور مشاہیر

گذر لے ہیں ع لیکن نبود وصف اضافی بہ ذوات۔ میں آپ اپنا معرف ہو ناز
مجکو آپ کے ایک بڑے واقفکار سے آپکے ذاتی اور خانگی حالات بالتفصیل سُننے کا اتفاق ہو
خیال میرے دل میں آپ کی طرف سے پیدا ہوا اُسی نے مجکو اس عریضے کے لکھنے اور پیش
دلائی گو آپ انگریزی نہیں جانتے۔ لیکن مجکو بتحقیق دریافت ہوا ہے کہ آپ کا مزاج بے تد
منصف۔ ذہن رسا رائے صائب عقل مصلحت اندیش خیال آزاد افسوس ہے کہ لوگوں کو
معلوم نہیں کہ ہمارے کالج میں کاہے کی خصوصیت ہے۔ مجکو اس بات کے مان لینے میں ذرا
پڑھائی کے اعتبار سے ہم میں کوئی برتری نہیں اور چونکہ سرکار نے تعلیم اپنے اختیار میں کر
دیے ٹھیرائی اور ان ہی کے مطابق بی اے وغیرہ علمی خطاب دیتی تو ہم اُس میں کوئی ردو
ہم سب سمجھتے ہیں کہ تعلیم ہکو کچھ ایسی زیادہ مفید نہیں لیکن تا وقتیکہ گورنمنٹ اپنا کورس نہ بد
اسی کی پیروی کرنی ہے۔ غرض میں اپنی اُسی بات کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ پڑھائی
کوئی برتری نہیں۔ اور یہ جو نماز روزے کی تاکید اور دینیات کے درس کا چرچا آپ سنتے ہ
جو مسلمانوں کو عوام تعلیم میں لانے کے لیئے بکھیر دیئے گئے ہیں۔ پادریوں کا مقصود اصلی ہے اپنے د
اور ہمارا دنیاوی تعلیم۔ وہاں لوگوں کو دین عیسوی سے گریز ہے۔ اور ہمارے ہاں مطلق انگر
تو پادریوں نے دفع وحشت کے لیئے دنیاوی تعلیم کو آڑ بنایا ہے اور ہم نے دینیات کو
خصوصیت ہے صرف دو باتوں کی ہے۔ ایک تو ہمارے یہاں کثرت سے ایسے طالب علم ہیں جو مدرسے ہی
ہی میں کھاتے مدرسے ہی میں سوتے۔ مدرسے ہی میں کھیلتے اور رات دن مدرسے ہی میں
گھروں کی بے تمیزیاں اور سوسائٹی کی بیہودگیاں۔ بزرگوں کی نازبرداریاں ان کی طبیعت
نہیں کرنے پاتیں دوسرے پڑھنے کے علاوہ لڑکوں کو دنیا کے معاملات میں غور کرنا اور دنیا میں
سکھلایا یعنی طالب العلموں کو آیندہ کی زندگی کے لیئے طیار کیا جاتا ہے۔ اگر مجکو بالفرض کسی کا
کرنے کی ضرورت ہو اور وہ شاید ایک دو جن عمدہ سے عمدہ سرٹیفکٹ مجکو دکھا سکے تو میں سچ عرض کر
دل اُس کی طرف ہرگز ایسا مطمئن نہیں ہوگا جیسا صرف ایک اتنی بات سے کہ وہ میری طرح

اگر آپ نے علی گڈھ کالج کے کچھ حالات معلوم کیئے ہیں۔ اور آپ جیسے بیدار مغز روشن خیال آدمی سے تعجب ہے کہ نہ کیئے ہوں تو آپ نے کالج کی رپورٹوں میں علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ہم بورڈر کیونکر اپنے کھانے اور پہننے اور کھیلنے اور کل ضرورتوں کا خود انتظام کرتے آپس میں کیسے مباحثے رہتے۔ اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں کس طرح شریک ہو جاتے ہم لوگوں میں کئی قسم کی کمیٹیاں قائم ہیں ازاں جملہ ایک کمیٹی [illegible] ح ہے۔ اُس کے تحت میں ایک سب کمیٹی ہے جس میں صرف بیس برس سے زیادہ عمر کا طالب علم شریک ہو سکتا ہے۔ اور مجکو اس کمیٹی کے سکرٹری ہونے کی عزت بخشی گئی ہے۔ اس کمیٹی کی کارروائی شب کے وقت دروازے بند کر کے ہوتی ہے اور ممبروں کے سوا کسی کو کمیٹی میں آنے کی اجازت نہیں۔ اس کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص نکاح کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرے اور اُس پر ردوقدح ہو تاکہ جو شخص ایسا تعلق کرنا چاہے وہ اُس کے نفع نقصان اور لوازم ونتائج کو پہلے سے سوچ چکا ہو۔ مدت تک میری یہ رائے رہی کہ میں تجرد میں اپنی زندگی بسر کروں گا جس دن میں نے کمیٹی میں اپنی یہ رائے ظاہر کی اور وہ مضمون جو لکھکر لے گیا تھا پڑھ کر سُنایا ممبروں کا ایک گروہ کا گروہ اُس کی تردید کو کھڑا ہو گیا اور مہینوں اسپر بڑی سرگرمی اور جوش کے ساتھ بحث ہوتی رہی میں نے جن باتوں پر زور دیا تھا وہ یہ تھیں کہ اس تعلق کا مدار دلی رغبت اور محبت پر ہے بلکہ رغبت اور محبت کی جگہ لفظ عشق استعمال کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اور رغبت ومحبت کی مثال میرے نزدیک درخت کی سی ہے کہ ایک دم سے سموچے کا سموچا زمین سے نہیں نکل کھڑا ہوتا بلکہ اسکا بیج بویا جاتا ہے پھر وہ جڑ پکڑتا ہے پھر پھوٹتا ہے۔ پھر اِس میں کونپل نکلتی ہے پھر پتے لگتے ہیں پھر پھیلتا اور بڑھتا ہے پھر پھولتا اور پھلتا ہے بعینہ یہی حال ہے رغبت اور محبت کا۔ دو طبیعتوں میں ایک طرح کی خلقی مناسبت ہوتی ہے۔ پھر ساتھ رہنے سے اُنس پیدا ہوتا۔ اُنس سے اُلفت۔ اُلفت سے رغبت اور آخر کار رغبت سے محبت۔ پھر آگے محبت کے مدارج ہیں تو جن دو شخصوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں ایک دوسرے کے پاس نہیں بیٹھے۔ ساتھ نہیں رہے۔ ایک دوسرے سے بات نہیں کی ایک دوسرے کے شریک رنج وراحت نہیں ہوئے۔ کیونکر ایک کو ایک کی محبت ہو سکتی ہے۔ پس ہمارے یہاں کا تعلق زناشوئی ایک طرح کا جوا ہے۔ لوگ جیتتے بھی ہیں اور ہارتے بھی ہیں۔ اور چونکہ محبت ایک کے کرنے سے نہیں ہوتی جیتنے کا احتمال ایک ہے تو ہارنے کے دو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر خانہ داریوں میں فساد سُننے جاتے

ہیں۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ انسان کیوں یہ مصیبت مول لے ہم مسلمانوں میں سے دولت نکل گئی ہے اور نکلتی چلی جاتی ہے اور
دولت کے کمانے کے جو طریقے ہیں اُن سے ہم کو گریز ہے اور مسلمانوں کی طرف سے میں بالکل نا امید ہوں اور
اسی میں اُن کی بہتری سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ جہاں تک ممکن ہو اپنے شمار کو بڑھنے نہ دیں کیونکہ شمار کے ساتھ
ساتھ مفلسی اور خواری بڑھتی جائے گی۔ ہوں اور ذلیل محتاج ہوں تو ہوں ہی لیکن میرے اکیلے
کی کون سنتا ہے اور نہ صرف میری اکیلے کی بلکہ مجھ جیسے سیکڑوں کی ہزاروں کی لیکن مسلمانوں کے فائدے
کی جو بات سوجھ پڑے اُس کے ظاہر کیے بدون بھی تو نہیں رہا جاتا۔ تھوڑا سا اثر ہو گا تو بھی بہت ہے اس معاملے
میں سب سے زیادہ مشکل ہم لوگوں کی ہے جنھوں نے انگریزی پڑھی ہے یا پڑھ رہے ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا
کہ انگریزی پڑھنے سے معلومات میں وسعت اور خیالات میں آزادی آجاتی ہے۔ اور ایک خاص طرح کا
مذاق پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستانیوں (پرانے خیالات کے ہندوستانیوں) کے مذاق سے بالکل جدا اور متنافی
بلکہ متباین۔ اختلاف رائے اختلاف وضع اختلاف خیالات کے ہوتے دوسرے تعلقات تو خیر بری
طرح یا بھلی طرح نبھ بھی سکتے ہیں۔ لیکن یہ خاص تعلق یہ تمام تعلقات سے قوی تر تعلق میں نہیں سمجھتا کہ ایک
دن بھی خوش اسلوبی سے نبھ سکتا ہے۔ جو شخص اپنے برابر والوں کو بلکہ اپنے سے بڑوں کو صرف پرانے خیالات
کی وجہ سے مونہ سے بھی نہ کہے تو دل میں ضرور حقیر سمجھے کیوں کر مانوس ہو جائے گا اُس عورت سے جس کو اس کے
سے خیالات چھو بھی نہیں سکے۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہے۔ اس سے کہ جب گھر میں آئے پکانے کھانے اور سینے
پرونے کے سوا کوئی بات نہ سنے۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہے۔ اس سے کہ جب دو عورتیں مل کر بیٹھیں اس کی
بدی اُس کی غیبت کے علاوہ اُن میں کوئی مذکور نہ ہو۔ کیا وہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ جن باتوں میں
اس کو دلچسپی ہے گھر میں کسی کو اُس سے لگاؤ نہیں۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ جتنی دیر گھر میں رہے اکیلا
پڑا ہوا کتاب دیکھا کرے یا اخبار پڑھا کرے اس لیے کہ گھر والی کے ساتھ گفتگو کی سلسلہ جنبانی کرنے کو یہ کوئی
مطلب نہیں پاتا۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ خیالات کے اعتبار سے بی بی کو ایک انچ ابھار نہیں
سکتا۔ اور اُس کے پست خیالات میں شریک ہونے کے لیے اپنے تئیں گرا نہیں سکتا۔ کیا یہ خوش رہ سکتا
ہے اس سے کہ سارے گھر کی روزی پیدا کرنے کے لیے یہ اکیلا دن بھر مصیبت جھیلے اور رات کو تھکا ہارا گھر

آئے تو کوئی اتنا نہ ہو کہ اس کو صلاح بتائے یا زبانی سہارا لگائے۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ پردیس میں مع تو صرف اس وجہ سے کہ بی بی پڑھی لکھی نہیں۔ نہ اپنی کہہ سکے اور نہ اُس کی سن سکے۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ ماں کی بے تدبیریوں سے اس کے بچے ہلاک ہوں۔ وہ پڑے ہیں بیمار۔ اور دوا کے عوض ان کو پلائے جائیں تعویذ۔ باندھے جائیں گنڈے۔ اُتارے جائیں ٹوٹکے۔ مانی جائیں منتیں۔ کیا یہ خوش رہ سکتا ہے اس سے کہ اولاد کی ابتدائی تربیت میں ایسی غلطیاں کی جائیں کہ ساری عمر ان کی اصلاح نہ ہو سکے الغرض ان وجوہ سے اپنی نسبت اس وقت تک میرا ایسا خیال ہے کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ اور میں اس کمیٹی کے ممبروں کو بھی یہی رائے دیتا ہوں کیونکہ آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگرے مپسند۔ میں تو اتنا کہہ کر بیٹھ گیا اور پھر جو اس پر چاروں طرف سے بوچھاڑ ہونی شروع ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں نے مضمون کیا پڑھا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ کوئی شخص نہ تھا جس کے مونھ میں ایک یا دو اعتراض نہ ہوں۔ ان میں سے بعض بودے اور پھسپھسے بھی تھے لیکن میں نے کمیٹی کے سکرٹری ہونے کی حیثیت سے روداد میں لکھنے کے لیے سب کو یکجا کیا تو مجموعہ ایسا قوی معلوم ہوا کہ مجھکو اپنی رائے بدل دینی پڑی۔ اعتراضات کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم کو اپنے دوست سید صادق کی رائے سے ہرگز اتفاق نہیں۔ ان کی رائے مدلل ہے مگر غلطی اور مبالغے سے خالی نہیں۔ اول انہوں نے اس اصول کے قرار دینے میں بڑی مکروہ غلطی کی ہے کہ تعلق زناشوئی کو ہونا چاہیے نتیجہ محبت یعنی طرفین میں پہلے رابطہ محبت قائم ہو لے اس کے بعد یہ تعلق ہو۔ ہم بالکل اس کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ محبت پیدا ہوتی ہے تعلق زناشوئی کے بعد بے شک دو اجنبی جن میں مطلق سابقہ معرفت نہیں ایک دوسرے سے ملا دیئے جاتے ہیں۔ اُن میں خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے کی طرف رغبت کرنے کا مادہ ودیعت رکھا ہے۔ نکاح سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی طرف رغبت کرنے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ موقع پا کر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ جس کو تم محبت کہنا چاہیے۔ اور آخر کار اکثر ان میں محبت پیدا ہو بھی جاتی ہے اور حقیقی خانہ داریاں ہیں سب مظاہر اسی محبت کے ہیں۔ ہمارے دوست سید صادق نے محبت کے پیچ کو بہت زور سے کس دیا ہے۔ اور وہ اُس موانست کو جو تعشق سے کم ہو محبت نہیں کہنا چاہتے۔ یہ بھی ان کی غلطی ہے تعشق کیا چیز ہے بے قراری

کی محبت اور اس درجے کی محبت کو عقلار اور حکمار اور طلبار اور صلحار ان میں سے کسی نے بھی جائز نہیں رکھا ایسی ہی محبت یعنی شیفتگی ہی جس کو پیغمبر صاحب صلوات اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین فرماتے ہیں حب الدنیا راس کل خطیئۃ (دنیا کی محبت اعلی درجہ کا گناہ ہی) ایسی ہی محبت یعنی شیفتگی ہو جس کو اطبار نوع من الجنون (ایک طرح کی دیوانگی) لکھتے ہیں۔ انتظام دنیا کے لیئے ایسی گاڑہی محبت جو عشق اور شیفتگی کی حد کو پہونچ گئی ہو درکار بھی نہیں۔ اور کبھی اس کو خانہ داریوں میں ڈھونڈا جائے۔ جتنی معمولی طور کی محبت سے خانہ داریاں چلتی ہیں اور چل سکتی ہیں عموماً ہر گھر میں پائی جاتی ہی۔ اس سے کہ میاں بی بی کسی وقت کسی بات پر رد وکد کر بیٹھتے ہیں نہیں کھ سکتے کہ ان میں محبت نہیں۔ وہ صبح کو روٹھتے اور شام کو منتے دن کو لڑتے اور رات کو پیار اخلاص کرتے ہیں ہمارے دوست سید صادق عجیب حکمت سے پردے کی بحث کو اڑا گئے ہیں لیکن جو ان کا اصل مطلب ہے وہ ان کی تمام تقریر سے بڑا ٹپکتا ہے۔ وہ حقیقت میں عورتوں کے پردے کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہی پردہ ہی جو تعلق نکاح کے بدون مرد اور عورت میں اختلاط کا مانع ہے لیکن بے پردگی کے جو شرمناک نتیجے یورپ اور امریکا میں پیدا ہوئے۔ ہمیشہ کے لیئے ایک غیور اور منصف مزاج آدمی کی آنکھیں نیچی رکھنے کے لیئے کافی ہیں شاید سو میں ننانوے ہونگے جو بے پردگی کی رسم بد کو آج اٹھا دیں اگر ان کا بس چلے علاوہ بریں وہ محبت جس کو ہمارے دوست نے اس تعلق کے لیئے ضروری سمجھا ہی اور وہ ضروری ہی بھی پردہ داری کی صورت میں زیادہ محفوظ رہ سکتی ہی کیونکہ عورت نہ اجنبی مرد کو دیکھتی اور نہ اس کی نیت ڈانوا ڈول ہو سکتی۔ پردہ اس کو سکھاتا ہی کہ وہ صرف اپنے شوہر کے لیئے ہی اور بس۔ پردے کی غرض وغایت کیا ہی عورت کی پاک دامنی اور ناموس کی حفاظت لیکن جن لوگوں میں پردے کا دستور نہیں وہ بھی اپنی عورتوں کی پاک دامنی اور ناموس کی ویسی ہی حفاظت کرنی چاہتے ہیں جیسی ہم۔ ہم میں ان میں اگر فرق ہی تو اتنا ہی کہ مثلاً ایک شخص نے خزانے کے صندوق پر تالا لگایا اور دوسرے نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا کہ چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم پوچھتے ہیں ہم اپنے دوست کے مونہ سے سننا چاہتے ہیں۔ دونوں میں خزانے کی طرف زیادہ مطمئن کون ہی شک نہیں جس نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو ایسی جگہ رکھا کہ چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم اس کو مانتے ہیں کہ انگریزنیں ہماری عورتوں سے بہت زیادہ لائق ہیں۔ انتظام خانہ داری میں شوہر کو خوش رکھنے میں اولاد کی تربیت وتعلیم میں۔ بلکہ علمی لیاقت میں بھی لیکن

بے پردگی کی وجہ سے بلکہ عام سوسائٹی کی شائستگی اور تہذیب اور ترقی کی وجہ ہم میں [illegible]
کی ہاں بہنیں جو رو ان سے زیادہ لائق ہوتی ہیں۔ دین داروں کی دین دار۔ نیک کرداروں کی نیک کردار
بھلوں کی بھلی بُروں کی بُری شریفوں کی شریف۔ پاجیوں کی پاجی۔ یوں تو جیسی دو آنکھیں مردوں کی
ویسی عورتوں کی۔ جیسے دو کان مردوں کے ویسے عورتوں کے۔ جیسے قوی دماغی مردوں کے ویسے عورتوں کے لیکن
پھر بھی خدا نے مرد اور عورت میں بڑا فرق رکھا ہے۔ عورتیں کتنے ہی ہاتھ پاؤں پٹکیں کتنا ہی غل غپاڑا
مچائیں وہ فرق مٹ نہیں سکتا۔ عورت کی حالت کہے دیتی ہے کہ وہ گھر کا کام کاج دیکھنے بھالنے بچوں کے پالنے کے
سوائے اور کچھ کر نہیں سکتی۔ اور کرے گی تو کیا۔ کرنا چاہے اور کرنے کا قصد کرے تو ہم سمجھیں گے کہ مردوں کا
مونہہ چڑاتی ہے۔ اور ہم مردوں میں اس سے زیادہ اُس کی قدر نہیں ہوگی جیسی عورتوں میں ہیجڑے کی۔ شور و شغب
تو بہت کچھ سنتے ہیں مگر یورپ اور امریکا میں بھی عورتوں نے آزادی پا کر اس سے زیادہ کونسا کمال حاصل
کر لیا ہے کہ میڈم اماک گاتی خوب ہے۔ میڈم ڈھک پیانو کے بجانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ میڈم فلاں تھیٹر
میں سوانگ ایسا بھرتی ہے کہ نقل کو اصل کر دکھاتی ہے۔ یا بڑی فضیلت پناہ لیاقت دستگاہ ہوئیں تو ناول
یعنی قصے کہانی کے ڈھکوسلے ہانکنے لگیں اور قصے کہانیاں بھی کتنے پاک ع می تراود چہ کنم انچہ درآوند است
کسی نے وزارت کی؟ کوئی سپہ سالار ہوئی؟ مقنن بنی؟ اور یوں سیکڑوں برس میں دو چار نام و نمود کی
ہو گئیں تو ایسی اذان دینے والی مرغیاں کبھی ہمارے ڈربوں میں سے بھی نکل آتی ہیں اب ہی ہمارے دوست
سید صادق کی یہ تجویز کہ مسلمان بے دولت ہیں۔ اور دولت کے کمانے کے ہنر اُن کو سیکھنے منظور
نہیں۔ اس لیے ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اُنکا شمار بڑھنے نہ پائے تشخیص مرض تو درست ہے مگر علاج غلط۔ اگر ہاتھ میں
ایک پھنسی نکلے اور اُس کا زہر پھیلتا چلا جائے۔ اور خوف ہو کہ سارا ہاتھ از کار رفتہ ہو جائے گا تو کیا طبیب کا یہ کام ہے
کہ پھنسی کا نام سنتے کے ساتھ ہاتھ کے جڑ سے اُڑا دینے کا حکم دے یا کسی پھوہڑ عورت کے سر میں جوئیں پڑ جائیں
تو اس کو یہی صلاح دینی چاہیے کہ سر منڈوا ڈال نہ بال ہوں گے نہ جوئیں پڑیں گی نہیں نہیں علاج اس کا نام ہے
کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے زخم اچھا ہو جائے اور قطع ید لازم نہ آئے۔ بُنیا بھی رہے۔ اور
روپے بیکھ ڈھونڈی نہ ملے۔ اب ہمارے دوست سید صادق کا صرف ایک [illegible] اور رہ گیا ہے

انگریزی پڑھے ہوؤں کو اُن کی مرضی کی بیبیاں مل نہیں سکتیں۔ سچ ہے کہ نہیں مل سکتیں جس طرح عورتوں کو ایسے شوہر نہیں مل سکتے جو دایہ گری کا کام بھی جانتے ہوں عمر تو ہے وہ توقعات ہی کیوں پیدا کی جاتی ہیں جو اُن کے بس کی نہیں۔ اور آخر ایسی ہی عورتوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں آدمی گزارہ کرتے ہیں۔ انگریزی خواں جو خوش نہیں رہ سکتے تو اس وجہ سے کہ اُنھوں نے انگریزی پڑھ کر اپنے تئیں چھوئی موئی بنا لیا ہے۔ قصور تو اپنا اور اُلاہنا دوسروں پر۔ سید صادق نے تاہل میں تو بہتیرے کیڑے ڈالے لیکن اُنھوں نے اِن قباحتوں پر بھی نظر کی جو تجرد کو لازم ہیں۔ اگر یہ بیٹھے جیسا کہ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا چاہتے ہیں تو زیادہ نہیں آج سے تو دس برس کے اندر اندر دکھا دیں گے کہ کسی ناگفتہ بیماری میں گل سڑ کر مر گئے ہوں گے یا پڑے گھل رہے ہوں گے۔ یا قیدیوں کے ساتھ سڑک کاٹتے ہوں گے یا ایسی خراب حالت میں ہوں گے کہ کالج کے پرنسپل اور پروفیسر اور طالب العلم تو رہے اپنی جگہ۔ کالج کے بھنگی کو یہ کہتے ہوئے شرم آئے گی کہ یہ بھی کبھی ہمارے کالج میں تھے خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن اگر ہو تو وہ سزا ہوگی اُن کی اپنی کرتوت کی کہ اُنھوں نے قانونِ قدرت کو توڑا اور پیغمبرِ اسلام کی سنت سے منہ موڑا۔ اے جناب یہ اعتراض سن کر میں تو لگا بغلیں جھانکنے۔ اور مجھ سے ایک بات کا بھی جواب دیتے نہ بن پڑا۔ اور میں نے اپنا کان اینٹھا اور تجرد سے توبہ کی اور اب مجھ کو یہ سوچ پیدا ہوا کہ تاہل کرنا تو ضرور ہے۔ اور میں نے اپنی غلط فہمی سے اُس کی عمر کا ایک حصہ ضائع بھی کر دیا۔ اگر میں زیادہ دن تک بیٹھا رہوں تو لوگ ایسا خیال کریں گے کہ میں اسی غلطی پر جما ہوا ہوں۔ اور کمیٹی ہے کہ اپنے قاعدے کے مطابق برابر ہوئے چلی جا رہی ہے جس کے جی میں آتا ہے کوئی رائے پیش کرتا ہے اور اس پر بحث ہوتی ہے میں تو پہلی ہی دفعہ تجرد کی حمایت کر کے نکو سا ہو گیا۔ اب سنتا سب کی ہوں مگر حوصلہ نہیں پڑتا کہ آپ بھی کچھ کہوں۔ لیکن کمیٹی کی کارروائی جو اب تک ہو چکی ہے میں سمجھتا ہوں کافی اور کافی سے زیادہ ہے اور مجھ کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں۔ میں کمیٹی کے ممبروں کے نام ظاہر نہیں کر سکتا اور نہ کمیٹی کے قواعد کی رو سے کسی کو ایسی اجازت ہے ورنہ جیسی جیسی گفتگو کمیٹی میں ہوئی ہے۔ میں نام بنام بیان کرتا۔ اور چونکہ کمیٹی میں بعض آپ کے بھی متعارف ہیں آپ کو کسی قدر مزہ بھی ملتا لیکن مجھ کو جہاں کہیں اس خط میں ضرورت ہوگی میں حرفوں سے کام لوں گا ایک ن

الف۔ نامی ایک ممبر کے مونہ سے نکل گیا ہیں تو انگلش لیڈی لاؤں گا۔ اس پر جو گفتگو ممبروں میں ہوئی اُس کی نقل کرتا ہوں۔

ب۔ ارے میاں کہیں خدا کے لیے ایسا غضب نہ کر بیٹھنا۔

الف۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں اپنے والد کا اکیلا بیٹا ہوں اور وہ جیسے کفایت شعار تھے معلوم۔ اُنکے پاس اچھا اندوختہ تھا اور ہمیشہ سوچا کرتے تھے کہ اس کو کاہے میں مشغول کروں۔ کوئی صلاح دیتا تجارت میں تو وہ کہتے مجکو آپ تو اس کا سلیقہ نہیں۔ اتنا سرمایہ نہیں کہ اُس سے بڑی تجارت ہو سکے۔ اے ہوئے پچاس ساٹھ ہزار تو ان کی کیا بساط۔ اور پچاس ساٹھ بھی میں نے مثال کے طور پہ بیان کیے ورنہ میں نے تو اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی۔ اور دیکھتا کہاں سے اس لعنت پر ہیچ ڈپٹی کلکٹری میں تو موقع ہی نہیں وہ موذی کلکٹر چھاتی پر بیٹھا ہوا مونگ دلا کرتا ہے۔ آپ بڑے دن کی ڈالیاں لے مفت کی سواریوں پر لدا لدا پھرے دورے میں دودھ انڈا مرغی کوئلہ لکڑی گھاس کسی چیز کے دام۔ قلی بیگار کی مزدوری نہ آپ دیے اور نہ اُسکے لشکر والے دیں تو کچھ نہیں۔ عین میز کے تلے عملے کی تقدیر کا ہُن برسا کرے تو خبر نہیں۔ چپراسی اور خانگی ملازم انعام کے لیے کتوں کی طرح لوگوں کو لپٹیں تو پروا نہیں۔ مگر ڈپٹی صاحب نے خدا جانے اُس کا باپ مارا ہی یا کیا بگاڑا ہے۔ جب دیکھو ان ہی کے حال کی تفتیش۔ ان ہی کی خبروں کی کرید۔ بھلا ایسی تاک جھانک میں کس کی شامت آئی ہو کہ رشوت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ لے۔ یادش بخیر تحصیلداری کا خدا بھلا کرے کہ دس بارہ برس نبھ گئی تو روپیہ پیسے سے بھی درست ہوگئے اور ایک صاحب نے یہ بھی بڑا ہی کرم کیا کہ چھنگلی پکڑتے پہنچا نہ ہوئے ساری عمر میں یہ ایک جھینچا کہ خدا کرے جیتا رہے ورنہ گھر والی کا سلیقہ بھی دھرا ہی رہتا۔ تو ایسی تھوڑی پونجی میں کیا تجارت کر سکتا ہوں۔ تحصیلداری ڈپٹی کلکٹری کرنے کے بعد یہ تو مجھ سے ہونے کا نہیں کہ بساطی بنوں یا آٹے دال کی دکان کھول بیٹھوں۔ چار و ناچار دوسرے کی آڑ میں شکار کرنے مارنا ہوگا تو وہ دوسرے ایسے کیا قرآن کا جامہ پہنے ہونگے کہ جو کمائیں گے میرے ہاتھ لا کر دھر دیں گے یا آٹا لیکر نمک چھوڑ دیں تو غنیمت۔ غرض تجارت میں روپیہ لگانا تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرا کہتا جناب تو آپ پرامیسری نوٹ خرید لیجیے۔ اس سے مطمئن تر پیرایہ تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ یہ برکت خدا نے سود ہی میں دی ہے

بیٹھے چڑھے سوتے چڑھے اور پھر نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ چھ ماہی ہوئی اور اپنے ٹکے گنوائیے۔ نہ ہیر پھیر نہ کھڑ کھڑ۔ تو والد فرماتے کہ کہتے تو سچ ہو۔ مگر فائدہ تو دیکھو اونٹ کے مونہ میں زیرا۔ کوہ کندن و کاہ بر آوردن اپنی چھاتی تلے سے رقم نکال کر دو۔ اور برس بھر بیٹھے سیوا کرو۔ اتنی زحمت کے بعد ملا کیا سو پیچھے چار۔ دیکھیو تو کیا چالاک قوم ہے۔ کسی کے چھپر پر پھوس نہیں رہنے دینگے۔ بادشاہ ہو کر رعایا سے لیں قرض۔ اور اس کو ریلوں اور نہروں اور فائدے کی چیزوں میں لگائیں۔ اور بیس پچیس پچیس روپے سیکڑا کمائیں۔ اور روپے والوں کو دیں چار۔ کیا کہوں نمک کھایا ہے ان کو خدا کی سنوار۔ اور پھر اس میں سے ٹیکس کی کٹوتی۔ اور کل کو عملداری اٹھ گئی تو کاغذ کو بیٹے چاٹا کرو۔ عملداری کا کس نے بیمہ لیا ہے۔ روس آہستہ آہستہ بڑھتا ہی چلا آتا ہے کابل کی اڑتھی سو اس کا یہ حال ہے کہ یہ کہتے ہیں سیدھی اور وہ سمجھتا ہے الٹی۔ دیکھیے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

تا صاحب نوٹ کی صلاح تو ٹھیک نہیں۔ اس پر وہ صلاح کار بولا بس تو زمینداری ہے

والد۔ ہاں میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ مگر کم بخت زمینداروں کی بھی شامت ہے۔ دیکھتے نہیں آئے دن تھانے اور تحصیل میں کھنچے کھنچے پھرتے ہیں۔ اور اب زمینداری میں رہ ہی کیا گیا ہے گودا گودا تو سرکار نکال لیتی ہے باقی بچی ہڈیاں ان کو زمیندار اور کاشتکار پڑے چچوڑا کریں۔ اول تو زمین میں وہ اگلے وقتوں کے سے پیداواریاں کہاں۔ اور جو من کی جگہ پنسیری رہ بھی گیا ہے تو کاشتکار ہی کا پورا نہیں پڑتا زمیندار کو کہاں سے دے اور جب سے سرکار نے موروثی کاشتکاروں کے حقوق تسلیم کر دیئے ہیں گانوں میں چوکیدار کی وقعت ہے اور نہیں ہے تو زمیندار کی۔ بیکسی کا گھر ہی کیا سکتا ہے کہ کوئی اس سے دبے اور اس کا حکم مانے بس زمینداری اب اس کا نام ہے کہ کاشتکاروں سے جو کچھ وقت پر منت سے خوشامد سے وصول ہوا اپنے پاس سے پورا کر کے سرکار میں بھرا اور حق زمینداری میں تحصیل والوں کی جھڑکیاں سنیں دھکے کھائے حوالات میں گئے اللہ اللہ خیر صلاح۔ گانوں میں واردات ہو گئی تو پہلا مجرم زمیندار۔ بہتیری تدبیریں کرتا ہے کہ بھلا کچھ بچے نہیں تو مہاجن کا سود تو پہنچتا رہے مگر برس کے دورے کی ٹڈیوں کا پڑا اور ایک تدبیر کو پیش رفت نہیں ہونے دیتا

صلاح کار۔ پھر جناب آپ فائدے سے قطع نظر کیجیے اور جو کچھ آپ کے پاس ہے یونہی بیٹھے رہیے مال عزیز ہنیش عزیز بجا۔ اول تو آپ کی پنشن ہی اتنی ہوگی کہ آپ اس میں سے بھی کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیا کریں گے۔ گرہ سے

نہ نکلے گا ... اور اگر آپ روپے سے روپیہ کمانا چاہیں گے تو اس میں تھوڑی یا بہت زحمت بھی ہوگی۔ کم یا زیادہ خطر بھی ہوگا۔

والد۔ روپے کے معطل ڈال رکھنے کو تو طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ دیکھو کوئی علاقہ ہی مول لوں گا۔ ہر چند زمینداری میں چند در چند قباحتیں ہیں پھر بھی میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو زمینداری کرنی نہیں آتی ورنہ بہتیری گنجائشیں نکل سکتی ہیں اور جو ناجائز تکلیفیں زمینداروں کو پہنچتی ہیں اکثر ان ہی کی ناواقفیت کی وجہ سے اور اگر ان کو پورے طور پر اپنے حقوق اختیارات اور ذمہ داریاں معلوم ہوں تو اب بھی زمینداری بسا بہتر چیز ہے اور میں جو اس کو اپنے لیے پسند کرتا ہوں تو اس کی ایک وجہ خاص اور بھی ہے کہ اب میری ہونے والی ہی پنشن یوں تو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے میں کسی طرح کام سے معذور نہیں اب بھی چھ سات گھنٹے قلم ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اور دس کوس پندرہ کوس بے تکان گھوڑے پر چڑھ سکتا ہوں۔ انگریزوں کی طرح پیدل دوڑا تو نہیں جاتا لیکن یوں ہوئے ہوئے دو تین کوس چل لینا کچھ بات نہیں۔ غرض کوئی حاکم مہربان ہو تو پچپن سال کے قاعدے سے مستثنیٰ ہو سکتا ہوں۔ مگر اب سرکار کا منشا نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کو انگریزی نہیں آتی بڑے عہدوں پر رہیں تو ایسے سر چڑھ کر نوکری کرنی کیا ضرور ہے اور سر پڑنا کیسا میں تو بہتیرا پانوں پڑوں مگر گلا ہاتھ بھی دھرے۔ تو میں سوچتا ہوں پنشن ہوئے پیچھے کیا کروں گا ساری عمر کام کرتے گزری تو کوئی نہ کوئی مشغلہ ہونا ضرور ہے۔ زمینداری سے بہتر کوئی مشغلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری تو کہاں تاہم اس میں ایک طرح کی حکومت ہے۔ غرض ضلع بلند شہر کا وہ مشہور گانو خداداد پور جو آپ نے سنا ہو والد نے خرید لیا۔ داخل خارج میں بڑی دقتیں پیش آئیں آخر کار دلوائی کرنی پڑی اور ہائی کورٹ سے قبضہ دلا ملا۔ اب والد کی پنشن اور گانو کی آمدنی ملا کر چھ سات سو روپے مہینے کی معقول یافت ہے۔ مگر چونکہ والد کو ہمیشہ سے جوڑنے کا مرض ہے میں ان کو کبھی خوش نہیں دیکھتا اگرچہ وہ آپ انگریزی نہیں پڑھے اور ان کے خیالات بھی کچھ ایسے شگفتہ نہیں ہیں مگر آخر ڈپٹی کلکٹری کرتے تھے۔ اتنی بات ان کو زمانے نے سکھا دی تھی کہ مجھکو انگریزی پڑھنا ضرور ہے چنانچہ بلا کفایت شعاری کی وجہ سے وہ مجھکو انگریزی پڑھواتے رہے مگر کس طرح کہ ان کے ملاقاتیوں میں سے جو انگریزی دفتر

کرانیوں میں سے میں کسی کے پاس چلا گیا۔ یا کسی کو ڈپٹی صاحب کا ایسا ہی پاس و لحاظ ہوا تو تھوڑی دیر کے لیے اُس نے تکلیف کی۔ میں نے اس طرح سے پانچ یا چھ برس انگریزی پڑھی اور جس باپ کے بیٹے کو انگریزی نہ آتی ہو اُسکو ایسے طور پر پڑھنے سے جتنی اور جیسی انگریزی آنی چاہیئے مجھکو آتی بھی تھی۔ اتنے میں یہ سُن پڑا کہ کل سید احمد خاں آنے والے ہیں۔ ڈاک بنگلے میں ٹھیریں گے اور اگلے دن علی گڈھ کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے لکچر دیں گے۔ سید احمد خان کا نام تو سنتا ہی تھا میرے دل میں بھی گدگدی ہوئی کہ اُن کو دیکھوں اور لکچر سنوں۔ بارے والد صاحب اُن سے ملنے گئے تو مجھکو بھی ساتھ لیتے گئے۔ والد سے اور اُن سے پہلے کی بھی ملاقات تھی۔ مجھے ساتھ دیکھ کر پہچان گئے ہونگے کہ ان کا بیٹا ہے۔ غرض میں نے دور سے بہت ہی جُھک کر سلام کیا۔ اور اُن کے فرمانے سے ایک کرسی پر مؤدب بیٹھ گیا۔ والد کی طرح لباس میرا بھی ہندوستانی تھا مگر سادہ اس واسطے کہ بڑھیا پوشاک نہ وہ آپ پہنتے تھے اور نہ مجھکو زرق برق کے کپڑے پہننے دیتے تھے والد صاحب اور سید صاحب دونوں باتیں کر رہے ہیں اور میں سر جُھکائے سید صاحب کو کبھی کبھی نیچی نظروں سے دیکھتا جاتا ہوں۔ آخر والد صاحب نے کہا دیکھیے آپ کے منشا کے مطابق میں بندہ زادہ کو انگریزی پڑھوا رہا ہوں۔

سید صاحب۔ ایسا انگریزی پڑھوانا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ جب تک تم اس کو جنٹلمین نہ بناؤ اور وہ تمہاری سوسائٹی میں رہ کر مہذب نہیں ہو سکتا۔ نری انگریزی پڑھکر بہت کریگا تو ایک کرانی بننے کی لائق ہو جائے گا۔ اور ایک اسسٹنٹ اس کو ویسا ہی ذلیل سمجھے گا۔ جیسا ہم لوگ کتے کو سمجھتے ہیں۔

والد۔ تو کیا میں اس کو کسی سکول میں داخل کر دوں۔

سید صاحب۔ ان سکولوں اور کالجوں سے تو یہی بہتر ہے کہ تم اس کو گھر پر پڑھواؤ جیسا پڑھواتے ہو۔

والد۔ پھر آپ جیسا ارشاد فرمائیں۔

سید صاحب۔ ابھی تک آپ میرے ارشاد فرمانے ہی کے منتظر ہیں۔ میں ولایت تک کی خاک چھان آیا کئی برس مجھکو بھیک مانگتے ہو گئے۔ اپنے اوپر گھر کے نوٹ سے لکھ [illegible] لیا۔ ابھی تک آپ کو معلوم ہی نہیں کہ میں کیا ارشاد فرماتا ہوں۔ اے جناب میں آپ کی خدمت میں منت التماس کرتا ہوں کہ آپ اس کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ میں اس کو لے جا کر علی گڈھ کالج میں داخل کر دوں۔ ابھی تک آپ نے اس کو پڑھوایا

اور آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔ ہیرا اور آپ کے سامنے بھیگی بلی بنا ہوا بیٹھا ہے۔ گویا یہ آدمی نہیں اور نہ سمجھتا ہے
کہ میں بھی آدمی ہوں اُسکو پہچانوں گا اور آدمی بناؤں گا۔ اس کو سکھاؤں گا کہ تو کیا ہے اور تجکو کیا ہونا
چاہیئے۔ یہ پہلے اپنی عزت آپ کریگا اور پھر دوسروں سے طلبگار ہوگا کہ اس کی عزت کریں
اسسٹنٹ جنٹ کلکٹر کیا چیز ہیں۔ اِس سے لاٹ صاحب کے آگے بھی ہاتھ نہیں جوڑے جائیں گے
ہاتھ جوڑنے کے عوض یہ آپ سے شیک ہینڈ کرنا چاہے گا اور اُن کو شیک ہینڈ کرنا پڑے گا۔ اور وہ اس کے
ساتھ شیک ہینڈ کرنے سے اتنے خوش ہوں گے جتنے تمہارے ہاتھ جوڑنے سے نہیں ہوتے
یہ انگریزوں سے نہیں ملے گا اس طرح پر جس طرح تم لوگ ملتے ہو کہ احاطے سے باہر سواری سے اترے اور ڈیوڑھی
پاپیادہ اندر گئے۔ جس کی بڑی رسائی ہوئی شاگرد پیشوں میں بیٹھا۔ ورنہ ذلت اور بے عزتی کے ساتھ
[illegible] اچھا۔ بڑی لمبی چوڑی عزت رکھتا ہے تو گھنٹوں کے انتظار کے بعد بلایا گیا۔ کھڑے کھڑے سلام
کیا۔ رخصت۔ صاحب کچہری جانے لگے۔ ماوشما فراشی آداب بجا لائے۔ دل میں فرض کر لیا کہ دیکھا
اور پہچانا خوشی خوشی واپس آئے اور گھر جا کر شیخی بگھاری۔ یہ انگریزوں سے ملے گا جس طرح ایک
جنٹلمین ایک جنٹلمین سے ملتا ہے ملاقات کے اوقات معلوم ہیں۔ عین برآمدے میں سواری لے گئے۔ کارڈ بھیج دیا۔
صاحب آپ باہر آ کر لے گئے۔ یا اُن کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا۔ طیار ہو کر آئے۔ ہاتھ ملایا بٹھایا۔ جی
کھول کر باتیں کیں۔ عزت سے بیٹھے گئے تھے۔ آبرو کے ساتھ رخصت کیا۔ اور ہمارے کالج کے لڑکے اسی طرح اب
انگریزوں سے ملتے ہیں۔ جج اور کلکٹر اُن کے ساتھ کرکٹ کھیلتے اور دوستانہ اُن کے ساتھ مدارات کرتے ہیں
یہ باتیں ہو ہوا کر اس وقت ہم دونوں باپ بیٹے رخصت ہو آئے۔ اگلے دن سید صاحب نے مسلمانوں میں لکچر
دیا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ لکچر تھا یا سحر تھا۔ سید صاحب آپ بھی روئے اور سننے والوں کو بھی ایسا ایسا رلایا کہ
لوگوں کی ہچکی بندھ گئی۔ بندے کو ایک بار میر انیس کے سننے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ عجب باکمال
آدمی تھا۔ رزم پڑھ رہا ہے اور لوگ ہیں کہ اچھل اچھل پڑتے ہیں اور ہر طرف سے واہ واہ اور تحسین کی
صدا بلند ہے۔ کہ دفعتاً پکارا صاحبو اپنے اپنے رومال سنبھالو کہ میں کچھ رقت آمیز بند پڑھنے کو ہوں یا
اس کے بعد تو مجلس کی یہ کیفیت ہوتی تھی جیسے مرغ بسمل میر انیس اہل بیت نبوی علیہ السلام کے مرثیہ خواں تھے

اور سید احمد خاں مسلمانوں کی قوم کے مرثیہ خواں ہیں وہ اپنے فن میں طاق تھے۔ یہ اپنی شان میں یکتائے روزگار ہیں۔ اگرچہ میرے سامنے ہی سید احمد خاں صاحب نے والد سے مجھے علی گڈھ بھیج دینے کے لئے کہا تھا مگر میں جانتا تھا کہ والد صاحب اتنا خرچ گوارا نہیں کر سکیں گے۔ دوبارہ والد اکیلے سید احمد خاں سے ملنے گئے۔ خدا جانے کیا سمجھا یا کیا سمجھایا کہ گھر آتے کے ساتھ میری کتابیں اور کپڑے بیگ میں رکھ مجھکو سید صاحب کے ساتھ کر دیا۔ پہلے ہی مہینے میں دو سو ساڑھے بارہ روپیہ کا بل گیا۔ والد تو بہت گھبرائے کہ یہ کیا آفت آئی۔ اور سید صاحب کو لکھا کہ میں ایسی تعلیم سے باز آیا میرے لڑکے کو الٹا بھیج دیجئے۔ مگر اس لکھا پڑھی میں اتنا عرصہ گزرا کہ میرا جی لگ گیا تھا۔ میں نے والد کو صاف لکھ دیا کہ میں پڑھوں گا اور علی گڈھ کالج ہی میں پڑھوں گا۔ نوبت بانیجا رسید کہ آخر کار والد صاحب خود تشریف لائے اور میرے ٹھاٹھ دیکھ کر بہت ہی ناراض ہوئے۔ اور مارے غصے کے یہ بھی تو نہ پوچھا کہ میں نے اتنے دنوں میں کیا ترقی کی ہے کہ آج میں کالج کرکٹ ٹیم کا کپتان ہوں۔ جمناسٹک میں ہمیشہ اول رہتا ہوں تین بار ننگ ریس جیت چکا ہوں۔ پڑھنے میں میرا سائنس کمزور ہے مگر تلفظ ایسا اچھا ہے کہ کئی انگریزوں نے میرے مونہہ پر تعریف کی ہے۔ تاہم میں امید کرتا ہوں کہ امسال انٹرنس ضرور پاس کر لوں گا۔ میں خانگی جھگڑوں کے بیان کرنے سے آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ والد نے بات کا ایسا بتنگڑ بنایا کہ ناخوش ہو کر شہر میں جا رہے اور سارے کنبے کو جمع کر لیا اور مجھ پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنا چاہا۔ مگر اصیل مرغے کی ایک ٹانگ میں نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنی ہٹ پر جا رہا۔ اور میں نے سب کو یقین دلا دیا کہ اگر میرے ارادے میں ناکامیابی ہوگی تو میں اپنے تئیں ہلاک کروں گا۔ چونکہ میں ایک بیٹا ہوں اور سوائے اسکے کہ جنٹلمین کی شان سے رہنا چاہتا ہوں کسی طرح کا الزام میرے ذمے عائد نہیں ہو سکتا تھا۔ اور لوگ والد کی کفایت شعاری اور جز رسی سے بے جا ناراض بھی تھے سب نے والد ہی کو قائل معقول کیا کہ تمہاری یہ عمر آئی کہ تم گویا قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو اور تمہارے اندھیرے گھر کا یہی ایک چراغ ہے تم نے اب تک جو کچھ کیا اسی کے لیئے کیا اور اب بھی جو کچھ کرتے ہو اسی کے لیئے کرتے ہو۔ کیوں اس کو ضد دلاؤ جوان لڑکا ہے ایسا نہ ہو اپنی جان پر کھیل جائے۔ اور اگر خراب کرنے پر آئے گا تو آج نہیں کل

تمھارے بعد اینٹ سے اینٹ بجاوے گا۔ اس وقت کون اس کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے ہماری صلاح مانو تو خداداد پور اس کے سر مارو یہ جانے اور اس کا کام جانے۔ جو چاہے سو کرے۔ تم جب تک جیتے ہو پنشن ہے تمھاری پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ اور آخر کار یہ بھی بڑے نام و نمود کے کالج میں پڑھتا ہے اور سنتے ہیں کہ یہاں لڑکوں کے چال چلن کی بہت نگرانی کی جاتی ہے۔ انگریزوں سے ملتا جلتا ہے اور یہ لوگ جیسے منتظم ہوتے ہیں ظاہر ہے کچھ تو ان کی خو بو اس میں بھی آئی ہوگی وہ دودھ پیتا بچہ نہیں اتنا تو سمجھتا ہوگا کہ اگر جائداد کو ضائع کردوں گا تو پلے تلے کی زندگی کیسے نبھے گی۔ کچھ پس و پیش نہ کرو اور بسم اللہ کر کے خداداد پور پر اس کا نام چڑھوا دو کہ اسی کے سر یہ بوجھ ہے۔ یہ خداداد پور جس کا اب میں اکیلا قابض و متصرف ہوں مجھے زندگی شروع کرنے کے لیے بہت ہے۔ اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ انٹرنس پاس کیا اور میں ولایت روانہ ہوا۔ خداداد پور پر مجھکو پندرہ بیس ہزار روپیہ مل جانا کچھ بات نہیں۔ تین برس میں ولایت رہوں گا بیرسٹری کے لیے قانون پڑھوں گا۔ انگریزی میری اب بھی اچھی ہے ولایت میں اور بھی اچھی ہو جائے گی۔ بیرسٹری کے امتحان میں کسی کو فیل ہوتے سنا نہیں کچھ لکچر ہوتے ہیں کہ وہ سننے پڑتے ہیں۔ بے شک میں اونچے درجے کی سوسائٹی میں ملوں جلوں گا۔ اور کسی نہ کسی میم کے ساتھ اپنی ٹھیس جما لوں گا۔ میں نے تحقیق سنا ہے کہ وہاں شادی کر لینا کچھ بات نہیں عورتوں کو ہر دم ملتے ہیں اور خوش حال آدمی پر میمیں اس طرح گرتی ہیں جیسے شہد پر مکھیاں جب میں بیرسٹری کا ڈپلوما اور میم لے کر ہندوستان واپس آؤں گا تو میں سب سے زیادہ خوش نصیب آدمی ہوں گا دنیا میں۔

ب۔ نہیں نہیں۔ تم سب سے زیادہ بدنصیب آدمی ہوگے دنیا میں۔

الف کیا اس وجہ سے کہ میں ولایتی بی بی کا خرچ نہیں چلا سکوں گا۔ ذری مجھکو بیرسٹری کا ڈپلومہ تو لے آنے دیجیے تو دکھا دوں گا کہ انگریزی گفتگو کے ذریعے سے کتنا کما سکتا ہوں۔

ب۔ میں نے خرچ کے لحاظ سے نہیں کہا۔ آپ تو ماشاءاللہ بیرسٹری کے بدون بھی اتنا مقدور رکھتے ہیں۔ بلکہ میں نے اختلافِ صورت اختلافِ مزاج اختلافِ طبیعت۔ اختلافِ رسم و عادت۔ اختلافِ مذاق اختلافِ وضع۔ اختلافِ مذہب۔ اختلافِ حالت کے اعتبار سے کہا کہ اتنے اختلافات کے ہوتے پیوند محض

بے جوڑ معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو یقین نہیں کرتا کہ یہ گنگا جمنی رشتہ تم دونوں میں سے کسی کو بھی سازگار ہو۔

الف۔ اگر ہم طبیعت اور رسم و عادت اور کیا اور کیا کے ایسے مغلوب ہیں تو ہمارا اس کالج میں رہنا لاحاصل ہے۔ میں اپنے تئیں دیکھتا ہوں کہ بالکل بدل گیا ہوں اور نیٹو سوسائٹی سے مجھکو سخت نفرت ہے۔ اور مجھکو ان کی کوئی ادا نہیں بھاتی اور برسویں دن تعطیل میں بمجبوری گھر جاتا ہوں تو گھر مجھکو پھاڑے کھاتا ہے اور یہی سبب ہے کہ میں ولایتی بی بی لانی چاہتا ہوں۔

ب۔ یہ تمہارا خدع نفس ہے اور میں تمہاری راے کی تردید میں اتنے واقعات چشم دید پیش کر سکتا ہوں کہ ان کو سننے کے بعد ضرور تم کو اپنی راے بدلنی ہوگی۔ میں نہیں کہتا کہ انسان اپنے اختیار سے اپنی کوئی چیز نہیں بدل سکتا اگر ایسا ہے تو صحبت اور تلقین و تعلیم اور افہام و تفہیم سب کو لغو و لاطائل ماننا پڑے گا ہاں یہ ضرور میری راے ہے کہ بعض باتیں انسان میں ایسی بھی ہیں اور وہ شاید اس کی خاص فطرت میں داخل ہیں کہ وہ ان کو مشق و مہارت سے کم تو کر بھی سکے مگر مطلقاً معدوم نہیں کر سکتا۔ از انجملہ ایک مذاق ہے کہ اس کی جڑ طبیعت سے نہیں نکلتی پنڈت ــــ کے والد اصل میں دیہات کے ہیں۔ اور کوئی دس گیارہ برس کی عمر سے شہر میں آئے۔ اور تب سے برابر شہر [illegible] ہوں تو ان کی طبیعت چنے کے ساگ تھبوے کی بھوجی چونی کی روٹی ایسی چیزوں کو ٹپاپا کرتی ہے اور باوجودیکہ گھر میں لوگ ان کو چھیڑتے بھی ہیں۔ مگر وہ مذاق سے مجبور ہیں اور جب کبھی ان کو اپنی مرضی کی کوئی چیز مل جاتی ہے اگرچہ کم ملتی ہے اور بمشکل سے ملتی ہے مگر جب کبھی مل جاتی ہے تو ایسے چاؤ سے کھاتے ہیں کہ کبھی پلاؤ زردے کو بھی اس رغبت سے کھاتے نہیں دیکھا۔ اس سے زیادہ عجیب ایک بات سنو کہ مسٹر فلاں کو یہ انگریزی طرز اختیار کیے ہوئے میں جانتا ہوں تیس برس سے بھی زیادہ ہوئے ہوں گے تیس برس کی عادت کو طبیعت ثانیہ کہیں تو کچھ بے جا نہیں۔ اور چونکہ خدا نے ان کو بہت بڑا مقدور دے رکھا ہے جس قدر تکلف سے رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں۔ اور یہ سارے نخرے دولت ہی کے ہیں تو ان سے کوئی انگریزی شان چھوٹنے نہیں پائی اور انگریز بھی ریل اور پولیس کے سٹرل یورپین نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کے ولایت زادہ۔ یہ صاحب ایک دفعہ پڑے بیمار۔ ہلکا سا بخار تھا مگر امیری چوچلے ان کے لیے

وہ بھی بڑا ہی خطرناک تھا۔ دن میں گھنٹے گھنٹے بعد ٹمپریچر لیا جاتا تھا انگریز تو بلا کے موجد ہیں۔
تھرمامیٹر کے قسم کی ایک نلی نکالی ہے اس سے حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے جو چاہے دیکھ لے۔ اس
نلی کے آگے نبض اور قارورے اور زبان کی رنگت کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس نلی کو پہلے
مریض کی بغل میں رکھتے تھے۔ اب مونہ میں رکھنے لگے ہیں۔ آیندہ دیکھیے کہاں رکھنا تجویز کریں۔
غرض دن میں گھنٹے گھنٹے بعد ٹمپریچر لیا جاتا اور ایک کتاب میں لکھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر ٹمپریچر لے کر باہر آیا اور
مریض صاحب کے اعزہ اور احباب اور خوشامدی اور اہل اغراض اس کو آچمٹے اُن لوگوں کو مریض کی حرارت
کی اُتار چڑھاؤ کی ایسی لگی رہتی تھی کہ آج اکسچینج کے اُتار چڑھاؤ کی بھی کسی کو بھی نہیں لگی رہتی۔ بعض
کے تو ایسے مغز چلے ہوئے تھے کہ وہ مریض کا بلٹن نکالنے کی فکر میں تھے جیسا آئے دن بڈھے گلیڈسٹن کا
نکلتا رہتا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور بخار ہے کہ جنبش نہیں کھاتا ڈاکٹروں نے اوپر تلے کونین کی ایسی بھرمار
کی کہ اس کی یبوست سے مریض کو بہکنا لگ گیا۔ اس بہکنے میں بیمار کو مہیر کی رٹ لگی ہوئی تھی۔ بیمار داروں
میں کوئی سمجھتا نہ تھا کہ مہیر کیا چیز ہے اور جو اُن عزیز سمجھتے تھے وہ مارے شیخی کے بتا نہیں سکتے تھے
کہ رسوائی ہوگی۔ مہیر غالبًا جوار یا اسی قسم کے کسی اناج کے دلیے کا نام ہے جو دیہات میں چھاچھ کے
ساتھ پیا جاتا ہے۔ بیمار نے کبھی بچپن میں اپنے گھر مہیر پیا ہوگا اور اُن کی روح مہیر میں ایسی پڑی
تھی کہ بہکنے میں مہیر ہی مہیر رٹتے تھے۔ تو جب ایسے شخص کا مذاق نہ بدلا تو کیونکر باور کر لیا جائے کہ تمھارا
یا کسی کا مذاق بدل سکتا ہے۔ اور یہ تو میں نے مثال کے طور پر بیان کیا۔ کتنی ایسی باتیں ہیں کہ طبیعت میں جمی
تو جمیں پھر ساری عمر نہیں نکلتی کیا تم پسند کروگے کہ تمھاری بی بی فُل ڈریس پہنے۔ کیا تم پسند کروگے کہ
وہ غیر مردوں کے ساتھ بغل گیر ہو کر بال میں ناچے بشرطیکہ تمھارے تعلق کی وجہ سے کوئی انگریز اس
کے بال میں بلانے یا آنے کا روادار ہو۔ کیا تم پسند کروگے کہ وہ اجنبی لوگوں کے ساتھ آمد و شد یا خط وکتابت
رکھے اور تم اس سے اتنا بھی نہ پوچھ سکو کہ کہاں جاتی ہو یا اتنی دیر کہاں رہیں یا کس کا خط ہے اور کیا لکھا ہے
شاید تم اپنی بات کی پچ پر آکر کہہ دوگے کہ ہاں پسند کروں گا۔ اور بے شک تم اس وقت ایسا ہی
خیال کرتے ہوگے۔ مگر بھائی جان مونہ سے کہہ دینا آسان ہے اور عمل میں لانا مشکل جب تمھاری بی بی

ساتھ تمھارے دیکھتے کوئی لگاوٹ کی باتیں کرے اور تم کو بُرا نہ لگے تو جانیں۔ جب تک تمھاری رگوں میں ہندوستان کا بلکہ مجکو کہنا چاہیے مسلمان کا خون ہے ممکن نہیں کہ تم ایسا اختلاط ایسا گاڑھا ربط ضبط ایسی بے تکلفی دیکھو اور بدگمان نہ ہو۔ الرجال[۱] قوامون علے النساء کی آواز اُس وقت سے ہمارے کان میں پھونکی گئی ہے جب ہم صرف اتنا ہی سمجھتے تھے کہ عورت ماں کو کہتے ہیں اور مرد باپ کو یا عورت بہن کو کہتے ہیں اور مرد بھائی کو۔ اور اگرچہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں بہت پہلو تہی کرنے لگے ہیں مگر الرجال قوامون علے النساء کے قاعدے پر بڑی سختی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ہمارا قومی مزاج اسی قسم کا واقع ہوا ہے کہ ہم عورتوں پر حکمرانی کرنے کو اپنا حق لازمی سمجھتے ہیں اور ہم نے ہر ایک گھر میں اِس قاعدے کو ایسے عام طور پر برتتے جاتے دیکھا ہے کہ جہاں کہیں اس کے توڑنے کا نام لیا جاتا ہے وہیں فساد ہوتا ہے۔ جب تم کو شخصی مزاج کے بدلنے پر پوری قدرت نہیں تو قومی مزاج بدرجہ اولیٰ تمھارے بس کا نہیں۔ اور یورپ میں بالکل اس کا اُلٹ ہے النساء قوامات علے الرجال تو تمھارا انگلش لیڈی سے شادی کرنا اور سازگاری کی اُمید رکھنا اس سے زیادہ امکانِ وقوعی نہیں رکھتا جیسے کوئی شخص جون اور دسمبر کو ملا کر ایک معتدل موسم بنانا چاہے۔ میاں بی بی کے ایک اختلاف سے دونوں کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے نہ کہ اتنے اختلافات کہ تم اور انگلش لیڈی میں سوائے اسکے کہ دونوں آدمی ہو اور کوئی صفت مشترک نہیں۔ علاوہ اِسکے جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنا تو کچھ ٹھیک بات نہیں ولایت کی بات تو رہی ولایت کے ساتھ اس ملک میں ہم ہندوستانیوں کو ولایت کی سی آزادی تو نہ نصیب ہوئی ہے اور نہ کبھی نصیب ہوگی۔ ہم میں اور انگریزوں میں فاتح و مفتوح کا تفرقہ ہے۔ جو نہ مٹا ہے اور نہ مٹ سکتا ہے بنگالی پڑے بڑبڑائیں اور سید احمد خانی بلا سے اپنے منہ میاں مٹھو بنیں۔ یہاں کے انگریزوں کو کب خوش آتا ہے کہ ہم ان کو چھیڑیں اور چڑائیں کوٹ پتلون پہننے تک کا تو خیر چنداں مضایقہ نہ تھا۔ بعض کریم النفس انگریز ایسا بُرا نہیں بھی مانتے۔ مگر داماد بننا تو ہمارے یہاں بھی کھلی کھلی بے نقط گالی ہے تو تم انگلش لیڈی لا کر اپنی عزت تو کیا بڑھاؤ گے اُس بیچاری کو بھی اُسکے ہم وطنوں اور ہم قوموں کی

---

[۱] عورتوں کے کار فرما مرد ۱۲

نظروں میں ذلیل کروگے اور اس گستاخی کا خمیازہ بھگتوگے سوا اگر انگلش سوسائٹی تم کو اپنے میں لے گی نہیں اور ہندوستانی سوسائٹی سے خود تم کو گریز ہوگا تو تم دو میاں بی بی شہر کے باہر اکیلے بنگلے میں پڑے کیا بھلے لگوگے۔ ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ۔ ممکن ہے کہ شروع شروع میں تمکو میم صاحب کے ساتھ ایسا شغف ہو کہ کسی کا ... کسی وقت خلل انداز صحبت ہونا تم کو پسند نہ ہو لیکن پھر سوسائٹی کی تمکو حاجت ہوا ور جو تو انگلش لیڈی کے تمہارے قید نکاح میں آنے سے تم دونوں کو ساری عمر قید تنہائی میں رہنا ہوگا۔ اسکو سمجھ لو

الف۔ خیر تو میں یوریشین لیڈی کروں گا۔

ب۔ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اے وہ.. نہیں چھی چھی۔ بات تو وہی کی وہی رہی۔ اور اگر تمہاری قسمت میں یہی مصیبت لکھی ہے تو انگلش لیڈی بدرجہا بہتر۔ دوغلے نہ ادھر نہ ادھر یہ بلا کدھر عیب دیکھو تو چن چن کر دونوں قوموں کے موجود اور ہنر کے نام نہ اُن کے نہ ان کے اور ایسی ہی نسل تم بھی چلانی چاہتے ہو کہ خچر کی طرح پوچھیں باپ کو تو بتائے ماں کو۔ اس پر ایسا قہقہہ اُٹھا کہ بیچارے **الف** ہمزہ کے سے بل کھا کر رہ گئے۔ اس کے بعد کمیٹی کے کئی جلسوں میں اس پر بحث رہی کہ اگر آدمی کو اپنے پسند کی بی بی کرنے کا موقع ملے تو اس کو کون سی صفت کا گرویدہ ہونا چاہیے اکثر کی یہ رائے تھی کہ حسن صورت کا۔ اس واسطے کہ یہی حسنِ صورت ہے جو ابتدائً مرد اور عورت میں کُٹنی کا کام دیتا ہے لیکن ہماری کمیٹی کے معزز ممبر **ص** لبسر جن کی رائے پر ان معاملات میں اکثر دل کا صاد ہوتا ہے۔ کہتے تھے کہ نہیں۔ میں اُن کی عبارت ہی بلفظہا کیوں نہ نقل کروں جس سے ان کا مطلب بخوبی سمجھا جائے۔ اُنھوں نے کہا کہ حسن صورت کی مخالفت سے میری یہ غرض نہیں کہ دلوں کو حسنِ صورت کی طرف سے پھیر دوں۔ اس کی پسندیدگی کو میں قریب قریب تقاضائے طبیعت سمجھتا ہوں۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ جس طرح انسان اور بہت سے بے اصل خیالات کیا کرتا ہے ان میں سے ایک حسنِ صورت بھی ہے۔ ہر ایک ملک کے آدمیوں نے ایک خاص طرح کے رنگ اور ایک خاص طرح کے تناسبِ اعضا کو اچھا سمجھ رکھا ہے اور کوئی پوچھے کہ کیوں تو کچھ بتا نہیں سکتے۔ لیکن یہ خیال ایسا راسخ اور ایسا عام ہے کہ دنیا کے فسادات میں سے ایک تہائی ضرور اس کی وجہ سے ہیں۔ چنانچہ لوگ زر۔ زمین۔ زن تین چیزوں کو برابر کے درجے میں فساد کی جڑ کہتے بھی ہیں۔ کوئی ایسا ہی

زبردست حکیم یا صوفی ہو تو اس خیال کو مٹائے یا دبائے۔ خدا نے مزاج کی لطافت یا جنون ہے جس کو حسن صورت پر مفتون ہے حسن صورت بے اصل ہے یا نہ ہو مگر اس کے بے ثبات ہونے میں تو کچھ شک نہیں تو میرا کہنا یہ ہے کہ اگر صرف حسن صورت مدار تعلق زناشوئی ہو تو دونوں میں کئے دن نبھے گی۔ ایک طرف خدا کا فرمان ہے کہ آدمی پیدا ہو اور ماں کے دودھ سے پرورش پائے۔ پھر جب دودھ کفایت نہ کر سکے تو اس کو غذا کی چاٹ لگے۔ اور غذا کے چبانے اور نرم کرنے کے لیے اس کے دانت نکلیں اور تاکہ ایک ... ہے اور اس کی جسمانی اور دماغی قوتیں ترقی پکڑیں اس کے اعضا میں پھرتی ہو اور حواس میں تیزی پھر وہ چندے ایک حالت پر ٹھیرے اور پھر از خود گھٹتا اور مضمحل اور کمزور ہوتا جائے۔ **قطعہ**

ایک وقت تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے　　پھر یہ ہوا گرنے لگی کھیل کود کے
اب حال یہ ہے عالم پیری میں اے ظفر　　باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

اور جیسے ابتدا میں مٹی سے بنا تھا آخر کار مٹی میں جا ملے منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری[1] غرض ایک طرف تو خدا چاہتا ہے کہ یہ ... دنیا کی بھول بھلیوں میں گشت کر کرا کے اپنی جگہ پر لوٹ آئے دوسری طرف آدمی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی ہی مسجد بنانے کی فکر میں ہے۔ وہ بھول بھلیوں میں آ کر سب کچھ بھول بسر گیا اور سمجھتا ہے کہ بھول بھلیاں میرا گھر ہے تو میں اس سے نکلوں کیوں۔ اور باہر جاؤں کس لیے یہ قدم قدم پر ٹھٹکتا اور مچلتا ہے۔ لیکن خدا کی طرف سے ایک مصیبط اس کے پیچھے لگا ہے وہ اس کو ٹھیرنے نہیں دیتا۔ یہ رکا اور اس نے آگے کو دھکا دیا۔ یہ اڑا اور اس نے ہانکا۔ اس کی بیہودہ ہٹ تو دیکھو کہ جوانی تو جوانی پیری تک چاہتا ہے کہ میں بچہ ہی بنا رہوں۔ ورنہ سٹھیا جانے اور سترے بہترے ہونے کے معنی کیا۔ اس نے جوانی کا رنگ و روغن باقی رہنے کے لیے پوڈر اور خضاب نکالے ہیں

باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی　　کالا کرے گا منہ بھی جو ڈاڑھی سیاہ کی

دانتوں کے لیے منجنوں اور غراروں کے علاوہ یہ بندش کی ہے کہ ان کو باندھ باندھ کر رکھتا ہے لیکن یہ سب دھوکے کی ٹٹیاں ہیں[2] گر فتم سال را کردی نہان موچہ می سازی ؛ گر فتم موے را کردی سیہ بار دچہ می سازی

[1] ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین ہی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اسی سے پھر ایک بار تم کو نکال کھڑا کریں گے ۱۲
[2] کاٹھی کا کساؤ قائم رکھنے کو چست لباس اور لوہے کے تاروں کے شکنجے ایجاد کیے گئے ہیں ۱۲

آدمی اپنے جیسے احمقوں کو بہکا سکتا ہے مگر خدا کے آگے اس کی ایک نہیں چلتی۔ اگر مرا نہیں تھا جو بچہ ہے وہ جوان ہوگا ضرور۔ جوان بوڑھا ہوگا بے شک۔ بوڑھا ایک نہ ایک دن مرے گا لا محالہ۔ انسان کو خدا نے عقل دی ہے اور صاحب فہم و شعور بنایا ہے اس کو کیا زیبا ہے کہ نادان بچوں کی طرح چند روزہ زرق برق اور عارضی چمک دمک پر فریفتہ ہو۔ اور جو شخص ایسی چیزوں سے متلذذ ہوتا ہے اس کی حالت اس شخص سے زیادہ اطمینان کے لایق نہیں کہ ایک دریا ہے عمیق جس کی تھاہ نہیں اور اس میں ایک جگہ ایسا بھنور پڑتا ہے کہ اس کا گرا ہوا کبھی اچھلا ہی نہیں۔ اور اس میں بے شمار مردم خوار ناکے اور گھڑیال مونہ کھولے بھرتے ہیں۔ اس بھنور کے عین کنارے پر وہ شخص کھڑا ہے اور کنارے کی مٹی ایسی بھر بھری ہے کہ ہمہ وقت دریا اس کو کاٹتا رہتا ہے کیا بھروسا ہے کہ یہ شخص کس وقت غڑاپ سا بھنور میں جا رہے گا اور کیا معلوم بھنور میں گرے پیچھے اس کو کوئی جانور نگل لے گا یا پانی کا گھماؤ اس کو نہیں اچھلنے دے گا۔ یہی حال حسن پرستی کا ہے خدا کسی بھلے مانس کو اس کی چاٹ ہی نہ لگائے۔ جن لوگوں کو اس کی لت پڑی دیکھی ہے اول تو ان کی نیت کچھ ایسی ڈانواڈول ہو جاتی ہے کہ نہ موقع دیکھیں نہ محل اچھی صورت سامنے آئی اور ان کی رال ٹپکی۔ دوسرے وہ جو کہا ہے حبك[۱] الشئ یعمی ویصم بس اسی محبت پر صادق آتا ہے۔ لوگوں نے اس کے پیچھے مال تلف کیے۔ آبروئیں کھوئیں اور بہتیروں نے جانیں بھی گنوائیں۔ اور اس میں مبتلا بھی اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جو بازاری طور کے ہیں بد وضع۔ آبرو باختہ۔ لوگوں کی نظروں میں سبک کچھ تو دین نے روک تھام کی اور بہت کر کے لوگ ان خرابیوں کو بھی دیکھ کر ڈرے جو حسن پرستوں کو آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور پیش آتی ہیں۔ اس سے یہ ہرطک بھنوں کو نہیں بھرنے پائی ورنہ ہمارے یہاں کی شاعری نے تو بچے بچے کو فرہاد و مجنوں بنا ڈالا ہوتا اور پھر دیکھتے اس کی جان کے دشمن ہیں۔ اور میرے خون کے پیاسے تھے۔ لیکن کان پڑی ہوئی آواز خالی تھوڑی ہی جاتی ہے جن کے مونہ پر مہر ہے ان کے بھی دلوں میں دفتر لکھے پڑے ہیں۔ جو آنکھ بھر کر نظر کرنے کو جائز نہیں رکھتے ساری رات اسی کے خواب دیکھتے ہیں۔ یہ تقریر سن کر سارے ممبروں میں ایک سناٹا سا گزر گیا۔ اور کسی سے اتنا نہ ہو سکا کہ حسن صورت کی تائید میں ایک لفظ تو مونہ سے نکالتا۔ اس کے بعد جو کمیٹی کا جلسہ ہوا تو ایک صاحب نے

[۱] کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہے ۱۲

چھٹے ہی یہ سوال پیش کیا کہ اگر کسی کو اتفاق سے دولتمند بی بی ملتی ہو تو کمبختی اُس کو کیا رکے دیتی ہے۔

م۔ دنیا میں اس سے بدتر کوئی ذریعہ معاش ہو نہیں سکتا۔ اور جن لوگوں کو ایسی دولت مل گئی ہے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور اس کی مثالیں کثرت سے تو نہیں مگر ہاں موجود ہیں۔

س۔ لیکن لوگوں کو کیا حق ہے کہ ایسے شخص کو ذلیل سمجھیں۔ اُس نے کسی کا مال نہیں مارا۔ چوری نہیں کی۔ امانت میں خیانت نہیں کی کسی ناجائز طریقے سے روپیہ نہیں کمایا۔ دنیا میں ایسے بہت لوگ ہیں جن کو خدا بے زحمت دے دیتا ہے۔ لوگوں کو بخت و اتفاق سے کبھی کے دبے گڑے خزانے مل گئے ہیں۔ یا کسی اور طور پر غیر متوقع فائدے پہنچے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ خدا دینے پر آتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ نری خیالی بات تو نہیں ہے ایسا ہوا ہے اور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ سیکڑوں ہزاروں آدمی ایک ہی ذریعے سے معاش پیدا کرتے ہیں سب کے سب کی ایک حالت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص بی بی کے ذریعے سے مالدار بننا چاہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں۔ شاید دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلے گا جس نے دوسرے کی دولت سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ اور نہیں تو اس نے بزرگوں ہی سے کچھ نہ کچھ میراث میں پایا ہوگا تو وہ دوسرا شخص بی بی ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ جو آپ نے کہا کہ لوگ نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ رشک و حسد اس کا باعث ہوتا ہوگا جس سے شاید کوئی نفس بشر خالی نہیں۔ لوگ کسی کی دو دو اور چپڑی نہیں دیکھ سکتے

م۔ تو کیا آپ اسی کو جائز رکھتے ہیں کہ شوہر بی بی کا کنوڑا ہو کر رہے۔

س۔ یہ سوال خارج از بحث ہے۔ اوّل تو ضرور نہیں کہ ہر ایک مالدار بی بی اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے نکتوڑے کرے اور فرض کیا کہ کرے تو شوہر کو یوں بھی بی بی کی نازبرداری کرنی ہی پڑتی نہ کہ مالدار بی بی کی۔ اور اگر مرد ایسا تنک مزاج ہے اور بی بی کے ساتھ اس درجے کی مناسبت برتنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کو بی بی ہی کرنی کیا ضرور ہے۔ اور ایسی مثالیں بھی میری سماعت میں آئی ہیں کہ مالدار بیبیوں نے دفع بدگمانی کے لیئے معمول اور توقع سے زیادہ شوہروں کی اطاعت کی ہے۔

م - کچھ بھی ہو اپنی حمیت تو تقاضا نہیں کرتی کہ جورو کے دست نگر ہو کر رہیں۔

س - آپ شاید کسی بات میں بھی بی بی کا شوہر سے بہتر ہونا پسند نہیں کرتے۔

م - بے شک۔

س - صورت شکل میں بھی۔ اب تو م صاحب سٹ پٹائے اور ایک تیسرے صاحب ج بولے نہیں۔ کہاں روپیہ۔ کہاں صورت شکل۔ صورت شکل عورت کی صفت لازمی ہے۔

س - صورت شکل پر بھی عورت کو ویسا ہی ناز کرنے کا موقع ہے جیسا دولت پر۔

ج - ہاں لیکن وہ ناز اور قسم کا ہے اور یہ ناز اور قسم کا۔

اس ردّ و کد میں کوئی بات طے ہوتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی تھی کہ ص صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اس خاص بارے میں خدا کا فرمودہ موجود ہے جس سے بخوبی اس نزاع کا فیصلہ ہو جاتا ہے وہ جو میں نے کمیٹی کے کسی جلسے میں قرآن کی ایک آیت پڑھی تھی الرجال قوامون علے النساء وہ حقیقت میں پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا ایک جزو ہے اور مجکو اس وقت اسی جزو سے کام لینا تھا۔ اس جزو کے ساتھ اتنا اور بھی ہے الرجال قوامون علے النساء بما فضل اللہ بعضھم علے بعض و بما انفقوا من اموالھم اس آیت میں خدا نے عورتوں پر مردوں کے قوام یعنی حکمران ہونے کے دو سبب بیان کیے ہیں ایک مردوں کی فضیلت مطلقہ عورتوں پر۔ لیکن وجوہ فضیلت بیان نہیں فرمائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مرد مطلقاً عورت پر فضیلت اور برتری رکھتا ہے۔ اور یہ فضیلت خلقی ہے اس قسم کی جیسے انسان کی فضیلت جانوروں پر کہ گھوڑا اگرچہ وہ نجد عرب کا ہو اور اگرچہ وہ کاب کی نسل مستند کا ہو تاہم اس پر فضیلت ہے انسان کو اگرچہ وہ حبشی یا وحشی یا گونڈ یا بھیل ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا سبب عورتوں پر مردوں کے حکمران ہونے کا فرمایا ہے بما انفقوا من اموالھم کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ یعنی مہر دیتے ان کے نان و نفقے کا بار اٹھاتے تو جو شخص عورت کا دست نگر ہو کر رہنا چاہے وہ پھر بھی قوام ہوگا اس لیے کہ اس کی خلقی فضیلت باقی ہے جو اس سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتی۔ مگر ادھورا۔ کیونکہ اس کو دوسری خرچ کرنے کی فضیلت حاصل نہیں اور جو شخص مالدار بی بی ڈھونڈھتا ہے آخر کوئی نہ کوئی اس کی غرض و غایت تو ضرور ہوگی اور وہ

سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بی بی کے مال سے متمتع ہونا چاہتا ہے اور یہ دلیل ہے اُسکے قصورِ ہمت کی۔ اور افسوس ہے کہ ہمارے کالج کا کوئی طالب العلم ہماری کمیٹی کا کوئی ممبر ایسے پست خیال کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنے دل میں آنے دے۔ آخر دولت آدمی ہی پیدا کرتے ہیں اور جو دوسرے آدمیوں نے کیا ہے یا دوسرے آدمی کرتے ہیں کیا وجہ کہ ہم نہ کر سکیں۔ اگر ہم ہمت ہار دیں گے تو بُرے نمونے ہوں گے اپنے ابنائے جنس کے لیے اور موجب بدنامی ہوں گے اپنے کالج کے حق میں جس رسوائی سے خدا ہم سب کو بچائے۔ اس پر آئیس کے غُل سے سارا کمرہ گونج اُٹھا اور جلسہ برخاست ہوا ہماری کمیٹی میں شہری دیہاتی کسی کی خصوصیت تو ہے نہیں مگر اتفاق سے جتنے ممبر ہیں سب شہری دلّی آگرہ لکھنؤ بنارس کے رہنے والے۔ اِلّا ایک صاحب شیخ [illegible] وہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے ہیں۔ یہ صاحب حاضر ہونے والے تو ایسے ہیں کہ شروع سے لیکر اب تک کمیٹی کا کوئی جلسہ نہیں ہوا جس میں یہ نہ رہے ہوں۔ سنتے تو بڑی توجہ سے رہتے ہیں مگر آپ کچھ دخل نہیں دیتے۔ آخر ایک دن خدا جانے کس نے کہا کہ آپ بھی کچھ فرمایا کیجیے تو لگے کہنے کہ مجھکو تمہاری کمیٹی کے مباحثوں میں مزہ تو بہت ملتا ہے مگر مجھکو اس کمیٹی سے کوئی ذاتی تعلق نہیں اس لیے کہ میں ٹھیٹ دیہات کا رہنے والا۔ ہمارے یہاں بڑی قیدیں ہیں اور وہاں انتخاب کا قاعدہ چل نہیں سکتا۔ عورت تو عورت ہمارے یہاں کوارا مرد بھی گو کیسا ہی جوان ہو اپنے بیاہ برات کے معاملے میں بھلی یا بُری کوئی بات مونہہ سے نہیں نکال سکتا۔ وہ لوگ اس کو پرلے درجے کی بے حیائی سمجھتے ہیں۔ دوسرے ہم میں جتنے اور برادری کے لوگ کوئی کتنا ہی امیر ہو یا کیسا ہی پڑھ لکھ جائے اگر اس کو دیہات میں رہنا ہے تو چار و ناچار برادری کے قاعدوں کی پابندی کرنی پڑے گی یہاں تک کفو کا لحاظ کیا جاتا ہے کہ مثلاً میں شیخ ہوں اول تو ہونے ہی کیوں لگا۔ لیکن اگر بالفرض سید بھی مجھے بیٹی دینے پر راضی ہو تو میں نہیں لے سکتا۔ شیخ صاحب تو اتنا کہہ کر چُپ ہو گئے اور اس پر بہت سے ممبر گفتگو کرنے پر آمادہ معلوم ہوئے تو جلسے کے پریزیڈنٹ نے کہا کہ شیخ صاحب نے بات تو مختصر کی مگر اس میں دو امر بڑے بحث طلب اغراض کمیٹی سے متعلق ہیں ایک شرافت دوسرے شرم۔ میں امید نہیں کرتا کہ آج کے جلسے میں دونوں امر طے ہو سکیں گے تو جن صاحبوں کو کچھ کہنا ہو شرافت کی نسبت اپنا اپنا خیال ظاہر کریں اور شرم کو اگلے جلسے پر ملتوی رکھا جائے

الف۔ میرے نزدیک شرافت یعنی شرافت نسب کوئی چیز نہیں۔ ہمارے پاس عقلی شہادت موجود ہے کہ کل آدمی ایک آدم کی اولاد ہیں۔ ان کی جسمانی بناوٹ ان کی خواہشیں ان کی ضرورتیں سب یکساں ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ یہی وہ خیال ہے جو میرے نزدیک سب سے زیادہ ہم مسلمانوں کے تنزل کا باعث ہوا۔ جو لوگ شریف گنے جاتے ہیں وہ شرافت کی شیخی میں آکر کسی طرح کا کمال حاصل کرنا نہیں چاہتے اور جو لوگ رذیل سمجھے جاتے ہیں ان کو لیاقت کے پیدا کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

و۔ نہیں نہیں۔ شریف و رذیل کیسے برابر ہو جائیں گے کہنے کو تو آدمی وہ بھی آدمی یہ بھی مگر آدمی آدمی میں فرق کوئی ہیرا کوئی کنکر۔ اول تو صورت سے شریف و رذیل الگ پہچان پڑتے ہیں۔ شریفوں کو دیکھو گے اکثر رنگ کے گورے چہرے مہرے کے درست صورت شکل کے پاکیزہ متناسب الاعضا نازک۔ کہ دیکھے سے جی خوش ہوتا ہے۔ اور رذیل ہیں کہ ان کی صورتیں ہی کچھ دوسری طرح کی ہوتی ہیں۔ بھدی بھدی بے ہنگم کرخت بدرنگ۔ اور چونکہ یہ فرق پیدائشی ہے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی سے ہے جیسے گھوڑا اور گدھا کہ خدا نے دونوں کو یکساں نہیں بنانا چاہا۔ اور نہ وہ یکساں ہیں اور نہ کوئی ان کو یکساں سمجھ سکتا ہے۔

الف۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر ذلیلوں کی یعنی ان لوگوں کی جن کو تم رذیل کہتے ہو صورتیں اچھی نہیں تو اس کی وجہ ہے کہ ان کو معاش پیدا کرنے کے لیے محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ وہ گرمی کے دنوں میں پنکھے اور مرزا پور بن کر تہ خانوں میں رہ نہیں سکتے۔ دھوپ اور مینہ اور سردی سے بچنے کے لیے ان کے پاس سامان ہے کہ ان کا رنگ میلا نہ ہو اور نہ وہ بیکار رہ سکتے ہیں کہ ان کے اعضا نرم اور پلپلے ہوں ان کی یہ حالت داغ خود غرضی ہے انسان کے ناصیہ حال پر جو کسی طرح دھل نہیں سکتا کیا حق رکھتا ہے ایک شخص اتنا کھا جائے کہ اسکے ہضم کرنے کے لیے اسکو چورن کی ضرورت ہو جب کہ اسی جیسے ہزاروں بندگان خدا مارے بھوک کے انتڑیوں کو مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ کیا حق رکھتا ہے ایک شخص قیمتی دوشالہ اوڑھنے کا جب کہ دوسرے آدمی کو کمل بھی نصیب نہیں۔ کیا حق رکھتا ہے ایک شخص خدا کی دی ہوئی دولت کو شیخی اور نام و نمود میں لٹانے کا جب کہ بہتیرے ایک مٹھی چنوں کے لیے کوڑی کوڑی کو مانگتے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی دنیا میں جس قدر مصیبت ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم میں جتنے آرام پرست ہیں جس کا قابو چلا وہ بیٹھا چٹکی کی جگہ مٹھی

مٹھی کی جگہ لپ ۔ لپ کی جگہ جھولی جھولی کی جگہ گٹھڑی ڈھیری ڈھیر ۔ پہاڑ ۔ مجکو تو ہنسی اس بات پر آتی ہے کہ کرتوت تو یہ ہے اور اس پر بعض کو دعوے ہیں ہمدردی کے ۔ دین داری کے ۔ رحم کے ۔ جود و سخا کے بذل و ایثار کے غرض ہیں حضرت انسان بھی عجائب المخلوقات کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں کرنا چاہیئے کیا اور کر رہے ہیں کیا ۔

و لیکن شریف و رذیل کی عادت اور طبیعت کا فرق بھی تو دیکھیئے ۔ انتظام دنیا اسی طرح پر واقع ہوا کہ سب لوگ ایک حالت کے نہ ہوں تو ایک محتاج ہو دوسرا محتاج الیہ ۔ ایک آمر ہو دوسرا مامور ایک خادم ہو دوسرا مخدوم اور اگر سب کی ایک ہی حالت ہوتی تو دنیا کا انتظام دگرگوں ہوتا ۔ آپ اگر سب کو ایک حالت کا بنانا چاہتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ انتظام الٰہی میں دخل دیتے ہیں ۔ آج تو آدمی ہے کل کو آپ جانوروں کی وکالت کریں گے کہ یہ بھی جان رکھتے ہیں ۔ ان کو بھی آرام و تکلیف کا احساس ہے آدمی کیوں ان پر سوار ہو کس لیئے ان پر بوجھ لادے ۔ ان سے محنت مشقت کے کام لے اور سب سے بڑھ کر کیوں کس واسطے اپنے مزے کے لیئے ان کو جان سے مارے پھر آپ اور ترقی کریں گے تو درختوں کا ترس کھائیں گے کہ ان کی بھی ایک طرح کی زندگی ہے ۔ لکڑی نہ کاٹو ۔ پتہ نہ توڑو ۔ ایندھن نہ جلاؤ ۔ خلاصہ یہ کہ دوسروں کی خاطر مر رہو ۔ اور جیئو تو سراوگی ہو کر جیئو ۔

ص ۔ میرے دونوں دوست **الف** اور **و** مجکو معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ دونوں صاحب اصل مطلب سے الگ ہو کر افراط و تفریط کے کناروں پر آگئے ہیں ۔ ہم کو صرف یہ لکھنا ہے کہ شرافت نسب کوئی چیز ہے بھی یا نہیں ۔ میں کہتا ہوں ہے اور دنیا کی تمام قومیں اس کو تسلیم کرتی ہیں بے شک زمانے میں ایسے باکمال لوگ ہوتے آئے ہیں جو ایک صنعت یا چند صنعتوں میں اپنے ابنائے جنس پر تفوق رکھتے تھے اور جس کو خدا امتیاز کرتا ہے اس کی نسبت سے اس کی سب چیزوں میں قیمت آجاتی ہے ۔ یہاں تک رہنے کے مکانوں میں پہننے کے کپڑوں میں باندھنے کے ہتھیاروں میں سواری کے جانوروں میں لارڈ ٹینیسن مشہور انگریزی ملک الشعراء حال میں مرا ہے اس کی بیٹھنے کی کرسی کے ۔ لکھنے کی میز کے قلم کے ۔ دوات کے لوگ لاکھوں روپئے دینے کو موجود ہیں ۔ اس کے وارث چونکہ خود مقدور والے ہیں نہیں بیچتے ۔ اور اس طرح کی مثالیں

قدر اُن لوگوں کی جو نامور ہیں غیر قوم میں کثرت سے ہر ایک قوم میں اور ہر ایک ملک میں پھیلتی ہے تو جہاں تک ... کی جاتی ہے تو جب ممتاز لوگوں کی نسبت سے اُن کی سب چیزوں میں وقعت آجاتی ہو تو کیونکر اُن کی نسلوں کی وقعت نہ ہو جو اُن کی زندہ یادگار ہیں۔ اور اُن کے ساتھ نسبت بھی قوی اور قریب کی رکھتے ہیں۔ یہ ہو ماخذ شرافت نسب کی قدر کا۔ اب دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ آدمی اشرف المخلوقات تو ہے مگر اس کی مجموعی حالت کے اعتبار سے۔ ورنہ اسی کی بہت سی باتیں حیوانوں سے ملتی ہیں اُن ہی کی طرح وہ کھاتا پیتا سوتا چلتا پھرتا ہے اُس میں کئی خواص نباتات کے ہیں کہ اِس کو بالیدگی ہے پھولنے پھلنے کے عوض اُس کی نسل چلتی ہے۔ درختوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک درخت کے مزاج شخصی کے مطابق اُس میں پھل لگتا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ نیم کے درخت میں میوہ پھلیں یا نیم کے درخت میں نبولیاں جس درخت کے پھل میں ایک خاص ذائقہ ہے اُس سے جتنی نسل چلے گی وہ ذائقہ کم و بیش سب پھلوں میں رہے گا۔ غرض یہ بات نباتات حیوانات اور انسان سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے کہ نسلیں اپنے بزرگوں کے ساتھ مشابہت اور مماثلت کو باقی رکھتی چلی آتی ہیں۔ اس کی تصدیق الولد سر لابیہ سے ہوتی ہے اور اسی طرح کی ایک کہاوت ہندی میں بھی ہے۔ باپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ یہ مشابہت نہ صرف جسمانی بناوٹ میں ہوتی ہے بلکہ اتحاد مزاج میں بھی۔ میرے متعارفین میں ایک صاحب ہیں اُن کی گدی میں ایک مسا ہے وہ اس کو مہر شرافت کہا کرتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ ایسا ہی مسا اسی جگہ میرے باپ اور دادا کی گردن میں تھا میرے ہوا بیٹا تو اُس کی گردن میں بھی ایک مضمحل سا نشان مسے کا تھا لیکن گدی میں نہیں بڑے ہو کر وہ مسا کھسکتے کھسکتے اسی نشان تک آرہا۔ ایک نوجوان آدمی کا حال مجھ کو معلوم ہے کہ وہ شروع سے نہ باپ پاس رہا نہ اُن سے پڑھا لیکن باپ بیٹوں کا سواد خط اس قدر مشابہ ہے کہ تمیز نہیں ہو سکتی۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا متبنیٰ سمجھ کر زید بن محمد پکارتے تھے گورے چٹے آدمی تھے۔ اور اسامہ رضی اللہ عنہ اُن کے فرزند تیرہ فام۔ اس سے لوگ اُن کو چھیڑتے تھے اور باپ بیٹے دونوں کو برا لگتا تھا۔ اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی اس خصوصیت کی وجہ سے جو زیدؓ کے ساتھ تھی ایذا ہوتی تھی ایک دن کا مذکور ہے کہ زیدؓ اور اسامہؓ دونوں باپ بیٹے

ایک چادر اوڑھے مسجد نبوی میں پڑے سوتے تھے اور دونوں کے پانو چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے اُدھر کوئی قیافہ شناس ہو کر گزرا۔ اور بے اس کے کہ پہچانے دونوں کے پانوں دیکھ کر کہنے لگا واللہ یہ پانو ایک دوسرے کی نسل ہیں۔ یہ سُن کر آں حضرت کو بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اور اس حکایت کو آپ نے کئی آدمیوں کے روبرو نقل کیا ہم خیال نہیں کرتے ورنہ اس مشابہت کی مثالیں اس کثرت سے موجود ہیں کہ ہر فردِ بشر ہر جانور۔ ہر پھل ہر پھول ہر پتا اس کی گواہی دے رہا ہے۔ پس شرافتِ نسب کی قدر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم حقیقت میں اُن صفتوں کی قدر کرتے ہیں جو بانیِ سلسلہ نسب میں تھیں اور اُن صفتوں کے قابلِ قدر ہونے میں کسی کو گنجائشِ گفتگو نہیں۔ تو قدرِ نسب میں کیوں ہو لیکن ہاں یہ بات بھی خیال کرنے کی ہے کہ تعلیم سے تربیت سے دوسروں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے رہنے سہنے سے بھی آدمی کے مزاج پر اخلاق پر عادت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور اچھوں کی اولاد بُری اور بُروں کی اچھی نکل جاتی ہے۔ اور یہی حال نباتات کی پود اور حیوانات کی نسل کا ہے۔ پھر بھی اصالت اپنا رنگ دکھائے بدون نہیں رہتی۔ اصل سے خطا نہیں اور کم اصل سے وفا نہیں۔ میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ میں مردوں کی طرف سے ایسا مطمئن نہیں ہوں جیسا عورتوں کی طرف سے۔ کیونکہ جو چیزیں خارج سے مزاج پر اثر کرتی ہیں عورتیں اُن سے زیادہ محفوظ ہیں۔ اُن کے پاس وہی موروثی اثاثہ ہے جو اُنھوں نے اپنے بڑوں سے پایا اور بس۔ اس کے بعد جو کمیٹی کا جلسہ ہوا تو اس میں شرم پر گفتگو ہونی چاہتی تھی۔ مگر معلوم ہوا کہ سوائے ع کے اور کوئی گفتگو کے لیے طیار نہیں تو ع نے کہنا شروع کیا کہ انسان میں بہت سی صفتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلایا۔ اُن میں سب سے عمدہ سب سے زیادہ بکار آمد شرم ہے۔ اگر ہم شرم کا مطلب دوسرے لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو شرم ایک طرح کا ڈر ہے کہ میں نے جو یہ بے جا بات کی ہے ایسا نہ ہو کسی ظاہر ہو جائے تو وہ میری نسبت کیا خیال کرے گا کہ یہ کیسا نالائق ہے تو اس ڈر کے لیے چاہیے پہلے بُرے بھلے کی تمیز۔ اور تمیز کے ساتھ اتنا اور کہ یہ بات بُری ہے تو مجھ کو کرنی زیبا نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حیا کو جزو ایمان ٹھیرا کر فرمایا ہے۔ الحیاء من الایمان۔

کہنے کو تو شرم ایک چیز ہے مگر وہ اکٹھے تین کام دیتی ہے۔ وقوعِ جرم سے پہلے تو اس کو قدرتی

پہرے پونٹو پولیس کا کانسٹیبل کوئی اور عہدہ دار سمجھو جس کا کام ہو کہ جہاں تک ممکن ہو جرموں کا انسداد کرے دنیا میں کتنے گناہ ہیں جو شرم کی وجہ سے ہونے نہیں پاتے دل میں ارادہ ہوتا ہے لیکن شرم دامن گیر ہو کر باز رکھتی ہے اور بندہ بشر ہے شرم مانع آتی ہی رہی اور اس سے قصور سرزد ہو گیا تو شرم ڈٹکٹو پولیس کی طرح اس کو ماخوذ کرتی اور جج بن کر اس کو سزا دیتی اور پر افسوس کرتا کہ ہائے کیوں میں نے ایسا جھک مارا اور آیندہ کے لیے اس سے مچلکہ مانگتی کہ پھر ایسا نہیں کروں گا۔ خیر یہ تو مطلق شرم کی نسبت میں نے چند باتیں بیان کیں۔ اب مجکو اس شرم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیئے جو شادی بیاہ کے معاملات میں کی جاتی ہے عورت تو کوئی رذیل سے رذیل بھی اپنے بیاہ کی صلاح میں شریک نہیں ہو سکتی۔ میں سمجھتا ہوں اتنا تو نہیں مگر مردوں کا حال بھی قریب قریب عورتوں ہی کا سا ہے۔ پہلے مجکو تعجب ہوتا تھا کہ وہ ضرورت جو ہر فرد بشر کے پیچھے لگی ہے اور خدا کی حکمت کاملہ اسی کی مقتضی ہوئی کہ اسی ضرورت کو دنیا کے بڑھنے اور باقی رہنے کا ذریعہ قرار دے اتنی ساری شرم تو اس میں کہاں سے آگھسی۔ بہت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ضرورت طرح طرح کے فسادات اور انواع و اقسام کے جھگڑوں کا پھاٹک ہے۔ اگر اس کو سختی کے ساتھ بند نہ رکھا جائے تو دنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ پہلا خون جو آدم کی نسل میں ہوا وہ اسی نالائق ضرورت کی وجہ سے ہوا کہ ہابیل نے عورت کے کارن اپنے بھائی قابیل کو مارا۔ اس دن سے جو یہ پھاٹک تیغہ ہوا ہے تو آج تک تیغہ چلا جاتا ہے اور اسی طرح روز قیامت تک باتیغہ رہے گا۔ ضرورت کے لیے نکاح کی ایک کھڑکی کھلی رکھی گئی ہے سو اس پر بھی جیسی کچھ روک ٹوک ہے آپ سب صاحبوں کو معلوم ہے۔ یہ روک ٹوک کی گئی تھی کسی مصلحت سے مگر لوگ اس کی سختی کے متحمل نہ ہو سکے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا کہ لگے دیواریں پھاندنے نقب لگانے سرنگیں دوڑانے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پھاٹک کے چوپٹ کھول دینے سے اتنی خرابیاں نہ ہوتیں جتنی ان ناجائز اور شرمناک رستوں سے ہوئیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی۔ جب پہلے دن ہمارے دوست سید صادق نے بھری کمیٹی میں اپنا ارادہ تجرد کا ظاہر کیا تو مجکو سخت تعجب ہوا تھا۔ میں سید صادق کو ایسا ضابط اور مستقل مزاج آدمی سمجھتا ہوں کہ مشکل سے مشکل بات کو بھی جی میں ٹھان لیں تو چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے یہ اس کو پورا ہی کر اُٹھا رہیں لیکن جب انھوں نے تجرد کا نام لیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ الٰہی برسویں دن ایک مہینے رمضان کے روزے تو

اپنا اُلٹی طرح سمجھتے ہیں یہ ساری عمر کا روزہ ان سے کیوں کر نبھے گا۔ ہارے لوگوں نے ان کو خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا اور چونکہ ہمارے سید صاحب منصف مزاج اور معقول پسند ہیں یقین کرتا ہوں کہ انہوں نے اس خیال محال کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ خدا کی ستاریاں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو مونہ دکھانے کے قابل بھی ہیں ورنہ ؎ بھبرے ہے نہ بہ زمانہ نہ رد کے بجز زبان شمع + وہ سوختنی ہو تو یہ گردن زدنی ہے + اخلاق کی کتابوں میں شرم کے تین درجے لکھے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ابنائے جنس سے شرم کرے اس سے بڑھ کر یہ خدا سے شرم کرے اور سمجھے کہ وہ دانائے نہان و آشکار ہمارے دلوں کے ارادوں تک سے واقف ہے اور ہم اندھیری رات میں ستر پردوں کے اندر کوئی کام کریں تو۔ اور روز روشن میں ڈھول بجا کر کوٹھے پر چڑھ کر کریں تو اس کی نظر میں دونوں یکساں ہیں۔ لیکن شرم کا ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ آدمی اپنے نفس سے شرم کرے اور بُرے کام کرنے سے اس کو یہ خیال مانع ہو کہ یہ کام میری شان کے لائق نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بڑے ہی شرمیلے تھے یہاں تک کہ اکیلے مکان میں بھی برہنہ غسل نہیں کرتے تھے بے شک یہ اعلیٰ درجے کی شرم جس کو خدا نصیب کرے میں نے بہت غور کیا کہ ہم لوگوں کی شرم ان تین قسموں میں سے کس قسم کی ہے تو میری سمجھ میں یوں آیا کہ اس کو ایک قسم جداگانہ قرار دینا چاہیئے کہ لنگ کھلے تو نام سے چڑیں اور گڑ پائیں تو بھیلیاں کی بھیلیاں چٹ کر جائیں غرض اس جھوٹی اور منافقانہ اور دکھاوے کی شرم کو شرم کہتے ہوئے مجھکو تو بہت ہی شرم آتی ہے۔ ایک بات اور ہے کہ یوں تو وہ شرم سے خارج ہے مگر ہے اسی کا ضمیمہ چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا دستور ہم مسلمانوں میں تو کم ہے مگر جیسی عمروں میں ہمارے یہاں اکثر شادی بیاہ ہوتے ہیں لوگ اس کو بھی جلدی ہی سمجھتے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ اسی سے ہماری نسلیں کم زور ہوتی اور عمریں گھٹتی چلی جاتی ہیں اصل میں یہ اعتراض انگریزوں نے نکالا ہے۔ اور دوسرے ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں۔ لیکن اگر واقع میں ہماری نسلیں کم زور اور عمریں گھٹتی جاتی ہوں تو اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ جو قرار دیا جاتا ہے بلکہ اس کا سبب ہے ہمارا طرز تمدن کہ ہم لوگوں میں اصول صفائی کی مطلق رعایت نہیں۔ گنجان آبادی۔ بند مکان میلا پانی گندی ہوا آب اعدادی۔ پھیلنے کے نہیں بھرنے کے نہیں۔ بل بوتا آئے تو کہاں سے آئے۔ اور دیہات میں یہ خرابیاں

کم ہیں تو ویسے ہی وہاں کے لوگ موٹے تازے زبردست مضبوط چونچال جفاکش بھی ہوتے ہیں ہم جیسے نہیں کہ چھینکنے سے ناف ٹلتی اور کھانسنے سے کولا اترتا۔ ملک کی آب و ہوا کہ یہاں مرد اور عورت جلد جوان ہو جاتے ہیں اور سوسائٹی کی حالت دیکھ کر میں مسلمانوں کو شادی بیاہ میں زیادہ دیر لگانے کی ہرگز رائے نہیں دوںگا کہ کوارے میری جان کو کوسیں۔ اگر ہمارے یہاں کچھ جلدی ہوتی ہے اور اس سے کچھ قباحت لازم آتی ہے تو وہ اُس قباحت بلکہ اُن قباحتوں کے آگے ہرگز قابل لحاظ نہیں جن کا دیر کی صورت میں پیدا ہونا کچھ بعید نہیں بلا سے آگے کو نسل چلے اور مرجبونی ہو اور ہم بھلے مانس رہیں بہتر ہے اس سے کہ چلے ہی نہیں۔ یا چلے۔ اور بعد خرابی بصرہ چلے

ہماری کمیٹی کی کتاب روداد بہت ضخیم ہو گئی ہے۔ مگر میں نے ضروری مطالب اُس میں سے اخذ کر لیے ہیں خیال کر سکتے ہیں کہ جو شخص اس کمیٹی کا ممبر ہو اور صرف ممبر ہی نہیں بلکہ سکرٹری بھی۔ شادی بیاہ کے بارے میں اُس کے کیسے خیالات ہونے چاہئیں۔ چنانچہ اسی کمیٹی کی تعلیم کا اثر ہے کہ میں نے جھوٹی شرم کو بالائے طاق رکھ کر یہ عریضہ لکھا ہے۔ مجھکو اس کے بھیجنے میں شرم تو مانع ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر ہاں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ ایسا نہ ہو آپ برا مانیں اور بیٹھے بٹھائے آپ کو یا کسی کو رنج دینا گو وہ رنج بے اصل اور بلا وجہ معقول ہی کیوں نہ ہو میں جائز نہیں رکھتا۔ لیکن آخر میں نے سوچا کہ جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ نکاح کروں گا تو کیوں میں اپنی تجویز سے نہ کروں۔ اس کا نتیجہ بھلا یا برا تو میں بھگتوں گا میں ننھا بچہ نہیں کہ اپنے نیک بد میں تمیز نہ کر سکوں۔ ایسا بڑا ضروری کام جس پر میری آیندہ کی زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی خوشی اور ناخوشی موقوف ہوگی دوسروں کے سر ڈال کر میں بیٹھا تماشا دیکھا کروں تو مجھ سا احمق کون۔ اُن حالات سے جو میں نے سُنے مجھے میں نے آپ ہی کے سایہ میں عافیت اور آسائش دیکھی۔ مجھکو اس خط کے بھیجنے سے حقیقت میں اس بات کی ٹٹول منظور ہے کہ میں نے جیسا کچھ آپ کو سمجھا یا ہے اس میں غلطی تو نہیں کی اگر آپ نے میری اس جسارت کو گستاخی اور بے تمیزی اور بیہودگی اور بے حیائی خیال فرمایا تو میں سمجھوں گا کہ میں آپ کے ڈھب کا اور نہ آپ میرے ڈھب کے۔ لیکن مجھکو امید نہیں کہ آپ ایسا خیال فرمائیں۔ کیا ضرورت تھی کہ میں مشاطہ کے ہاتھ رقعہ یا اسم نویسی بھیجتا پھروں۔ یہ بھی ایک قسم کا رقعہ ہی ہے۔ مگر ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ۔ میں نے اپنے دلی خیالات تک اس میں ظاہر کر دیئے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ میں نے اپنا حال بہت [illegible]

بیان کرنے میں کچھ اٹھا رکھا ہو۔ میں اپنا فوٹو بھی اس میں ملفوف کرتا ہوں۔ تاکہ تعلق سے پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں ہر طرح کی معلومات بہم پہونچانے کا موقع دوں۔ رہی آپ کے حالات کی تفتیش جب تک میں نے بخوبی نہیں کر لی اس خط کے لکھنے کے لیے قلم نہیں اٹھایا۔ میں آپ سے اتنی بات بھی کیوں چھپاؤں کہ میں زیادہ تر اسی صفت کا گرویدہ ہوا ہوں جس سے لوگ بھڑکتے ہیں۔ عالم ارواح کیسا تھا ایسا قوی تعلق ایک نعمت خداداد ہے اور سخت افسوس کی بات ہوگی اگر کسی ناقدران کے پلّے پڑے فقط۔ راقم سید صادق۔ از بنارس

آٹھویں فصل صادق صادقہ کے بیاہ کے بارے میں صادقہ کے میکے والوں کی صلاحیں

میر صاحب کو بھلا کچھ نہیں تو خط پڑھنے اور سمجھنے ایک گھنٹہ تو لگا ہوگا۔ اتنا صبر تو کیونکر ہو سکتا تھا کہ خط کے تمام کرنے تک تصویر کو نہ دیکھتے۔ جب جب ص کا نام آتا تھا کہتے تھے ہو نہ ہو اس سے مراد خود سید صادق ہے اور اس خیال کے ساتھ ہر بار بے اختیار تصویر پر نظر کر لیتے تھے۔ سارا خط پڑھ چکے تو ایک آنکھ بند کی اور دوسری کے آگے مٹھی کی دوربین لگائی اور کبھی دور سے کبھی نزدیک سے کبھی اس پہلو سے کبھی اس پہلو سے تصویر کو تا بدیر بہت ہی غور سے دیکھا۔ صورت پر شرافت متانت ذہانت پڑی برس رہی تھی اور انگریزی لباس کے سوائے کوئی چیز نہ تھی جو نظر میں کھٹکے۔ غرض میر صاحب نے تو اسی وقت سے بیٹی کا دینا بچار لیا۔ ایک ہاتھ میں خط دوسرے میں تصویر گھر میں آئے اور بی بی سے کہا گلوری تو تم تھوک ہی چکی ہو اب غصّے کو بھی تھوک دو میں ایک خوش خبری لایا ہوں۔ بنارس سے ایک شخص نے صادقہ کا پیام دیا ہے اور لو یہ اس کی تصویر ہے۔

بی بی (تصویر دیکھ کر) اوئی یہ مردوا کیسا۔ یہ تو کوئی لنگوٹا انگریز معلوم ہوتا ہے۔

میاں۔ بہتیرے ہندوستانیوں نے انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے۔ جتنے انگریزی خواں ہیں سب کی یہی وضع ہوتی جاتی ہے مگر یہ شخص مسلمان ہے اور ذات کا سید ہے۔ سید احمد خان کا نام تم نے سنا ہو اُن کے مدرسے میں پڑھتا ہے۔ بی اے پاس ہے۔

بی بی - سید احمد خاں وہ تو نہیں علی گڈھ والے -
میاں - ہاں وہی سید احمد خاں وہ اصل میں ہماری دلی کے ہیں - انھوں نے علی گڈھ میں بڑا بھاری مدرسہ جاری کر رکھا ہے اور آپ بھی وہیں رہتے ہیں -
بی بی - کہو میں اُن کے خاندان کے بہت لوگوں سے واقف ہوں لیکن وہ تو بہت بدنام ہیں کہتے ہیں اُنھوں نے اپنا مذہب بدل ڈالا ہے اور مسلمانوں کو دین سے بے دین کیئے ڈالتے ہیں -
میاں - بس یہی بے دینی ہے جو تم اِس تصویر میں دیکھتی ہو -
بی بی - نہیں سُنا ہے انگریزوں کے ساتھ کھاتے ہیں -
میاں - یہ بھی سچ ہے -
بی بی - پھر دین تو آپ سے آپ بدلا -
میاں - کیسی باتیں کرتی ہو کہیں دین بھی کھانے پہننے سے بدلا ہے -
بی بی - کھانے پہننے سے دین نہیں بدلتا تو کسی ہندو کو اپنے گھر کا پانی تو پلا دیکھو -
میاں - پھر کیا تم ہندنی ہو -
بی بی - خدا نہ کرے میں کیوں ہندنی ہونے لگی تھی -
میاں - تو بی بی بیگم ہم مسلمانوں کا دین ایسا بودا نہیں ہے کہ کھانے پہننے سے جاتا رہے -
بی بی - پھر شہر میں سید احمد خاں کا اتنا غل کیوں ہے -
میاں - یہ تو اُن لوگوں سے پوچھنا چاہیئے جنھوں نے غل مچا رکھا ہے - میں تو سید احمد خاں کو اچھا خاصہ مسلمان سمجھتا ہوں - اپنے سے بہتر - سید آل رسول مسلمانوں کے خیر خواہ - مسلمانوں کی بہتری چاہنے والے -
بی بی - تو یہ مرد وا بھی اُن ہی کے دین میں ہوگا -
میاں - اُن کا دین کیا معنی دین خدا کا یہ شخص بھی مسلمان کے گھر پیدا ہوا اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے کتاب کی کتاب خط لکھا ہے - اس میں ایک حرف دین کے خلاف نہیں - جگہ جگہ قرآن کی آیتوں اور حدیثوں کے حوالے دیتا ہے - اور مسلمان کیسے ہوتے ہیں مسلمانوں کے سر میں کچھ سینگ نہیں لگے ہوتے کہ اس کے

سمدھن یا نہیں ہیں۔ گھر کی زمینداری ہے۔ خوش حال، باپ کا چہیتا ہے۔ لیاقت کا یہ حال ہے کہ آج کل پاس نہیں ملتے یہ بی اے پاس کر چکا ہے اور ابھی پڑھ رہا ہے۔ صورت دیکھو اچھی خاصی بھلے مانسوں کی سی تمھارے دوسرے دونوں دامادوں سے زیادہ شان دار۔ کوئی عیب نہیں نقصان نہیں میری صلاح مانو تو آنکھ بند کر کے صادقہ کا ہاتھ پکڑا دو۔ پھر ایسی جگہ نہیں ملے گی اور ایسی کے کیا معنی ملے ہی گی نہیں۔ دیر آید درست آید اسی کو کہتے ہیں کہ بیچاری صادقہ اتنے دنوں بیٹھی تو خدا نے اس کو بر بھی اسی کی لائق کا دیا۔ اور مزہ یہ کہ وہ ریجھا ہے اس کے ان ہی خوابوں پر جن کی وجہ سے کوئی اس کو پوچھتا نہیں۔

بی بی۔ دیکھو صاحب بیٹی جیسی میری ویسی تمھاری جو سمجھ میں آئے سو کرو میں تو صادقہ کے بارے میں ایسی عاجز آئی ہوں کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکتی یہ میری آنکھوں کے آگے چلتی پھرتی ہے اور میں ہوں کہ اس کو دیکھ دیکھ کر سہمی چلی جاتی ہوں کہ الٰہی کیا ہوگا اور کب تک بیٹھی رہے گی۔ اور اس کے دل میں آپ کیسی کیسی باتیں آتی ہوں گی چھوٹی بہنیں اس کے دیکھتے گھر بار کی ہو گئیں اور اسی کی تقدیر نہ کھلی۔ وہ تو یوں کہو کہ بیٹی ذات ہے اور ہے بھی نیک۔ کہ اس نے اپنی سہیلیوں میں بھی آدھی بات منہ سے نہیں نکالی۔ ورنہ اور سری کی ہوتی تو ہر چلے ہر بہانے سے کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ پر ہاں اتنا ضرور خیال کر لینا کسی کے کہنے کو نہ ہو کہ بیٹی کو کہیں بد نصیب نہ ہوا تو کرسٹان کے گلے مڑھی۔

میاں۔ میں کیا خدانخواستہ اپنی اولاد کا دشمن ہوں یا ہم نے بیٹی کہیں کوڑے پر سے پڑی پائی ہے یا ٹھیا میں رو کر ناک تھوڑی کٹوائی ہے۔ پوچھوں گا۔ تحقیق کروں گا۔ چار کی صلاح لوں گا پھر بات سو با بس ذری سی انگریزی وضع دیکھ کر جی ہچکچاتا ہے ورنہ میں تو آج ہی جواب لکھ بھیجتا کہ ہم کو منظور ہے۔

میر صاحب نے اپنے طور پر بہت چھانا۔ پیام تو سید صادق کا اور لوگ علی گڈھ کالج کا نام سنتے کے ساتھ خواہی نخواہی ذکر نکال کھڑا کرتے سید احمد خاں کا۔ کوئی کافر بناتا۔ کوئی مرتد کوئی نیچری کوئی لامذہب کوئی کرسٹان صرف سید احمد خاں ہی کو نہیں۔ بلکہ اُن کے کالج کے مدرسوں کو طالب العلموں کو یہاں تک کہ کالج کے سقے اور دھوبی اور چوکیدار اور باورچی کو۔ مگرچہ عقل معاش رکھتے تھے اور اپنی اولاد کی معاش پیدا

کرنے کا سلیقہ سکھانا چاہتے تھے وہ سید احمد خاں کی اور اُن کے کالج کی مدح ہی کرتے تھے بعض کو بعض
عقائد میں کلام تھا اور بعض کو وہ بھی نہیں۔ تو میر صاحب نے اپنے جی میں سوچا کہ مجھ کو تو سید صادق کا حال
دریافت کرنا منظور ہے۔ اُن کے خط سے تو کوئی بدعقیدتی ظاہر نہیں ہوتی۔ اب رہیں تو دو باتیں ایک
علی گڈھ کالج کا پڑھنا اور دوسرے انگریزی وضع سو علی گڈھ کالج بے شک سید احمد خاں نے کھولا
سید احمد خاں نے جمایا اور سید احمد خاں اس کو چلا رہے ہیں۔ اور ان کو کالج کے انتظام میں بھی بڑا دخل ہوگا
لیکن وہ مدرس نہیں لکچرار نہیں خدا جانے کس کے پاس کالج کی رپورٹ نظر پڑی تھی درسی کتابیں ہی تھیں
جو دوسرے مدرسوں میں ہیں۔ تو سید احمد خاں کی وجہ سے طالب العلموں پر کیوں بدگمانی کی جائے اور یوں
خدا بن کر بیٹھو اور لگو بندوں سے حساب لینے تو جس کو چاہو کافر بناؤ جس کو چاہو مرتد ٹھیراؤ۔ آدمی اپنے
گریبان میں مونہ ڈال کر دیکھے تو آپ سب سے بدتر ہے۔ ہم ہی ایسے کون سے عمل اچھے کر رہے ہیں کہ
دوسروں پر حرف رکھیں۔ یہ تو لوگوں کی سراسر زیادتی ہے۔ ہاں انگریزی وضع دیکھ کر عورتیں ضرور
بدکیں گی اور لوگوں کو بھی باتیں بنانے کا موقع ملیگا۔ سو ایسی کیا تدبیر کی جائے کہ یہ بے لطفی پیش نہ آئے
سید صادق سے تو مجھکو یہ کہنے کا منصب ہی نہیں کہ تم بضرورت اس کو ہمیشہ کے لیئے یا تھوڑی مدت کے لیئے
بھی ترک کردو۔ انھوں نے اتفاقی طور پر خط میں اپنی کمیٹی کے پریذیڈنٹ کی ایک رائے اپنی نسبت نقل کی ہے
پریذیڈنٹ نے ایک محل پر کہا کہ میں سید صادق کو ایسا ضابط اور مستقل مزاج آدمی سمجھتا ہوں کہ یہ مشکل سے مشکل بات کو
بھی جی میں ٹھان لیں تو چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے یہ اُس کو پورا ہی کرا تا رہیں۔ یہ بات ضروری ہے کہ
سید صادق میرے ساتھ فرزندانہ تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں اور وہ مجھ سے عمر میں بھی بہت چھوٹے ہیں مگر بزرگی بعقل ہست
نہ بسال۔ کہاں وہ بی اے پاس اور کہاں میں کہ مڈل کا امتحان دینا چاہوں تو نہیں دے سکتا۔ خدا لگتے
کچھ ہم لوگوں کی طبیعتیں ہی ان چیزوں کے مناسب نہیں بنائیں۔ مدرسے کے ذرے ذرے سے لڑکے
حساب کے ایسے ایسے پیچیدہ سوال چٹکی بجاتے میں حل کرتے ہیں کہ میں مہینوں غور کرتا رہوں تو نہ بتا سکوں
ہمارے وقتوں میں تاریخ اور جغرافیہ اور طبیعات اور ریاضی اور ہیئت کی باتیں کون جانتا تھا۔ فارسی میں
زلیخا بہار دانش پڑھ لی عربی میں ہدایت النحو خاصے مولوی بن گئے۔ پس میں جو سید صادق کو عقل

سکھانی چاہوں تو میری نادانی ہو۔ انھوں نے انگریزی وضع اختیار کی ہو تو سوچ سمجھ کر کی ہوگی اور کی بھی ہو تو وہ اس کو چھوڑنے کیوں لگے۔ غرض ان سے تو ترک وضع کی اُمید رکھنی ہی فضول ہو اور جیسے سید صادق سے ترک وضع کی اُمید نہیں ویسے ہی اُدھر والوں سے بھی توقع نہیں کہ اس وضع کے آدمی کے ساتھ وصلت کو جائز رکھیں۔ کنبے والوں کا تو کچھ نہیں۔ ممکن ہو کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ لیکن بیٹی آفت سر پر ماں موجود ایک چھوڑ دو دو بہنیں۔ چھوٹی ہی سہی مگر ہیں تو بیاہی ہوئیں صاحبِ اولاد۔ کیونکر ہو سکتا ہو کہ ہر ایک گھر کے بسانے کے پیچھے اتنے گھروں کو اُجاڑ بیٹھوں۔ اُدھر ایک تو پردیس اور پردیس سے بڑھکر انگریزی وضع اور اِدھر صادقہ کی عمر خوابوں کی وجہ سے اُس کی نسبت عام واہمہ عجب تردد کا مقام ہو مصرع گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ؛ میر خسرو اسی سوچ میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں

میاں مشیر آنکلے۔ مشیر سے اور میر خسرو سے دور کا رشتہ بھی تھا دونوں ہم عمر اور کسی زمانے میں ہم مکتب بھی رہے تھے دونوں میں گاڑھی دوستی نہ تھی تو چنداں اجنبیت بھی نہ تھی صادقہ کا حال رشتہ دار تو رشتہ دار سرسری جان پہچان والوں سے بھی کسی پر چھپا نہ تھا۔ میر خسرو کو متردد دیکھ کر چھوٹتے ہی مشیر نے پوچھا خیریت تو ہے۔ آج تو کچھ بہت ہی پریشان معلوم ہوتے ہو۔

میر خسرو۔ دیکھتے ہی ہو نہ۔ دنیا میں خانہ داری کی بھی مٹی ہی خوار ہے۔

مشیر۔ ماشاء اللہ چشم بددور ظاہر حال تو پریشانی کی کوئی وجہ ہو نہیں اور یوں تو دنیا کے رگڑے جھگڑے چلے ہی جاتے ہیں اگر کوئی کارِ خدمت اِس نالائق کے قابل ہو تو تم میر ہی سر کی قسم فرمائیے ہرگز تامل نہ کرنا۔

میر خسرو۔ جزاک اللہ تم سے یہی توقع ہو مگر بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہیں کہ کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تم کو میری بڑی لڑکی کا حال تو معلوم ہی ہو۔ علی گڈھ سے بلکہ علی گڈھ کا بھی کیوں نام لو بنارس سے اُس کا پیام آیا ہو۔ سب باتیں اچھی ہیں لڑکا ذات کا سید ہو بی اے پاس ہو خوش رو بھی ہو۔

مشیر۔ (بات توڑ کر) از برائے خدا آنکھیں میچ کر منظور کر لو۔

میر خسرو۔ ہاں میری بھی یہی رائے ہو اور منظور نہ کروں گا تو کیا کروں گا کچھ یوں سا خیال تو پردیس کا تھا سو اُس کو بھی میں نے جانے دیا۔ ایک بڑی مشکل یہ آپڑی ہو کہ لڑکا علی گڈھ کالج میں پڑھ چکا ہے

عقیدے کی خبر تو خدا کو ہے مگر ظاہری وضع بالکل ہی سید احمد خانیوں کی سی ہے۔ اس کو کیا کیا جائے بھلا اور نہیں تو لڑکی کی ماں کا راضی کرنا تو مقدم ہے سو میں یہی بیٹھا سوچ رہا تھا کہ مولویوں سے فتویٰ لوں وعظ کہلواؤں کیا کروں۔

مشیر۔ مولویوں کی طرف سے تو ہاتھ دھو رکھیئے۔ یہ مولوی یوں بات بات میں ایک دوسرے سے لڑتے بھی ہیں جھگڑتے بھی ہیں یہاں تک کہ سارے شہر میں کوئی ایک مولوی بھی ایسا نہیں نکلے گا جس کی نسبت کفر کے فتوے نہ لکھے گئے ہوں مسلمانوں میں جتنے مولوی ہیں اتنے گروہ۔ ایک کے پیچھے ایک بلکہ ایک کے ساتھ ایک نماز پڑھنے تک کا روادار نہیں۔ پھوٹ تو اس قدر ہے مگر سید احمد خاں کو تو کوئی بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور میری نظر میں تو ایک مولوی بھی نہیں آتا جو انگریزی وضع کے جواز کا فتویٰ دے۔ اور کوئی مسئلہ ہوتا تو میں جیسا کہتے فتویٰ لکھوا کر لا دیتا کچھ بڑی بات نہ تھی ایک وقت کی دعوت کر دو۔ اور مولوی صاحب کو چاہو کھلاؤ نہیں ان کا حصہ اُن کے گھر بھجوا دو پھر جیسا چاہو فتویٰ لکھوا لو۔ اور جب اور جتنی دیر چاہو وعظ کہلوا لو۔ لیکن انگریزی کے نام سے تو سبھی مولوی بدکتے ہیں۔ بیچاری تو کبھی انگریزیت ایک نہ ایک دن دنیا جہان سے مولویوں کا کھوج ڑا کھو کرے ہے گی تو میری صلاح تو یہ ہے کہ مولویوں کا نام ہی نہ لو ان سے تو کچھ ہونا ہوانا نہیں۔ اپنی قوتِ بیانیہ کو کام میں لاؤ اور کسی قدر اپنا زور بھی دکھاؤ ایسا بھی کیا ہے کہ تمہارا کہنا نہ چلے یا ہاں خوب خیال آیا فریقِ ثانی سے شرط کر لو کہ نکاح کے لیے اپنے ملکی لباس میں آئیں آخر سمجھدار لوگ ہیں اتنی دیر میں کیا ہوا جاتا ہے پھر نکاح کے پیچھے اُن کو اختیار ہے۔

بات معقول تھی آخر میر خسرو کی یہی رائے قرار پائی کہ دھوم دھڑکا غل غپاڑا مہمانداری کچھ نہ کرو۔ اور چپ چپاتے نکاح کر دو۔ سید صادق آدمی ہے معقول پسند ضرور رضامند ہو جائے گا۔ بڑا رضامند ہونا صادقہ کی ماں کا ہے وہ ہاں کر لیں تو میں سید صادق کو خط لکھے بھیجتا ہوں ایک دن کے لیے چلے آئیں اور نکاح پڑھا کر چاہیں بی بی کو ساتھ لے جائیں چاہیں یہیں رہنے دیں جیسی اُن کی مرضی۔ چنانچہ ایک دن موقع پا کر میر خسرو نے بی بی سے کہا کیوں صاحب وہ صادقہ کی بات کی کیا ٹھیری۔

بی بی۔ ٹھیرتی ٹھیراتی کیا۔ کسی اس شہر والے کا پیام ہوتا تو میں سو جتن کرتی اپنی آنکھوں سے

لڑکیکو دیکھتی گھر کا چال چلن دریافت کرتی اصل حقیقت کھلتی ہی کھلتی -

میاں - خط بڑھ کر اور کیا حقیقت کھلتی اُس بیچارے نے کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی اس قدر حال تو برسوں کے پاس رہنے سے بھی معلوم نہیں ہوسکتا اور خط کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ اُس میں ایک حرف کی بھی بیشی ہی نہیں - پس جو رودادہے سو یہ ہے اب اس پر کہو - کہ تمھاری کیا راے ہے -

بی بی - یہ تصویر ہی دیکھ کر طبیعت رُکتی ہے اور کیوں جی اگر کہے سُننے سے لڑکا مان جائے اور ہمارے یہاں کا جوڑا پہن کر آئے -

میاں - ممکن نہیں ایسا تو بھول کر بھی خیال نہ کرنا - تم اُس کو کہتی ہو لڑکا!! جی ہم تم جیسے تو اُس کے ناخونوں میں پڑے ہیں - مجکو تو اس سے بات کرتے ہوئے بھی لحاظ آتا ہے - کیا بتاؤں کہ وہ کس رتبے کا آدمی ہے تمھارے شہر میں اُس کی لیاقت کے شاید دس آدمی بھی نہ ہوں گے -

بی بی - خیر تم آپ نہ لکھو تو کسی سے لکھوا بھیجو دیکھو تو کیا جواب آتا ہے -

میاں - تم ان لوگوں کے دستور قاعدے سے واقف نہیں ہو - یہ انگریزی مزاج کے لوگ ہیں اپنی عقل کے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے - ہمارے دیس کے مسلمانوں میں سب سے پہلے یہ وضع سید احمد خاں نے اختیار کی ساری دُنیا ہی نے تو اُن کو چھیڑا اڑایا دھمکایا ملامت کی مگر آدمی ارادے کا اتنا تو پکا ہووے تب کسی کام کا بیڑا اُٹھائے اُنھوں نے جو قدم بڑھایا تھا اُسی پر جمے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں کو اپنی وردی پہنا دی - اور یہ صاحب بھی اُسی جتھے کے ہیں - ان سے ترک وضع کو کہنا ان کو چڑانا ہے -

بی بی - تم تو کچھ ایسے ڈرتے ہو کہ خدا کی پناہ - داماد صاحب کیا آتے ہیں گویا ہمارے حاکم بن کر آتے ہیں اچھا میں اپنی طرف سے لکھواتی ہوں -

میاں - خواہ مخواہ بھی - میں آج ہی انکار لکھ بھیجتا ہوں - تم بیٹھی لکھوایا کرنا -

بی بی - میری کیا جوتی کو غرض پڑی ہے - کرسٹان کو بیٹی دے کر کون اپنی ناک کٹوائے - اس مردوے کو یہ نہ سوجھا کہ میں کس مُونہ سے ایک بھلے مانس کے گھر پیغام دیتا ہوں - اس کی لیاقت کو لگاؤں جھلسا لنگوٹا اسے دیں - انگریزوں کا جھوٹا کھانے والا - اپنی صادقہ کے بائیں پانو پر اس کو وار کے پھینک دوں -

پادریوں کے یہاں بہتیری چارپاں بھری پڑی ہیں۔ ان میں گیا ہوتا جیسی روح ویسے فرشتے

میاں۔ تم ایک مرد آدمی کو اس کے پیٹھ پیچھے ناحق اتنا کیوں فضیحت کرتی ہو جس کے گھر میں بیری ہوتی ہے۔ پتھر آیا ہی کرتے ہیں۔ نہیں کرنا منظور سید ھا جواب دے دیا۔

بی بی۔ مرد آدمی۔ ایسے ہی مرد آدمی ہوتے ہوں گے؟ تمھارا بس چلے تو کنوا دیکھو نہ کھائی بیٹی کو آنکھ بند کرکے دھکا دے دو۔

میاں۔ ہاں جی ہاں میں تو اولاد کا ایسا ہی دشمن ہوں۔

بی بی۔ کیا دشمن کے سر میں سینگ ہوتے ہیں اور تم بیچارے کیا دشمنی کروگے۔ میں جیتی جیتی ہوں تمھاری دشمنی کو کب چلنے دیتی ہوں۔ بس آج سے اس کی بات میں دخل دیا تو تم جانو گے سیدانی کو جلال آیا تو کون روکے آخر بیچارے میر صاحب طرح دے کر ٹل گئے۔

نویں فصل۔ ماں صادقہ کی جدائی کے خیال سے کڑھتی اور میاں بی بی کو تسلی دیتے ہیں

ادھر تو یہ جھگڑے پڑے ہوئے تھے ادھر جس رات صادقہ نے پہلا خواب دیکھا اس کے اگلے ہی دن سے ماں کو سامان خانہ داری سنبھالنا سمجھانا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ ماں نے پوچھا بھی کہ کیا ہوا بات تو کہو۔ میں نے تو تمھیں کبھی بھول کر بھی آدھی بات نہیں کہی اور کہتی کیوں؟ کیا میرا سر پھرا تھا؟ تم ایسا کوئی کام ہی نہیں کرتیں۔ سارا گھر تم پر چھوڑ کر جہاں داخل دوروٹیاں ہیں بھی کھا لیتی ہوں کبھی کچھ دخل دیا ہو تو تم ہی بتاؤ رہے بھائی بہن۔ مجھ سے تو لڑ بھی لیں جھگڑ بھی لیں تم نے کچھ ایسا سدھار کھا ہے کہ کوئی تمھارے حکم سے باہر نہیں تم اٹھاؤ تو اٹھیں اور بٹھاؤ تو بیٹھیں باپ کا حال تم دیکھ ہی رہی ہو کبھی تمھاری صلاح کے ٹکڑا نہیں توڑتے۔ اور میری ان کی تو کچھ افتاد ایسی طرح کی پڑ گئی ہے کہ بات بات میں رد و کد ہوتی رہتی ہے اور یہ اللہ بخشے تمھاری نانی کے ڈھنگ ڈالے ہوئے ہیں وہ کہا کرتی تھیں کہ جہاں تک ہو سکے مرد سے دبے ہی نہیں۔ سو تمھارے باپ ایسے ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں کہ ان کو کچھ ہی کہو لوٹ کر جواب دینا

نہیں جانتے اور تم ہو تو بیٹی مگر خاص کر تمھارا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ تمھارے ہاتھ سے پانی تک کے پینے کے روادار نہیں۔ تو بیٹی ایسا کیا قصور ہوا کہ تم گھر کی چیز بست محکود کھاتی سمجھاتی ہو۔

صادقہ۔ اماجان۔ نہیں یہ بات نہیں میں تو بال بال تم سب کی احسان مند ہوں اور اس گھر میں ایسی لالوں کی لال بن کر رہی ہوں کہ کیا کوئی بیٹی میکے میں رہے گی۔ مگر اماجان اچھی بات ہے تم کو بھی ہر ایک چیز کا حال معلوم رہے خدا جانے کیا اتفاق پیش آئے کوئی چیز درکار ہوئی وقت پر جا کر نکال تو لاؤ گی اب تو تم اتنا بھی نہیں جانتیں کہ نمک کس کلھڑے میں ہے اور ہے بھی یا نہیں صادقہ کا جہیز تو برسوں سے بنا ہوا طیار رکھا تھا اور صندوق اور کوٹھڑیوں کی کنجیاں اسی کے پاس تھیں اور یہی سارے گھر کی مالک و مختار تھی۔ ہمراز نے بہت دنوں سے اس کی جھولنیاں گھونٹنے کے لیے منگوا بھیجی تھیں اب صادقہ نے واپس طلب کیں تو ہمراز نے جواب دیا کہ کم بخت سنار ایسے وعدہ خلاف ہوتے ہیں کہ ہر روز آج کل کرتا ہے۔ اب تک تو دین نہیں اب کل سے بیر اس کے سر پر ایک آدمی بٹھاؤں گی اور اگلے جمعے تک ضرور ضرور آپ جھولنیاں لے کر آؤں گی۔ میری جھولنیاں آلیں اور آپ کی بلا لوں تب واپس کروں۔ جمعے کے دن صادقہ سب کو بلا کر کھانا کھانے بیٹھی تھی کہ ہمراز جھولنیاں لیے ہوئے آ پہنچی۔ وہ بہتیرا عذر کرتی رہی صادقہ نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر کھانے پر بٹھا لیا کھانے کے بعد ہمراز نے دونوں جوڑیاں نکال صادقہ کے آگے ڈال دیں کہ لو اپنی پہچان لو۔ ہر چند صادقہ نے دیکھا کوئی تمیز نہیں آتی تھی آخر ایک جوڑی کو کہا کہ یہ ہمارے یہاں کی ہو گی۔ ہمراز بولی نہیں بھیا یہ جوڑی تمھاری ہے ہو اتنی تو میں بھی اتنی ہی بھاری مگر اس وقت ہاتھ تلے روپئے نہ تھے۔

صادقہ۔ پھر تم بھاری جوڑی رہنے دو۔

ہمراز۔ آگ لگے مجھ پہنتی کو۔ تمھاری تم کو مبارک۔ اہی جھپکے کے بالے پہنے کبھی وہ بھی دن ہو گا کہ میں تم کو دولہن بنی دیکھوں گی۔

صادقہ۔ تم نے آخر دعائیں مانگ مانگ کر اس دن کو بلا ہی بلایا۔

ہمراز۔ سچ کہو کہیں بات ٹھیر گئی کیا۔

صادقہ۔ ٹھیری ٹھیرائی تو نہیں مگر بیٹی تو اوپر تلے تین خواب دیکھے ہیں۔ اس کے بعد صادقہ نے اپنے خواب اُن کی تعبیر بنارس سے خط کا آنا۔ ماں باپ کی تکرار سارا قصہ ہمراز کو کہہ سنایا۔ کہ تم چلتے ہوئے آتا سے کہتی جانا اور اُن کو سمجھا دینا کہ جہاں خدا کو منظور تھا میری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب جان سے لڑیں جھگڑیں نہیں۔ اور مذہب کے شبہے کو بھی دل سے نکال ڈالیں کہ یہ بات ہے بے اصل جو لوگ ایسی تہمت رکھتے ہیں ناحق ایک مسلمان کا گناہ سمیٹتے ہیں۔ آدمی کی طبیعت کا بھی عجب حال ہے ذرا سے میں خوش ذرا سے میں آزردہ۔ صادقہ کی ماں یا تو صادقہ کے بیاہ کی دعائیں مانگتی تھی یا اب جو ہمراز نے صادقہ کا پیام جا کر دیا تو سُنتے کے ساتھ مونہہ فق ہی تو ہو گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اس سے پہلے ایک چھوڑ دو دو بیٹیاں بیاہ چکی تھی اور وہ خیر بہت آرام میں نہ تھیں تو چنداں تکلیف میں بھی نہ تھیں جیسی سبھی خانہ داریاں ہوتی ہیں ان کی بھی تھیں۔ مگر صادقہ کا بیاہا جانا تھا۔ ماں کو حقیقت کیا معلوم نہ تھا کہ اس بیٹی کے ساتھ اُس کو کیسا تعلق ہے۔ یہ بیٹی اس کی بائیس برس کی رفیق تھی۔ ایک دن کو ماں سے جدا نہیں ہوئی اور رفیق بھی ایسی کہ جب سے ہوش سنبھالا ماں کو پلنگ سے اُترنے نہیں دیا۔ داروغہ گری یہ کرے۔ ماما گری یہ کرے۔ مغلانیوں کا کام یہ دے۔ بال بچوں کو نہلائے دُھلائے کپڑے بدلوائے اِن کی دوا دَرمن کھانے پینے کی خبر رکھے۔ گری پڑی چیز سیتے اُٹھائے۔ بیٹی کی بیٹی مصاحب کی مصاحب پھر اُس کے بیاہ کے اٹکاؤ سے ماں کو بڑی بڑی ایذائیں پہنچی تھیں۔ اس لیے ماں کا دل ایسا ہو گیا تھا جیسا پکا پھوڑا ام چاہتا ہے اور اب جو خدا خدا کر کے پیام بھی آیا تو پردیس کا۔ نہیں معلوم بنارس لے جائے گا یا کہاں ساتھ لیے پھرے گا اور انگریزیت کا چٹنا الگ۔ کون جانے کہ دین پر بھی قائم رہے یا نہیں۔ غرض یہ۔ وہ دن رات کے رو دینے کو بس کرتی تھی۔ آخر میر صاحب کو باہر سے بلوایا۔ بی بی کو روتے دیکھ کر پوچھا خیریت تو ہے

بی بی۔ ہاں خیریت ہی ہے مگر میری صادقہ مجھ سے چھٹی۔ یہ بنارس کا جو پیغام آیا ہے اس کے آنے سے پہلے صادقہ اسی مرد کو خواب میں دیکھ چکی ہے اور اُس کو اس کا نام تک معلوم ہو گیا ہے اور اس نے یہ بھی خواب دیکھا ہے کہ گو اس کا ظاہر انگریزوں کا سا ہے مگر حقیقت میں مسلمان ہے صرف انگریزی کپڑے پہن رکھے ہیں پس تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

میاں - دیکھو میں تو تم سے کہتا تھا تم ہی نے شبہہ کیا پھر اپنا دل کیوں تھوڑا کرتی ہو اس دن کے لیئے تو بیٹی اور تم نے مدتوں ناک رگڑی ہے - اب خدا نے غیب سے سامان کیا ہے تو ہنسی خوشی اس کو رخصت کرو

بی بی - ہے ہے صادقہ کو ہنسی خوشی رخصت کروں میرا تو کلیجہ مونہ کو چلا آتا ہے جس وقت سے ہمراز نے آکر کہا ہے بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دل کو مسوسے ڈالتا ہے - صادقہ بیٹی! تو پوتوں پھلے اور دودوں نہائے اور تو بوڑھ سہاگن ہوئے جیسے جیسے آرام تو نے مجکو دیئے ہیں ایک ایک کے بدلے تو ہزار ہزار سکھ دیکھے خدا حافظ - خوش رہو آباد رہو - مگر ماں کو اپنی جدائی کا داغ دے چلیں اب میں تمھاری صورت کو پڑی ترسا کروں گی - برسوں سے تمھارے برتے پر میں یہ بھی تو نہیں جانا کہ گھر کدھر ہے اور میں کدھر ہوں - اب تمھارے گئے پیچھے اس کھٹراگ کو کون سنبھالے گا -

غرض بیٹی کی جدائی کے خیال سے ماں کا دل بھر آیا تو کوئی آدھ گھنٹے میں جا کر سنبھلا - تب میر صاحب نے کہا کہ تم نے ابھی سے صادقہ کو گیا ہوا کیوں فرض کر لیا ہے کیا معلوم کہ طرف ثانی کا کیا ارادہ ہے اس سے کہ انھوں نے خود پیام دیا ہے عجب نہیں بنارس میں رہنے کی مرضی نہ ہو اور ابھی پڑھ رہے ہیں تو علی گڈھ میں رہنے کا بھی کوئی موقع نہیں اور مانا کہ بنارس ہی جانا ہوا تو یہاں سے وہاں تک برابر ریل ہے آج شام کو سوار ہو کر کل نماز عصر بنارس جا پڑھو - اور میں تو ایک سیدھی بات جانتا ہوں کہ جب آدمی اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں تو جیسا ٹکے ڈولی ویسا پردیس - سچ کہا ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل - تمھاری ہی دونوں لڑکیاں اسی شہر میں موجود ہیں ہماری طرف سے شہر میں ہوئیں تو اور باہر ہوئیں تو - رہا آنا جانا خط پتر تو ریل اور ڈاک اور تار کی بدولت ہم تو سارے ہندوستان کو اپنا ہی شہر سمجھتے ہیں - اور پھر یہ تو دنیا ہے کون کس کے ساتھ رہا ہے اور کون کس کے ساتھ رہ جائیگا - اس کی مثال ناؤ سنجوگ کی سی ہے کہ جب تک ناؤ دریا میں چل رہی ہے مسافر ایک جگہ مل بیٹھے ہیں - ناؤ کنارے لگی اور ہر ایک نے اُتر اُتر کر اپنا اپنا رستہ لیا - ناؤ کے مسافر ایک دوسرے سے بچھڑتے وقت نہ روتے اور نہ رنج کرتے اس واسطے کہ وہ پہلے سے سمجھے ہوئے تھے کہ یہ سنگ ساتھ پار ہونے تک کا ہے - ہم لوگ واویلا کرتے اور فریاد مچاتے اس لیئے کہ ہم نے غلطی سے ناؤ کو گھر فرض کر لیا ہے اور گھر بھی ہمیشہ ہمیشہ کا گھر - میرے ایک دوست ہیں اُن کو فقیروں سے بڑی ارادت ہے وہ اپنی ایک

نقل بیان کرتے تھے کہ مجکو فقیروں سے ملنے کی ہمیشہ سے دھت رہی ہو سالک ہو مجذوب ہو کسی رنگ میں ہو مجھے
ایک بار اُس سے ملنا ضرور۔ ہزاروں قسم کے فقیر نظر سے گزرے۔ جو بات میں ڈھونڈتا تھا کہ بھلا اور
کچھ نہ ہو تو فقیر سے مل کر تھوڑی دیر کے لیئے دل تو گداز ہو کسی میں نہ پائی۔ بارے ایکدن خاکی شاہ ہمارے
مکان کے تلے سے جارہے تھے۔ دو باتیں ان میں بھی بڑی ہی عمدہ ہیں ایک تو جمعے کے جمعے جنگل سے
مسواکیں کاٹ لاتے ہیں۔ نماز کے بعد جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جا بیٹھے۔ جس کو ضرورت ہوئی اُس نے
مسواک اُٹھالی کسی نے از خود کچھ دے دیا تو خیر ورنہ مونہ سے نہیں مانگتے۔ بس یہی ان کی معاش ہے اور
یوں کسی نے کچھ دینا چاہا تو کہہ دیتے ہیں کسی اپاہج کو دو۔ میں تو کماتا ہوں اور کما سکتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ
آندھی ہو مینہ ہو اندھیرا ہو اُجالا ہو پانچوں وقت جامع مسجد کی اول جماعت میں موجود۔ خیر تو ہمارے مکان کے
تلے سے نکلے تو میں نے سلام علیک کی۔ لگے پوچھنے کیوں صاحب کوئی درویش ملا میں نے کہا تم کسی کو بتاتے
ہی نہیں اور مجھے خدا نے ایسی آنکھیں نہیں دیں کہ دیکھوں اور پہچان لوں۔ آہستہ سے لگے کہنے کہ ان دنوں
ایک شخص آیا ہوا ہے سقو کے بھیس میں ہے لاہوری دروازے کے باہر نہر کے پل پر سبیل پلایا کرتا ہے اُس سے
تو ملو۔ خاکی شاہ تو اتنا کہہ کر چلتے ہوئے اور میں سیدھا نہر کے پل پر پہنچا۔ دیکھا تو واقع میں ایک ادھیڑ سا
شخص لوگوں کو کھڑا پانی پلا رہا ہے اور اس کا انداز کہے دیتا ہے کہ یہ سقا نہیں ہے۔ آس پاس کے سقوں
سے پوچھا تو سب نے انکار کیا کہ ہم تو اس سے واقف نہیں۔ غرض میں اس کی ٹوہ میں لگا رہا تو معلوم ہوا کہ
آٹے کی مشین میں دھیلا مشک کے حساب سے ہر روز ہزار ڈیڑھ ہزار مشکیں بھروائی جاتی ہیں ان میں بھی ڈھائی
تین کنے کا پانی بھر آتے ہیں۔ رات کو یہ کام کرتے اور دن بھر سبیل پلاتے ہیں اور سبیل بھی پنج کوئیوں کے پانی کی
میں نے اس شخص سے لگاوٹ کرنی چاہی تو ہاتھ نہ دھرنے دے۔ آخر میں نے ایکدن پنج کوئیوں پر جا لیا اور تخلیہ پاکر
کہا کہ اگر تم کو کچھ خدا کا رستہ معلوم ہے تو اتنا مضایقہ کیوں کرتے ہو۔ پانی پلانے میں فیاضی اور خدا کا رستہ
بتانے میں بخل۔ یہ سن کر مشک تو کندھے پر سے اُتار کر رکھ دی اور ہم دونوں زمین میں بیٹھ گئے تو کہنے لگا کیا
ہیں۔ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آیا۔ کیا تم پر قرآن نہیں اُترا۔ اب کون سے رستہ بتانے والے کے منتظر ہو خدا کا
رستہ کھلا پڑا ہے اور سب کو معلوم ہے اور تم کو بھی معلوم ہے۔ تم آپ تو رستے پر چلنا نہ چاہو اور رستہ

بتلانے والے کا یقین نہ کرو تو تم صرف بہانہ ڈھونڈھتے ہو کیا تم نے قرآن میں دوزخ کا حال نہیں پڑھا
کلما القی فیہا فوج سالہم خزنتہا الم یاتکم نذیر قالوا بلی قد جاء نا نذیر فکذبنا و قلنا ما نزل اللہ
من شیء ان انتم الا فی ضلل کبیر کہ جب اس میں کافروں کی کوئی ٹولی جھونکی جائے گی تو دوزخ کے پہرے
چوکی والے ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں گیا تو جواب دیں گے ڈرانے والا آیا تو سہی
مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور خدا نے تو کوئی چیز اتاری نہیں تم ہی گمراہی میں پڑے ہو۔ تم جو خدا کا رستہ
پوچھتے پھرتے ہو تو اس کے یہی معنی ہیں کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا یا پہنچا مگر تم کو اس
کے ڈرانے پر قناعت نہیں اور چاہتے ہو کہ اس سے بہتر کوئی ڈرانے والا ہو۔ تو عزیز من یہ تو بہت ہی
برا خیال ہے۔ اور کوئی مولوی سن پائے تو ابھی کفر کا فتویٰ لکھ مارے۔ یہ سب شیطان کے دھوکے
ہیں۔ ظالم نے کہاں دین کی آڑ میں جا کر غلہ مارا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو وحی
نازل ہوتی تھی بلا کم و کاست سب کو پڑھ کر سنا دیتے تھے اور لکھوا دیتے تھے۔ چنانچہ اس کا مجموعہ
قرآن میں موجود ہے۔ اس میں سے ایک لفظ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک شوشہ گھٹا نہیں اور گھٹے گا بھی نہیں ایک
لفظ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک شوشہ اس میں بڑھا نہیں اور بڑھے گا بھی نہیں۔ کیونکہ خدا نے اس کی
حفاظت کا ذمہ لیا اور فرمایا ہے وانا لہ لحافظون قرآن میں ہمارے لیئے روز قیامت تک پوری اور
مکمل اور کافی ہدایت موجود ہے۔ وہ میرے دوست کہتے تھے کہ سننے کی یہ تقریر سن کر میں تو دنگ ہو گیا
اور میں نے اپنے جی میں کہا اللہ اکبر یہ تو کوئی بڑا شخص ہے اس سے بڑھ کر کوئی کیا درویشی کریگا یہ تو علمی لیاقت
ہے اور یوں اس شخص نے اپنے تئیں مٹی میں ملا رکھا ہے آخر میں نے کہا تو پھر پیری مریدی کوئی
چیز نہیں تو اس کا ایسا معقول جواب دیا کہ بس تسلی کر دی۔ کہا کہ ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح کا
نام ہی دین۔ مثلاً طہارت ایک تو ظاہری ہے کہ آدمی کے جسم پر لباس پر اس کے بیٹھنے کھڑے
ہونے کی جگہ پر گندگی غلاظت گھن کی کوئی چیز نہ ہو۔ اگر کسی نے غسل کیا وضو کیا صاف ستھرے
کپڑے پہنے پاک جگہ میں کھڑا ہوا اس کا ظاہر درست ہو گیا۔ مگر خدا کی نظر میں وہ اتنا کرنے سے
درست نہیں ہوا جب تک اپنے دل کو غصے اور لالچ اور غرور و حسد کی گندگی سے پاک نہ کرے

تب ہو کہ قسم نہ کھائے جھوٹ نہ بولے فحش نہ بکے کسی کی غیبت نہ کرے۔ غرض دین کے یہ دو بڑے رکن ہیں ظاہر کی اصلاح اور باطن کی صفائی۔ قرآن میں دونوں کی تاکید ہے اور ایک ساتھ دونوں ہی کی تعلیم اور تعمیل ہونی چاہیئے۔ لوگوں نے غلطی یہ کی کہ دونوں شاخوں میں جدائی قائم کر دی۔ مولویوں نے تو لیا ظاہر اور اس پر اتنا زور دیا کہ لوگ باطن کو بھول گئے مشائخ نے باطن کو پکڑا اور ظاہر سے کی غفلت۔ نماز کے متعلق مولوی ان باتوں میں تو اختلاف کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے آمین پکار کر کہی جائے یا آہستہ رفع یدین ہو یا نہ ہو۔ لیکن حضور قلب ان کے یہاں بحث ہی نہیں۔ اور اگر اس کو شرط قرار دیا ہوتا تو عربی کی یوں مٹی ہی کیوں خوار ہوتی کہ کوئی دن کو عنقا شاید ڈھونڈھے سے کہیں مل بھی جائے۔ مگر عربی داں روا کو بھی میسر نہیں آئے گا۔ خیر یہ تو مولویانہ نماز ہے کہ سمجھے یا نہ سمجھے کھڑے ہوئے رکوع میں گئے سجدہ کیا تشہد پڑھا اسلام پھیرا نماز ہو گئی۔ مشائخ کہتے ہیں نماز نام ہے حضور قلب کا اور وہ اس سے نہیں ہوتا کہ قبلہ کی طرف منہ کیا نیت باندھی خیال جم گیا۔ اس کے لیئے چاہیئے برسوں کی ریاضت تاکہ آدمی کو خیال جمانے کی عادت پڑے۔ مگر ظاہر کی اصلاح ہو یا باطن کی صفائی دونوں کا اصل الاصول اول درجے میں قرآن دوسرے درجے میں حدیث بلکہ قرآن اور حدیث کو بھی یوں سمجھو قرآن متن ہے اور حدیث اس کی تفسیر۔ مولوی باطن پر زور نہ دیں مگر ان کی تعلیم یہی دو چیزیں ہیں جن کے ذریعے سے حکم خدا اور رسول ہم تک پہنچا ہے مشائخ چپکے چپکے کچھ ایسا کلھیا میں گڑ پھوڑتے ہیں کہ ان کا کچھ بھید ہی نہیں کھلتا۔ اور انھوں نے سینہ بسینہ ایک تعلیم ایجاد کی ہے مولویوں کی تعلیم سے الگ اور اس کو انھوں نے اپنے گروہ کے ساتھ خاص کر رکھا ہے گویا وہ راز ہے جس کو خدا نے عام مسلمانوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہا سو بھائی اپنی سمجھ میں تو آتا نہیں کہ خدا ایک رسول ایک قرآن ایک دین ایک پھر یہ ہیر پھیر کیسی نتیجہ یہ ہے اور اس کے سوائے ہونا بھی کیا تھا کہ جو لوگ مولویوں سے ہدایت پاتے اکثر ان کے معاملات اچھے نہیں اس لیئے کہ ان کے دلوں میں نیکی کا بیج نہیں بویا گیا۔ دین کے ساتھ ان کی نسبت ایسی ہے جیسے قانون کے ساتھ وکیل کی کہ مقنن کی اصل غرض سے تو اس کو مطلب نہیں وہ جس طرح بن پڑتا ہے اپنے موکل کو قانون کے لفظوں کی گرفت سے بچانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف مشائخ کا گروہ رعایتی ہے جیسے بادشاہی

چیلے کہ وہ خدا کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت جتاتے ہیں اور ان کے یہاں احکام شرع ظاہر معطل نہیں تو بے قدر ضرور ہیں۔ اس پر میں نے پوچھا تو آپ کو کسی سے بیعت نہیں۔ کہا نہیں اور ہوگی بھی نہیں۔ اور میں اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا۔ تم کو میرے بارے میں دھوکا ہوا ہے میں مختصر طور پر اپنا حال بیان کئے دیتا ہوں اس سے تم سمجھ لوگے کہ میں کیا ہوں میں نے دیوبند کے مدرسے میں مدتوں طالب العلمی کی ہے اور درسی کتابیں سب میری نظر سے گزری ہیں مگر میری طبیعت واقع ہوئی تھی غیور مولویت کی شان سے معاش پیدا کرنے کو میں پسند نہیں کرتا تھا اور مولویت کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا مجبور میں نے ریلوے پر کنکر کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ اس میں ایسی ناجائز کارروائی کرنی پڑتی تھی کہ کرتا ہوں تو طبیعت گوارا نہیں کرتی اور نہیں کرتا تو الٹا نقصان ہوتا ہے ایک دن بڑے سویرے نماز صبح پڑھ کر میں کنکر کے ڈھیروں کو دیکھتا پھرتا تھا کہ اتنے میں معمول کے مطابق ریل طیار ہوئی۔ سٹیشن پر جیسا دستور ہے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چہل پہل رہی یہاں تک کہ ریل روانہ ہوگئی۔ اس کا چلنا تھا کہ مجھے خیال آیا جس طرح اس ریل کی ابتدا اور انتہا ہے اسی طرح دنیا کا آغاز و انجام ہے جس طرح ریل کے سٹیشنوں پر لوگ چڑھتے اترتے ہیں اسی طرح دنیا میں لوگ پیدا ہوتے اور مرتے ہیں جس طرح ریل کی گاڑیوں کے درجے ہیں فرسٹ کلاس سکنڈ کلاس انٹرمیڈیٹ کلاس تھرڈ کلاس اسی طرح کیا دنیا کیا دین کُل باتوں میں لوگوں کے مدارج ہیں کوئی امیر ہے کوئی غریب کوئی بد ہے کوئی نیک جس طرح سٹیشنوں پر روانگی سے پہلے لوگوں کو ٹکٹ دے جاتے ہیں جن میں ایک مقام خاص تک اُن کو سفر کرنے کی اجازت ہوتی ہے اسی طرح لوگوں کی تقدیریں ہیں عمر کے اعتبار سے رزق کے اعتبار سے اولاد کے اعتبار سے اور سب چیزوں کے اعتبار سے جیسی نسبت سٹیم کو ریل کے انجن سے ہے ویسی ہی یا اُسی کے قریب قریب انسان کی روح کو اس کے جسم سے ہے جس طرح کوئی مسافر بیچ میں ریل پر سے اُترنے اور اپنی حد سے بڑھنے نہیں پاتا اسی طرح ہم سے جبراً اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون[1] کی تعمیل کرائی جاتی ہے۔ غرض ان خیالات نے میرے دل پر ایسا ہجوم کیا کہ جہاں کھڑا تھا وہیں ٹھٹک کر وہیں کھڑا رہ گیا۔ پھر اپنی حالت پر آیا تو طلب دنیا کو جی نہ چاہا۔ اور اب میں اس حال میں ہوں جو تم

[1] وعدے سے زیادہ نہ کم ۱۲

دیکھتے ہو۔ چاہے اِس کو فقیری سمجھو اور چاہے جنون نہ مجھ میں خرقِ عادت ہے نہ کرامت اور نہ اس حال میں رہنے سے میں اپنے تئیں کسی طرح کا مستحق سمجھتا ہوں میں نے دنیا کو ویسا ہی سمجھا جیسی وہ ہے اگر میں دنیا سے کسی قدر الگ ہو گیا ہوں تو یہ میری کمزوری ہے اور میں اس شان کو بدلنے ہی والا ہوں تاکہ تمھاری طرح دوسروں کو دھوکا نہ دے سکوں۔

دسویں فصل صادقہ کا بیاہ

یہ حکایت تمام کرکے میر خسرو نے بی بی سے کہا کہ مجکو یہ بات تاؤ سنجوگ پر یاد آ گئی اور تمھاری سامعہ خراشی تو ہوئی مگر میں امید کرتا ہوں کہ تمھارے دل کو اس سے کسی قدر تسکین بھی ہوئی ہو گی کیونکہ آدمی کو خدا نے ایسا ہی بنایا ہے کہ خیال کو اس کے رنج و راحت میں بڑا دخل ہے۔ تو آج میں سید صادق کو منظوری لکھے بھیجتا ہوں اور ہاں میری یہ بھی رائے ہے کہ تم دو بیٹیوں کو دنیا کے دستور کے مطابق بیاہ چکی ہو اب وہ سب بکھیڑا کرنا کیا ضرور ہے صادقہ ایسی سمجھ دار بیٹی ہے کہ وہ بھی اسی کو پسند کرے گی اور سید صادق تو یقیناً حد سے زیادہ خوش ہوں گے۔

بی بی بکھیڑا کرنے ہی والا کون ہے کرتیں تو صادقہ ہی کرتیں۔ اور آخر دونوں بہنوں کے بیاہ میں اندر باہر سارا انتظام انھوں ہی نے کیا تھا۔ مجھ سے تو کچھ ہوتا ہوا نہیں اور اب تو میرا دل ہی ٹھکانے نہیں بیٹی کو سر سے ٹالنا اور دھکے دے کر گھر سے نکالنا ہے۔ دن کے بدلے چُپ چپاتے رات کو ہو تو اور اچھا غرض میر صاحب نے سید صادق کو لکھ بھیجا کہ ہم نے آپکی درخواست بخوشی منظور کی۔ آپ نے اپنے خط میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ کسی کو رنج دینا گو وہ رنج بے اصل اور بلا وجہ معقول ہی کیوں نہ ہو میں جائز نہیں رکھتا آپ کی اس سلامت روی کے بھروسے پر مستورات کی یہ تمنا ہے کہ حتی الامکان لوگوں کو آپ اس کا موقع نہ دیں کہ آپ کی وضع ظاہر کی وجہ سے ہم کو رنج پہنچائیں۔ اور جو خیالات آپ نے خط میں ظاہر کیے ہیں اُن ہی سے ملتی ہوئی یہ بات بھی ہے کہ ہم شرعی نکاح چاہتے اور اس کے لیے ہمہ وقت طیار ہیں میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو پانچ ہزار مہر مثل کے قبول کرنے میں کچھ عذر رہے گا راقم میر خسرو

اس کے جواب میں سید صادق نے جیسے اُن کی عادت تھی پھر اپنے چند حکیمانہ خیال ظاہر کیے۔ کہ میں نے

دیدہ و دانستہ انگریزی لباس میں اپنی تصویر کھنچوا کر آپ کی خدمت میں بھیجی اور مقصود یہ تھا کہ انگریزی وضع اور تصویر کے بارے میں میرا خیال آپ پر ظاہر ہوا اور یہ نمونہ ہو میرے عام خیالات کا آپ تو بہت کچھ فرو ہو گیا ہوگا اور جیسا کہ وقت کا تقاضا ہے لوگ خود بخود انگریزی وضع اختیار کرتے چلے جاتے ہیں لیکن شروع شروع میں اس پر ایسا غل مچا نہ صرف عوام میں بلکہ عوام سے بڑھ کر خواص میں گویا انگریزی کپڑے پہن لینا یا انگریزوں کی طرح یا اُن کے ساتھ میز پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا کفر وارتداد ہے اور اس کے فتوے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ زمانہ جو سب کی عقلوں کو ٹھیک بنا دیتا ہے اس غلطی کی بھی اصلاح کرتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ کر رہا ہے اور کسی قدر کر بھی چکا ہے تو کیا سید احمد خاں کو باؤلے کتے نے کاٹا تھا کہ ناحق بیٹھے بٹھائے اپنے تئیں انگشت نما کر لیا نہیں نہیں لیکن سید احمد خاں کے درد کو ہر شخص نہیں پا سکتا۔ ان میں بڑی صفت یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے زمانے کی رفتار کو پہچانتے۔ اور مسلمانوں کو آگاہ کر دیتے۔ ان کی مثال مسلمانوں کے ساتھ ایسی ہے کہ گرمی کے دنوں میں ہمارے ہندوستان کے بعض مقامات میں ایسی سخت لو چلتی ہے کہ خدانخواستہ آدمی کو لگ جائے تو جھٹکا نہ کھائے۔ ایسی ہی جگہ ایک شخص نے مئی جون کی ساری رات لغو بات میں بسر کی صبح ہوتے سو رہا۔ دن چڑھتا چلا آتا ہے۔ اور وہ دھوپ میں کھلی چھت پر غفلت کی نیند پڑا سوتا ہے اور لو کوئی دم میں چلی کہ چلی۔ اس کا ایک رفیق دردمند اس کو جھنجوڑتا اور چلاتا کہ خدا کے لئے کیا غضب کرتا ہے اٹھ بھاگ۔ اور یہ شخص ہے کہ الٹا اس رفیق پر جھنجھلاتا کہ کیوں میری نیند خراب کرتا ہے معلوم ہے کہ دھوپ کی تیزی اس کو سونے نہیں دے گی اور یہ جاگے اور اس کا اچھا جاگے مگر اس کا بھی تو ڈر ہے کہ کہیں سونے کا سوتا ہی نہ رہ جائے۔ اسی طرح یہ کچھ سید احمد خاں کہتے ہیں مسلمان اگر دنیا میں رہنا چاہیں گے تو کریں گے اور اس سے بڑھ کر کریں گے مگر ابھی نہیں اچھی طرح مٹ لیں گے پیٹ بھر کر خراب ہو لیں گے تب کہیں جا کر سمجھیں تو سمجھیں۔ میں جانتا ہوں اور افسوس کرتا ہوں کہ سب لوگ کیوں نہیں جانتے کہ سید احمد خاں کے دل میں انگریزی وضع کی ذرا بھی وقعت نہیں اور وہ سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ وضع ہماری ملکی حالت کے بھی مناسب نہیں۔ مگر ان کو اس وضع کے اختیار کرنے اور دوسروں کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے پر مجبور کیا ہے دو چیزوں نے۔ اول یہ کہ انگریز تھیرے

حکام وقت ان کی نسبت سے ان کی کُل چیزوں میں وقار آ گیا ہے۔ ان جملہ وضع میں بھی تو مسلمان وہ وقار کیوں پیدا نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ دنیاوی ترقی کے لیے جہاں تک ممکن ہو ہم کو چاہئے انگریزوں کے ساتھ سازگاری رکھنی اور ان کی پیروی کرنی ضرور ہے اور اس کی جہاں اور بہت سی تدبیریں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ان ہی کی زبان میں گفتگو کرسکیں انہیں کے طور پر رہیں کہ اس سے اختلاط میں آسانی ہوتی ہے اور ان دو غرضوں کے علاوہ ایک اہم مطلب اور ہے کہ مسلمانوں نے جو اپنے مذہب کو ہندوؤں کے دھرم کی طرح چھوئی موئی بنا رکھا ہے ذرا ٹھیس لگی اور کملایا اور یہ خیال ان کو پنپنے اور ابھرنے نہیں دیتا۔ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مونہہ سے کہتا اور دل سے اس کا عقیدہ رکھتا اور عقیدہ نہ رکھے گا تو اس آزادی کے زمانے میں مونہہ سے کہنے ہی کیوں لگا کوٹ پتلون پہنے ہے اور مسلمان ہے میز پر چھری کانٹے سے کھا رہا ہے اور مسلمان ہے انگریزی زبان بول رہا ہے اور مسلمان ہے۔ غرض اس کا سارا ظاہر انگریزوں کا سا ہے اور مسلمان ہے میں بھی ذاتی آسائش کے اعتبار سے تو انگریزی وضع کو پسند کرتا نہیں مگر مصلحتوں کے خیال سے نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ جن کی نیت بخیر ہے ان کو تحسین کا مستحق جانتا ہوں۔ مجھکو معلوم ہے کہ اس وضع کے لوگ نفرت سے دیکھے جاتے ہیں اور مذہبی خیالات کے نزدیک کو ابھی مدتیں چاہئیں اور میرا مطلب انس پیدا کرنا ہے نہ وحشت دلانا۔ تو آپ پورا اطمینان رکھیں کہ سوائے اس زیب و زینت کے جو مردوں کو شایاں نہیں آپ مجھکو اسی شان میں دیکھیں گے جس شان میں آپ مجھے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جو خوشی مجھکو اپنی درخواست کے منظور کیے جانے سے ہوئی اس سے دو چند بلکہ زیادہ اس بات سے ہوئی کہ آپ شرعی طور سے اس کام کا سرانجام کریں گے میں ان بیہودہ اور لغو اور لایعنی مصارف کا جو ایسے مواقع پر کیے جاتے ہیں سخت مخالف ہوں اور اس دستور کو منجملہ اسباب افلاس مسلمانان سمجھتا ہوں اور اگر میں کسی اجنبی محض مسلمان کے یہاں بھی سن پاتا ہوں تو مجھکو قریب قریب ویسی ہی ایذا ہوتی ہے جو اپنے ذاتی سرمایے کے نقصان سے ہوتی۔ افسوس ہے کہ مسلمان جو ان دنوں سب سے زیادہ محتاج ہیں ایک پیسہ بھی جھوٹی شیخی اور نمود میں اگر ضائع کریں تو ہر

بارے میں میری یہ رائے ہے کہ اگر مسلمان مرد اور عورت میں نسبت مساوات کو قائم رکھیں چونکہ شارع
اسلام کو وللرجال علیہن درجۃ کے لحاظ سے اُن میں قائم رکھنی منظور تھی تو مہر جتنا کم ہو بہتر۔ لیکن ہم لوگوں
نے اس نسبت کو قائم نہیں رہنے دیا اور ملکی دستورات نے عورتوں کے بہت سے حقوق چھین لیے ہیں اور سوائے
اس کے کہ مہر زیادہ کیے جائیں عورتوں کے باقی ماندہ حقوق کی حفاظت کی اور کوئی تدبیر نہیں۔ پانچ ہزار روپیہ
اگرچہ میری حیثیت موجودہ سے زیادہ ہے مگر مجھکو اس کے قبول کر لینے میں کچھ بھی عذر نہیں۔ بات یہ ہے کہ
میں نے آج تک اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کی بلکہ میں نے اُن کے ہوتے اپنا کوئی ارادہ ہی نہیں رکھا۔
کیونکہ میں جانتا ہوں کہ والدین میرے سچے خیر خواہ ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں میری بہتری کے لیے۔ تو میں نے
اپنا دستور یہ رکھا کہ جو فرمایا تعمیل سے سروکار رکھا کبھی یہ بھی تو نہ پوچھا کہ اس سے کیا غرض ہے۔ اب جو میں نے اس
تعلق کا خیال کیا تو ساتھ ہی جی میں یہ بات بھی ٹھہرالی کہ میں یہ کام اپنی ہی پسند اور اپنی ہی تجویز سے
کروں گا۔ اور میں اس کو اپنا حق انسانیت سمجھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ والدین اس سے اتفاق رائے کریں
یا نہ کریں۔ لیکن اگر کریں بھی تاہم میں اس آزادی کے عمل میں لانے کو نافرمانی ہی سمجھتا ہوں اور
میں نے اپنے لیے اس جرم کی یہ سزا تجویز کی ہے کہ اپنے تئیں تمام حقوق فرزندی سے محروم رکھوں اور
یہی وجہ ہے کہ اس وقت میری حیثیت کچھ بھی نہیں۔ مجھکو کالج سے اسکالرشپ ملتی ہے اور وہ اتنی ہے کہ میں
اُس سے اپنی مختصر خانہ داری کو بخوبی چلا سکوں گا۔ نوکریاں مجھکو اب بھی ملتی ہیں جب تک امتحان کے مرحلے
طے نہ کر لوں کوئی سی نوکری بھی اختیار نہیں کر سکتا اور معلوم نہیں کہ آئندہ کیسے اتفاقات پیش آئیں گے
مگر دنیا بامید قائم ہے میں نے اسی غرض سے انگریزی پڑھی ہے کہ مجھکو معاش کی طرف سے فارغ البالی ہو اور
ان شاء اللہ ہوگی اور ضرور ہوگی۔ پس اگر پانچہزار میری حیثیت موجودہ سے اور بہت زیادہ ہے میری
حیثیت آئندہ سے کم اور بہت ہی کم ہے۔ اور چونکہ میں اس خیال کا آدمی ہوں کہ برابر کے درجے
میں مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا پابند رہنا چاہیے عجب نہیں مجھکو مقدار مہر کے زیادہ کر دینے کا موقع ملے۔
میں نہیں سمجھتا کہ اس بارے میں زیادہ مراسلت کی ضرورت ہو۔ اور میں آج کے پندرھویں دن اپنے چند
دوستوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوں گا اور شرعی معاہدہ ہو جانے کے بعد ایک ہفتہ رہ کر تنہا کالج کو

واپس آؤں گا۔ اور جب تک امتحان سے فارغ ہونے کے بعد میرا معاملہ یکسو نہ ہو اس انتظام کو جاری رکھوں گا۔

راقم۔ سید صادق۔ از بنارس۔

ایسا ہی ہوا کہ روز مقرر پر سید صادق اور ان کے دوست ہندوستانی بھلے مانسوں کے لباس میں شام کو آئے۔ نکاح ہوا دونوں دوست اسی رات نو بجے کی گاڑی میں واپس گئے سید صادق ایک ہفتے تک ٹھہرے رہے۔ ان میاں بی بی کے حالات بھی شروع سے آخر تک بڑے ہی بکار آمد اور دلچسپ ہیں دونوں اچھی خاصی پکی عمر میں بیاہے گئے۔ جب کہ دونوں سمجھتے تھے کہ بیاہ ہے کیا چیز۔ صادقہ کے خیالات اس کی تعلیم کی وجہ سے اور صادقہ کے اس کی جبلی افتاد مزاج کے سبب ایسے ایک دوسرے سے ملتے ہوئے تھے کہ وہ جو ایک جان دو قالب کہتے ہیں بس ان دونوں پر صادق آتا تھا۔ دونوں کی غرض و غایت یہی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کو خوش رکھیں۔ بھلا پھر ان میں سازگاری نہ ہو تو اور کن میں ہو۔ ایسا نہیں ہوا کہ راہ چلتے ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کو بقدر امکان جانا سمجھا اور جانے سمجھے پیچھے میاں بی بی بننے پر راضی ہوئے پس حقیقت میں ان کا ایجاب قبول البتہ ایجاب قبول تھا۔ وقت پر تو اعلان نہ ہوا اگرچہ چھپانے کی چیز نہ تھی اور چھپانے ہی کیوں آخر لوگوں کو معلوم ہوا اور معلوم ہوا تو گھر گھر اس کا چرچا تھا۔

گیارھویں فصل دلّی کے مسلمانوں کی سوسائٹی

مہر خضر و معمولی طور پر بیٹی کو بیاہتے تو شہر میں ان کے عزیز و اقارب دوست آشنا جان پہچان کر کے ہزار دو ہزار آدمی جانتے۔ یا اب گلی گلی کوچے کوچے ایک ڈھونڈورا سا پٹ گیا۔ مولوی تو ایسی باتوں کی ٹوہ ہی میں لگے رہتے ہیں ان کو رسالوں کے واسطے مضمون، فتووں کے لیے مسئلہ، وعظ میں بیان کرنے کو قصہ ہاتھ آیا۔ سید صادق شروع سے اپنے پڑھنے لکھنے میں لگے رہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان کو مسلمانوں کے مذہبی خیالات سے آگاہی نہ تھی۔ تھی اور بہت کچھ تھی مگر وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ مذہبی تعصب مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کا مانع ہے۔ اب جو انھوں نے دلّی سے ایک تعلق پیدا کیا۔ اور یہاں کے لوگوں نے زبردستی سر ہو ہو کر اپنے تئیں پہچنوایا تو انھوں نے جانا کہ شاید روئے زمین پر کہیں کے مسلمانوں

کی مذہبی حالت ایسی ردی نہ ہوگی جیسی دلّی کے مسلمانوں کی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ اس بدنصیب
شہر کے بدنصیب مسلمانوں کو محاربات سلطنت اور ضعفِ سلطنت اور زوال سلطنت اور آخر کار
سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی وجہ سے جیسے جیسے صدمے پہنچے وہ ان کو سیکڑوں برس تک پنپنے نہ دیتے
مگر یوں کہو خدا کی کچھ ایسی مہر کی نظر تھی کہ انگریز حاکمِ وقت ہوئے اور ماں باپ اولاد کی کیا پرداخت
کریں گے جو انھوں نے رعیت کی پرداخت کی۔ اور ان کی عملداری میں رعیت اس قدر آسودہ ہوئی کہ کبھی
کسی وقت میں نہ ہوئی ہوگی لیکن مسلمانوں کی کچھ ایسی مت ماری پڑی کہ یہ لگے انگریزوں سے
بدگمانی رکھنے نتیجہ یہ ہوا اور اس کے سوائے ہونا بھی کیا تھا کہ دوسرے لوگ بازی لے گئے اور یہ ہونقہ
دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے۔ بھلا کہیں خدا سے بندے کی ضد چلتی سنی ہے۔ مٹ گئے برباد ہوگئے
بچے پھر بھی سب نہیں ہزاروں میں ایک آدھ وہ بھی دلّی میں نہیں کہ یہ اپنی اسی پرانی لکیر کے فقیر
بنے بیٹھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں پر خدا کا خاص غصہ ہے نعوذ باللہ من غضب اللہ
اور وہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ بلا سے یہ کہیں غارت ہو چلیں کہ مسلمانوں کے سر سے بلا ٹلے خیر کم جہاں تک
مصیبت یہ ہے کہ آپ بگڑے سو بگڑے یہ نادان دوست دوسرے مسلمانوں کو بھی سنورنے نہیں دیتے
مصرع ع میں تو ڈوبا ہوں مگر تم کو بھی لے ڈوبوں گا۔ یہ سچ ہے کہ بننا بگڑنا سب کچھ خدا کی طرف سے اور اسی
کے حکم سے ہے۔ لیکن خدا بھیڑیا یا شیر بن کر آدمیوں کو نہیں پھاڑتا پھرتا۔ اور نہ سانپ کے جون میں آ کر ڈستا
بلکہ عادتِ الٰہی یوں جاری ہے کہ جو کچھ اس کو کرنا ہوتا ہے ہمارے دل میں ویسے ہی خیال ڈال دیتا ہے۔ اور
ہم ہی اپنے ہاتھوں سے اپنا فائدہ یا نقصان بھلائی یا برائی بہتری یا بدتری سب کچھ کر لیتے ہیں اور
اتنے ہی تعلق سے تحسین یا ملامت کے مستحق ٹھیرتے ہیں۔ اور پھر انسان نرا پتھر بھی نہیں کہ جگہ سے سرکاؤ
تو سرکے اور اٹھاؤ تو اٹھے۔ بلکہ ایک حد تک فاعل مختار ہے۔ اور خدا نے کسی کو اس حد کا علم نہیں دیا
تو خواہی نخواہی سارا بوجھ انسان ہی کو اٹھانا پڑتا ہے اور ہر صورت سے وہی ملزم ٹھیرتا ہے۔ تم ہی بتاؤ مسلمانوں
کو بگڑا دیکھ کر مسلمانوں سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں۔ طالب العلمی کی وجہ سے سید صادق کے مزاج
میں تو ایک طرح کی عزلت پسندی آ گئی تھی اور حقیقت میں وہ ملاقات کا چور تھا۔ لوگوں کی جیسی عادت ہے

طرح طرح کی اس کی توجیہات کرتے۔ کوئی کہتا مغرور ہیں کوئی سمجھتا انگریزیت چڑھ گئی ہے ہندوستانیوں سے نفرت رکھتے ہیں کوئی خیال کرتا عقائد بگڑے ہوئے ہیں کیا مونہ لے کر مسلمانوں میں بیٹھیں لیکن چاہیئے کہ اس خیال سے اس کی ملاقات سے کنارہ کشی کریں کیا مذکور۔ دلی میں کتنے لوگ ایسے بے کار پڑے پھرتے ہیں جن کو دنیا اور دین کا کوئی کام کرنے کو نہیں۔ صبح ہوئی یہ خدا جانے کہاں ہے کوئی ڈیڑھ پہر رات جاتے جاتے بیوی کے ڈر سے گھر آئے چھینکے پر سے روٹی اُتار مونڈھے تلے سے سالن کی پتیلی نکال بچا کھچا کھا پی مونہ لپیٹ پڑ رہے سویرے آنکھ کھلے کیا خاک غرض جیسے دیر کر سوئے تھے ویسے ہی دیر کر کے اُٹھے۔ مونہ ہاتھ دھویا بالوں میں کنگھی کی تیل ڈالا سرمہ لگایا پان کھا چھڑی رومال ہاتھ میں لے چلتے ہوئے کسی کام سے نہیں کسی خاص شخص کی ملاقات کو نہیں۔ جب کسی جان پہچان کے گھر جا پہنچا موجود ہوئے۔ بلکہ جان پہچان کی بھی کیا ضرورت ہے یہ معلوم ہونا کافی ہے کہ مردانی بیٹھک ہے تقریب ملاقات کو اتنا بس کرتا ہے کہ بندہ بہت دنوں سے آپ کی ثنا و صفت سُن سُن کر مشتاق ملاقات تھا مگر کل امروز زیارت پُر مسرت تو آج حاصل ہونی لکھی تھی ہر چند ارادہ کیا نہ بن پڑا اس وقت اتفاق سے ادھر گزر ہوا تو طبیعت بے اختیار ہو گئی۔ اسم شریف۔

صاحب خانہ۔ کمترین کا اصلی نام تو میر خورم علی خاں ہے بچپن میں پیار سے چھٹن صاحب کہتے تھے اور جہاں بیٹھا ہوں یہ میری سسرال ہے اور جب سے یہ تعلق ہوا ہے یہیں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے یہاں لوگ مجھ کو شاہنشاہ دولھا پکارتے ہیں۔ اور چوں کہ اپنی بولی میں کچھ تک سے تک بھی ملا لیتا ہوں میر موزوں کے نام سے مشہور ہوں۔ **نئے ملاقاتی** (جن کا نام خواجہ سلطان تھا) ماشاء اللہ جیسا سنتے تھے اُس کا ہزار چند پایا۔ ہائے ہائے زمانہ ہی قدر شناس نہیں کہ آپ جیسے باکمال آدمی کے وجود پر تو ہاتھی جھولتے ہوتے۔ کیوں حضرت وجہ معیشت تو یہی کرایہ وغیرہ سے ہوگی۔ آخر کتنے ایک کی آمدنی ہے۔

شاہنشاہ دولھا میر خورم علی خاں موزوں۔ اے جناب کیا آمدنی ہے یوں تو تین سڑک کے نکڑ سے لیکر چھوٹے دریبے تک ساری لین کی لین یہ سب اپنی ہی جائداد تھی اور متفرقات علاوہ۔ لیکن طبیعت واقع ہوئی تھی لاابالی پیسے کو کبھی روپیہ سمجھا نہیں جائداد تو ہاتھ سے نکل گئی اب گھر کے لوگوں کے

ہم چند دکانیں قابضی سے کے عوض ہیں اور سبزی منڈی میں چار ہزاری آپ نے سنا ہوا ایک باغ ہے بس کل کائنات ہے
کچھ خدا کی برکت سے گزر ہوئے چلا جاتا ہے۔ بزرگوں کے وقت سے مہاجن لگا ہوا ہے جو ضرورت
ہوئی کہلا بھیجا آدمی ہے بھلا مانس کسی بات میں آج تک تو عذر کیا نہیں ورنہ میں تو اس لڑی کے چکر میں آکر سٹری ہو گیا ہوتا

خواجہ سلطان۔ نصیب اعدا۔ آپ کی تقدیر میں جو پلاؤ کی رکابی لکھی ہے سو ملے ہی گی قسمت پہ
شاکر رہیئے اور آخر آج تک ایک شان سے گزری ہے۔ ان شاء اللہ اسی طرح گزرے جائے گی۔

موزوں۔ جی ہاں میں تو فکر کو پاس نہیں آنے دیتا۔ دوست آشناؤں میں ہنس بول کر اپنا وقت
گزار دیتا ہوں۔ مجکو خبر نہیں ہوتی کہ کس وقت صبح ہوئی اور کب شام ہوئی۔

خواجہ سلطان۔ بس کیا عرض کروں بجنسہ میری بھی یہی خصلت ہے سر مو تفاوت نہیں۔ گویا
ہم دونوں کے مزاج ایک سانچے میں ڈھلے ہیں اور تعجب ہے کہ ہم دونوں میں آج تک معرفت کیوں نہیں ہوئی

موزوں۔ آپ صورت آشنا تو ہیں بارہا چلتے پھرتے آپ کو دیکھا ہے طبیعت تو میری بھی آپ سے انس
کرتی تھی۔ مگر وہی آپ کا فرمانا کل امر مرہون باوقاتہ۔ حضرت کا نام نامی؟

خواجہ سلطان۔ فقیر کو خواجہ سلطان کہتے ہیں۔ اور آپ کی پشت پر جو یہ کم بخت بھیڑوں کی گلی کہلاتی
ہے۔ اسی میں غریب خانہ ہے۔ میں تو پہلے میر عاشق کے کوچے میں رہتا تھا مالک مکان کم بخت ایسا بے مروت
کہ صرف سوا یا ڈیڑھ سال کا کرایہ اتفاق سے چڑھ گیا تھا لگا سخت تقاضا کرنے مجکو ہوا ناگوار بھری
برسات میں مکان چھوڑ دینے کا ارادہ کیا وقت پر اور کوئی مکان اپنے ڈھب کا ملا نہیں آخر اسی مکان
میں آرہا۔ خانہ داری خدا کے فضل سے ذرا زیادہ ہے مکان ہونا چاہیے گنجایش کا اور یہ آسایش تو اس میں خاصی ہے۔

موزوں۔ آپ نے کچھ خیال ہی نہ کیا ہوگا۔ ورنہ چاہتے تو بہتیرے مکان اپنی ذات کے کر بیٹھے ہوتے۔

خواجہ۔ جناب بزرگ تو کچھ ایسے قناعت والے لوگ تھے کہ جو ملا کھا لیا جو میسر آیا پہن لیا انھوں نے دنیا
میں بہت پانوں پھیلانے چاہے ہی نہیں۔ رہا یہ عاجز تو والد مرحوم نے اپنے اوپر تکلیف سہی مگر میری آنکھ پر کسی طرح کا
میل نہیں آنے دیا۔ اور میں نے اُن کی بدولت وہ عیش کیے کہ جب کبھی یاد آجاتے ہیں روئیں روئیں سے
دعا نکلتی ہے۔ اور اب بھی اُن ہی کی بدولت عیش نہیں تو خیر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے تکلیف بھی نہیں ہم دو ہی بھائی

بہن تھے ہمشیر کو انھوں نے ایسی اچھی جگہ دیکھ کر دیا کہ اُن کی سسرال سے بہت کچھ مدد ملتی ہے اور ادھر میرے ایک برادر نسبتی رجواڑے میں نوکر ہیں وہ اپنی بہن کی خبر لیتے رہتے ہیں اور نہ کیوں لیں اپنے اسی دن کے لیے ہوتے ہیں قیامت ہیں تو کوئی کسی کو بخشوانے ہی کا نہیں۔ غرض آپ کی دعا سے مجکو تو کسی طرح کا تردد کرنا پڑتا نہیں دو وقت گھر گئے اور کھانا کھا لیا۔ خانہ داری کے جھگڑوں سے میری طبیعت الجھتی ہے اور میں نے گھر میں کھ رکھا ہے کچھ بھی کرو میں جس وقت آؤں کھانا طیار پاؤں سو وہ نیک بخت اس کا اہتمام رکھتی ہے جب تک والدہ زندہ رہیں وہ میری ضرورتوں کی خبر لیتی رہیں۔ اب اُن کی جگہ یہ عورت ہے بندۂ درگاہ نے نہ کبھی ہاتھ پانو ہلایا اور نہ جیتے جی ہلائیں۔

موزوں۔ بس تو ہماری آپ کی صحبت خوب نبھے گی ؎

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو	قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو

اسکے بعد دونوں میں اور بہت سے سوال وجواب ہوئے۔ اور پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے سے اتنے کھلے کہ سارا کچا حال انھوں نے اُن کا اور انھوں نے ان کا کھود کھود کر دریافت کر لیا۔ بس ایک عورتوں کے نام پوچھنے کی نوبت تو نہیں آئی اور وہ بھی شاید اس سبب سے کہ موزوں کے گھر سے کھانے کے لیے بلاوے پر بلاوا چلا آتا تھا۔ بارے روزانہ دو وقتہ ملاقات کی قسما قسمی ہو کر دن کے ایک بجتے بجتے بمجبوری خواجہ سلطان رخصت ہوئے۔ گھر گئے اور وہی ٹھنڈی روٹی جما ہوا سالن جو اُن کی تقدیر کا تھا کھا۔ نوے کا حقہ پی پھر جو سوئے تو دو گھڑی دن رہے کی خبر لی۔ جاگے اور پڑے پڑے سر اُٹھا کر چندھی چندھی آنکھوں سے دھوپ کو دیکھا تو گھبرا کر اُٹھے اور یہ اُن کے نصیبوں کی دوسری صبح ہوئی۔ اُٹھتے کے ساتھ پہلے گھر کی ماما پر خفا ہوئے کہ صبح کا نکلا نکلا دو پہر پیچھے گھر آیا تم کیا جانو کس کام میں تھا اور ذرا کی ذرا لیٹا بندہ بشر ہے آنکھ لگ گئی تو تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ جگا دیتیں مگر تم کو تو سوائے کھانا پکانے کے اور کسی کام کو ہاتھ لگانے کی قسم ہے آواز دینے میں بھی کچھ زبان گھسی جاتی تھی۔ ماما تو میاں کے پیچھے جھاڑ وہو کر چمٹتی مگر بی لقمہ توڑ بول پڑیں کہ خیر ہی خواہی نخواہی خدا واسطے ماما کے سر کیوں ہوئے بچوں نے اتنی اودھم مچائی تو تمھارے فرشتوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ ماما کیا تمھارے کان میں جا کر ڈھول بجاتی۔

میاں پھر تم نے میری بات میں دخل دیا۔

بی بی۔ ہاں ہاں دیا اور سو دفعہ دیں گے۔ ہزار دفعہ دیں گے۔ تم ہمارے آدمی سے بولنے والے کون ہوتے ہو۔ موئی لگائی بجھائی ڈومنی لگائے آل پتال۔ ماماؤں کو نکالنا ہی جانتے ہو یا کبھی اتنی عمر میں کوئی ماما بلوا کر بھی دی ہے اما نہیں ہوتی تو مصیبت تو ہمارے دم پر پڑتی ہے تمہارا کیا ہے آئے اور پکی پکائی نگلنے کو بیٹھ گئے

میاں۔ میں نے نکالنے کو تو نہیں کہا۔ ماما تم ہی خدا لگتی بات کہنا۔ ہاں اب کیوں بولو گی۔ مگر بی بی شہ دے دے کر تم کو کسی اور کے کام کا تو رکھنے کی نہیں۔

بی بی۔ چلو جب تمہارے گھر والے نوکری کرنے جائے گی تو تم نہ رکھنا اور تم یوں بھی کیوں رکھنے لگے تھے تم اللہ رکھے رکھو گے غلام رکھو گے باندیاں۔

میاں۔ تم کچھ اپنے بھائی کے برتے پہ اتراتی ہوگی تو میں کسی کا دبیل نہیں بستا۔ وہ کچھ دیتے ہوں گے تو تم کو دیتے ہوں گے۔ مجھ کو تو خدا نے تمہارے یا ان کے نمک کا بھی شرمندہ نہیں کیا اور نہ کرے گا۔ خدا میرے دونوں بھائی کو سلامت رکھے۔ جن کی بدولت میں چاہوں تو تم جیسی چار اور کرا دوں۔

بی بی۔ نگوڑے بے غیرت بہنوئی کے کھونٹے پر کودتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

وہ تو ماما ہی نے بی بی کو ٹال کر کوٹھے پر لے گئی نہیں تو خوجم صاحب پٹے بی بی کے ہاتھ میں ہوتے اور بی بی کی چٹیا خوجم صاحب کے ہاتھ میں۔ مگر ہے یہ کہ خوجم صاحب بھی دل کے بہت ہی صاف ان کا غصہ پانی کی سی ایک لہر ہوتی تھی ادھر آئی ادھر اتری۔ بی بی کوٹھے تک پہنچی بھی نہ ہوں گی کہ انھوں نے منہ ہاتھ دھویا کنگھی کی شام کی سیر کے کپڑے پٹاری کھول ہاں بنایا اور بن ٹھن کر باہر چلے چلتے چلتے پکار کر کہتے گئے کہ شام کو ٹکے کے کباب اور ایک آنہ کی ملائی منگا رکھنا دیکھنا بھولنا مت۔ اور دن تو بانسوں سے کر قاضی کے حوض ہوتے ہوئے چاوڑی اور وہاں سے بڑے دریبے کے تین تو ضرور اور کبھی چار پھیر بھی ہو جاتے تھے آج جو کسی قدر دیر ہو گئی تھی تو دو ہی پھیروں میں جھٹپٹا ہو گیا اور بازار کے چلنے والوں کو بہت دور کا آدمی اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا تھا خوجم صاحب کو خیال تو آیا کہ پھیر موڑوں کے ذرا دیر کیا ہے چلیں ان ہی سے ہوں مگر گنجفے شطرنج کے پرانے ٹھکانے بندے ہوئے تھے۔ ان کا معمول ناغہ کرنے

سے اپنی بھی ایک طرح کی ہیٹی ہوتی تھی کہ کل برابر ماتیں کھائیں سقو پر نادری چڑھوائی آج بھاگ کھڑے ہوئے ناچار اپنے قدیم اکھاڑے پر جا موجود ہوئے۔ خوجم صاحب کا بیٹھے بیٹھا ہی یہ بیچارے اپنی طرف سے بہتیری ہی چاہا کرتے تھے مگر بازی پر تو کسی کا بس نہیں چلتا اڑی تو اڑی اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جو ہارا وہ پیچھا نہیں چھوڑتا کہ آپ بازی لے جاؤ تو جانوں۔ بھٹکنے کی چڑھی تو نہیں ہے کہ دبتی آئی تو بس نہیں کھیلتے غرض ہر چند قصد کرتے تھے بارہ بجے سے ادھر کبھی چھٹکارا ہوا ہی نہیں۔ اور بی بی کے ساتھ اور لگاڑ ہی کا ہے کا تھا مرد ہو کر نکھٹو اور اس پر گھر کے رہنے سہنے کا یہ حال کہ مسافر بھی بھٹیاری کی سرائے میں شام سے آ پڑتا ہی اور سویرے لوٹے تو آدھی بجے اور نہیں تو ایک بجے دو بجے لیکن ہم کو تو موقع نہیں ورنہ ایسی بحث کی ضرور سمجھا دیتے کہ کیوں اس غم میں گھلی جاتی ہو۔ یہ شخص گھر ہی پڑا پڑا کیا کرے گا۔ بیٹھنے کا نہیں پڑے کا یہ نہیں۔ ہاں دن بھر اس کو گڑگڑانے کو حقہ اور چبانے کو پان چاہیے تم جانتا پان تماکو ہی کا خرچ بچا اور ہر وقت کے پاس رہنے سے دو برتن ہوتے ہیں تو وہ بھی کبھی نہ کبھی کھڑکھڑا ہی اٹھتے ہیں ایسے آدمی سے تو جتنی دیر الگ رہو اتنی دیر کوفت سے بچو۔ آنکھوں دیکھتے تو صبر نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی ہٹا کٹا لنگڑا نہیں لولا نہیں اپاہج معذور نہیں اندھا نہیں بہرا نہیں اور کمانے کے نام موئی مٹی کا لاشہ نہ ہلے ہاتھ پاؤں۔

خواجہ سلطان کے طور کے احدی منڈے شہر میں بہتیرے ہی بھرے پڑے تھے اور یہ لوگ اگرچہ اور سب باتوں میں تو احدی ہوتے ہیں مگر چل پھر کر اپنے ڈھب کے آدمی ڈھونڈھ نکالنے میں بڑے چالاک سید صادق کو تازہ وارد ہی کر دھر لپکے۔ لیکن سید صادق میں اور ان میں کوئی وجہ مناسبت تھی ہی نہیں کسی کی دال نہ گلی اور پہلی ہی ملاقات میں اپنا سا مونہ لیکر بیٹھ رہے۔ ان کے جلسوں میں فکر تذکرے تو ہر طرح کے رہتے ہی ہیں سید صادق کے بارے میں ان لوگوں کی یہ رائے تھی کہ آدمی ہے تو قابل ملاقات مگر خدا جانے علی گڈھ کے نیچری نے کیا پڑھ کر کان میں پھونک دیا ہے کہ یار لوگوں کے ہتھے پر چڑھنے والا نہیں۔ میر خسرو بھی اس کا ظاہر حال دیکھ کر کہہ رہے ہیں اب پچھتائیں گے۔ یہ عمر اور ایسا مردہ دل کہ کتنی ہی گدگدی کرو ہنستا نہیں اس نے تو ملانوں کو بھی مات کیا ہے آدمی کی صورت سے جھینپتا ہے ایسے نوکری چاکری کیا خاک ہو سکے گی۔ وہ ہاتھ ہی نہیں دھرنے دیتا ورنہ ہم تو دو تین ملاقاتوں میں اس کو اپنے طور کا کر لیتے۔ اس کی جھجک دور کرنے

اس کو علم مجلس سکھاتے - کہ اس کے دروازے پر بھی ایک جمگھٹا رہتا۔ عجب کوڑ مغز آدمی ہے کسی چیز کا مذاق نہیں
گنجفہ شطرنج چوسر پتنگ بٹیر مرغ ستار شعر و سخن سیر و تماشا - ارے میاں ہم نے اس کو ہر طرح سے ٹٹولا اس
عزیز کے کان پر جوں بھی تو نہ چلی - خدا جانے کس بلا کا چھانگا پکڑ کر آیا ہے - ہاں صورت شکل تو ایسی پائی
ہے کہ ہزاروں میں ایک - جی چاہتا ہے کہ بیٹھے دیکھا کیجیئے - مگر تمہارا سر قرآن کی جگہ ہے بس مٹی کی مورت
جان نہیں مونہ میں زبان نہیں - خیر ان بلاؤں سے تو خدا نے سید صادق کا پیچھا چھڑایا اور آج کیا چھڑایا
اس کا پیچھا اس دن سے چھوٹا ہوا تھا جب سے یہ علی گڈھ کالج میں داخل ہوا کھیل تو لڑکوں کو وہاں بھی کھلائے
جاتے ہیں اور ایسی تاکید سے کہ جیسا پڑھنے کا اہتمام ویسا بلکہ اس سے بڑھ کر کھیلنے کا - مگر کھیل
کھیل میں فرق ہے - ایک تو ہمارے یہاں کے کھیل ہیں جن میں سے اکثر بے سود اور بے سود ہوں تو خیر
الٹے مضر - بد اخلاقی کی تمہید - کاہلی کی تعلیم - اور بعض ہیں جو کچھ دماغی فائدے نکل سکتے ہیں مثلاً
گنجفے میں حافظے کی ترقی چوسر شطرنج میں غور اور خوض کی عادت تو ان میں بڑی قباحت یہ ہے کہ دنیاوی
معاملات میں ان سے مطلق مدد نہیں ملتی اگر کوئی شخص گنجفہ اچھا کھیلتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کو
پتوں کی یادداشت اچھی ہے - لیکن بازیوں کے ورق یاد رکھنے سے کتابوں کے ورق تو کیا صفحہ
بلکہ دو چار سطریں بھی یاد نہیں ہو سکتیں - اسی طرح بڑے سے بڑا شاطر شطرنج کے نقشے میں خوب طبیعت
لڑاتا ہے مگر ایک سیدھا سا مقدمہ اس کے سامنے بیان کرو تو سمجھ نہیں سکتا تدبیر سوچے گا کیا اپنا سر
غرض ہندوستان کے جتنے کھیل ہیں سب کے سب موجب تضیع وقت - اب یہاں کے کھیلوں پر نظر کرو تو نری
جسمانی ریاضت اور تفریح طبع کے علاوہ دماغی زحمت کا کچھ دخل نہیں کیونکہ اوقات درس میں جتنی دیر پڑھنے
میں مصروف رہے بس دماغی محنت بہتیری ہولی - اب کھیل میں بھی شطرنج کی طرح سوچنا پڑے تو دماغ کہاں تک
اس فشار کو وفا کر سکتا ہے اور اگر جسم سے بالکل کام نہ لیا جائے تو جس طرح گھوڑا تھان پر بندھے بندھے ہڈے
موٹے نکال لاتا بادی میں بھر جاتا دانہ گھاس اچھی طرح ہضم نہیں کر سکتا تھوڑی دور چلنے سے ہانپنے لگتا کوس
دو کوس دوڑانا چاہو تو دوڑ نہیں سکتا - یہی حال آدمی کا ہے کہ اگر وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کام نہیں لیتا تو اگر اور
کوئی بیماری اس کو نہ بھی ستائے یہ کیا تھوڑی بیماری ہے کہ وہ اپاہج ہو جاتا ہے - اسی آرام طلبی کے نتیجے ہیں کہ ہماری عمریں

اوسط گھٹتے اور ہماری نسلیں کم زور ہوتی چلی جاتی ہیں خیر کابل کے پٹھانوں اور گوروں کے ساتھ تو ہم ہندوستانی گرُ مُیں کیا مقابلے کریں گے اپنے ہی ملک کے دیہاتی کبھی شہر میں آ نکلتے ہیں تو اُن کو دیکھکر عقل حیران ہو جاتی ہی کہ الٰہی یہ بھی آدمی ہیں جن کی کاٹھیاں لوہے کی اور ہاتھ پانوں پتھر کے ہیں معلوم ہی کہ ساگ بھاجی اور جوار باجرے کی روٹی کے سوائے اُور کچھ میسر نہیں آتا۔ مگر یہ آنکھوں دیکھی بات ہی ایک دیہاتی سوسوا سو من کی چھ بلدی گاڑی ہانکے لیئے چلا جارہا تھا۔ شہر کی بھیڑ دیکھ کر بیل بدکے گاڑی کا ایک پہیہ نالی میں جاتارہا۔ بیلوں نے بہتیرا زور مارا پہیہ جگہ سے نہ کھسکا گاڑی بان نے اُتر کر کمر کا سہارا لگا بات کی بات میں گاڑی کو ایسا دھکا دیا کہ بیچ سڑک میں۔ نہ دیہاتیوں کا پانی نہ شہریوں کا مار اللحم۔ نہ ان کا چبینا اور نہ ہمارے بادام پستے۔ بے شک شہر اور دیہات کی آب ہوا میں بھی بہت بڑا فرق ہی۔ مگر دیہاتیوں کی توانائی اور اُن کا ہٹا کٹا پن ہی محنت کی وجہ سے شہر کی ایک تو کثرتِ آبادی کی وجہ سے آب و ہوا خراب ہی اس پر محنت و مشقت ندارد جس کو دیکھو بدن پر بوٹی نہیں اور بوٹی ہو تو کہاں سے ہو بے چارے کو کبھی کھُل کر بھوک نہیں لگتی اور مارے ہوکے کے کچھ بے اشتہا کھا لیتا ہی تو ہضم نہیں ہوتا۔ اور جو ہم میں پہلوان کہلاتے ہیں سینہ اُبھرا ہوا ہی۔ قبضے چڑھے ہیں دیکھنے کو موٹے تازے داؤ پیچ بھی خوب رواں۔ مگر اصلی بل بوتا توان میں بھی نہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی ہی کہ جن دنوں قلعہ آباد تھا تو سلاطین کو سوائے اوقات گزاری کے اور کوئی کام نہ تھا نکمے بیٹھے بیٹھے ان کو ایسے ہی مشغلے سوجھتے تھے کہ ستار بجا رہے ہیں یا بٹیریں لڑا رہے ہیں یا شطرنج کھیل رہے ہیں یا اس کی دُھن ہی کہ کوئی ایسی قسم کا کھانا پکوائیے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ ایک صاحب عالم کو پہلوانوں کی کشتی دیکھنے کا بہت شوق تھا بہت سے پہلوانوں کے راتب بندھے تھے اور انھوں نے ایسی ایسی جوڑیں طیار کی تھیں کہ رجواڑوں میں جا جا کر کشتیاں مارتے تھے۔ ایک مصاحب کو یہ سوجھی کہ ان دنوں ولایتی میوہ فروش آئے ہوئے ہیں کسی ولایتی کو ایک پہلوان سے لڑوایا جائے۔ صاحب عالم اس ایجاد کو سُن کر پھڑک گئے اور فرمایا بھائی واللہ تخت کی قسم ہی کیا بات پیدا کی ہی معمولی کشتیاں دیکھتے دیکھتے جی اکتا گیا ولایتی کی کشتی میں مزہ تو خوب آئے گا۔ دیکھیں وہ پیچ کا کیا توڑ کرتا ہی۔ داروغہ جی دینا ان کو ایک دوشالہ۔ اور بھائی تم ہی اس کشتی کا اہتمام بھی کرنا۔ اور میں

حضور میں بھی عرض کروں گا۔ سرفراز فرمائیں گے؟

مصاحب۔ پیر و مرشد سرفراز فرمانا کیسا بہت محظوظ ہوں گے اور خانہ زاد نے جو کچھ عرض کیا ہے حرف حرف اس کی تصدیق ہو جائے گی سرکار کو تو معلوم ہے کہ جناب عالیہ کے آب خاصہ کی خدمت غلام کی خالہ جان کو ہے وہ کل بھی کہتی تھیں کہ جناب بیگم صاحب بیٹھی تاش کھیل رہی تھیں دیکھتے کیا ہیں کہ حضور والا تشریف لیے چلے آ رہے ہیں۔ جناب عالیہ کے ساتھ تخلیہ ہوا تو خالہ جان نے اپنے کانوں حضور کو سرکار کا نام لے کر فرماتے سنا کہ ساری ادائیں اورنگ زیب کی سی ہیں۔ سپاہیانہ مزاج واقع ہوا ہے اور شوق بھی ہیں تو اس قسم کے اگر موقع ملا تو یہ لڑکا انگریزوں سے ملک آبائی اُگلوا کر رہے گا۔ اتنا کہنا تھا کہ صاحب عالم نے بڑے دنگل کی طیاری کا حکم دیا اور مصاحبوں کی بن آئی۔ نہیں معلوم ظالموں نے کیا تدبیر کی ایک اکھڑ وحشی ولایتی کو کچھ دے کر شاہی پہلوان کے ساتھ لڑنے کو راضی کر لیا۔ ولایتی کو ہم نے بھی دیکھا تھا سچ تو یہ ہے کہ مارے دہشت کے نظر نہیں ٹھیرتی تھی۔ آدمی کیا ہے کہ تھا ایک دیو تھا۔ بالوں کی لٹیں کندھوں تک لٹکتی ہوئیں۔ میلے کثیف کپڑے۔ چار چار پانچ پانچ گز کے مست۔ سینے کی سی لو ایسی سخت کہ ناک نہ دی جائے پیٹھ پر ہینگ کا مشکیزہ۔ اِدھر جوتیوں سے اور اُدھر مشکیزے سے چپڑ چپڑ کی آواز چلی آتی تھی خونخوار آنکھیں۔ ڈراؤنی صورت۔ لوگ جو اس کو بہلا پھسلا کر لائے تھے اس کے گرد اگرد ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے بڑے آدمی کے آگے بچے۔ ادھر یہاں اکھاڑے میں پہلوان پڑے جھوم رہے تھے کوئی ڈنڑ پیل رہا ہے اور کوئی تین سو تین من کی جوڑی کے رومالی ہاتھ اس خوب صورتی اور صفائی سے ہلا رہا ہے کہ سارے تماشائیوں کی ٹکٹکی اس پر بندھی ہے کوئی لیزم کی کثرت کر رہا ہے کوئی بنیٹھی کے کرتب دکھا رہا ہے اتنے میں غل ہوا کہ وہ پٹھان آیا۔ جوں اس کو لا کر اکھاڑے کے پاس کھڑا کیا اس کا پھیلاؤ دیکھ کر پہلوانوں کا رنگ فق ہوا۔ اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ موت کے مونہہ میں جائے۔ اور وہ ولایتی ہے کہ زمین میں آلتی پالتی مارے ہینگ کے مشکیزے کا گاؤ تکیہ بنائے نظر حیرت و تعجب سے سب کو بیٹھا دیکھ رہا ہے اور ان پہلوانوں کو سمجھتا ہے کہ نٹوں کا تماشا کر رہے ہیں۔ اکھاڑے کا استاد اگرچہ تھا تو عمر سے اُترا ہوا مگر اس کا بدن ایسا مرتب تھا اور اس کو ایسے ایسے داؤ گھات یاد تھے کہ یکایک کوئی اس سے لڑنے کی ہامی نہیں بھرتا تھا مگر وہ خوب جانتا تھا

ع فربہی چیزے دگر آماس چیزے دیگرست ٭ اُس نے چپکے سے صاحب عالم کے پاس جا کر عرض کیا کہ آج تک آپ کے اکھاڑے نے کسی سے نیچا نہیں دیکھا اور استاد کی برکت سے ہمارے یہاں کے پٹھے بھی اپنے وقت کے رستم و اسفندیار ہیں لیکن سرکار راجرس چاقو کو قسائی کے لُنڈے سے بھڑاتے ہیں سلکی عمر ہم نے سرکار کا نمک کھایا حکم کی تعمیل میں مجال عذر نہیں پچھڑ جائیں گے تو نہیں مگر اس کے ہاڑ تو ملاحظہ کیجیے کہ کلائی دونوں ہاتھوں میں سمانی مشکل ہے سرکار کو جان ہی لینی منظور ہے تو بسم اللہ۔ اس کا دبوچا ہوا آدمی پٹھکا بھی تو نہیں کھانے کا۔ اونٹ کی پکڑ کو اس کی پکڑ سے کیا نسبت۔ صاحب عالم سمجھے تو سہی مگر سارے میں غل مچوا چکے تھے کس طرح کشتی کو ملتوی کر دیتے۔ بارے لوگوں نے ولایتی سے کہا کہ آغا ان لوگوں میں سے جس کے ساتھ تمھارا جی چاہے کشتی لڑو۔

آغا۔ ہم سب کے ساتھ لڑے گا۔

اب تو پہلوانوں کے دم میں دم آیا کہ خیر ایک کی دارو دو۔ اُستاد اور شاگرد سارے کا سارا اکھاڑا اکیلے کو لپٹ پڑا۔ جو جو داؤ پیچ یاد تھے سبھی نے تو چلائے آغا ہیں کہ قطب از جانجنبد لوہے کی لاٹ کی طرح گڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ ان لوگوں نے نادانی یہ کی کہ آغا سے گتھ گئے اُس نے موقع پا ایک تو اس بغل میں دابا اور دوسرے کو دوسری بغل میں۔ اس نے تو اپنے نزدیک آہستہ ہی سے دابا تھا مگر اُن میں کا ایک آج تک کوب لیے پھرتا ہے اور دوسرا مدتوں خون تھوکتا رہا اب سنا اچھا تو ہو گیا ہے مگر جاڑے کے دنوں میں مارے پسلیوں کے درد کے بیچارے سے سانس نہیں لیا جاتا۔ خیر بنی آدم میں یہ ولایتی پٹھان تو اور ہی نسل کے ہیں اور اُن کی سی بات حاصل کرنی تو مشکل بلکہ محال ہے مگر اس کی عقلی دلائل موجود ہیں کہ اگر ہم اپنے طرز تمدن میں صفائی کے قاعدوں کی پوری پوری رعایت کریں اور جسمانی ریاضت کی عادت ڈالیں تو آیندہ کی نسلیں بہت بہتر ہو سکتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم لوگ گرم ملک کے رہنے والے ٹھیرے۔ ہم کو خدا نے محنت کے لیے پیدا نہیں کیا اور نہ ہم سے محنت کا تحمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر شاقہ محنت نہ ہو تو جس قدر برداشت کی جا سکتی ہے وہ بھی سو دوا کی ایک دوا ہے اور پھر نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ اور علی گڈھ کالج میں جو لڑکوں سے محنت لی جاتی ہے تو خدا نخواستہ کچھ پتھر تھوڑا ہی ڈھلوائے جاتے یا لکڑیاں تھوڑا ہی چروائی

جاتی ہیں۔ یہی کود پھاند دوڑ دھوپ جس میں ان کے اعضا چست و چالاک رہیں جس کو عادت نہیں اس کو شروع شروع میں ذری سی محنت بھی ناگوار گزرتی ہے لیکن آہستہ آہستہ ایک حد اعتدال تک عادت ڈالی جائے تو آرام سے زیادہ اس میں راحت ملتی ہے جس کو یقین نہ ہو ہماری خاطر سے زیادہ نہیں ایک چلہ اس صلاح پر عمل کر کے دیکھے کچھ فائدہ معلوم نہ ہو تبھی اُلاہنا دینا۔ لیکن لوگوں نے اس کو کچھ ایسا عیب سمجھ رکھا ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہے کوئی ہل کر اپنے ہاتھ سے پانی نہیں پینا چاہتا۔ اور طالب العلموں کے حق میں تو ایسی سختی ہے کہ گویا پڑھنے اور لکھنے میں بیر ہے اور اتنا نہیں سمجھتے جس کے بدن میں توانائی نہیں اُس کے دماغ میں طاقت نہیں دل میں قوت نہیں عقل میں تیزی نہیں ذہن میں رسائی نہیں۔ کبھی دیکھا ہے روگی ماں باپ کی اولاد جونچال تن درست کہیں سنا ہے مرجھائی ہوئی ٹہنی کے پتے ہرے بھرے شاداب۔ غرض سید صادق نے کھیل بھی کھیلے تھے مگر وہی کھیل جن سے مقصود تھی ریاضت اور تفریح اور وہ بھی قاعدے سے اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ اُستادوں کے ساتھ سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ۔ اس کو نہ یہاں کے کھیل آتے تھے اور نہ وہ ایسے جلسوں کو پسند کر سکتا تھا۔ پس حقیقت میں وہ ہندوستانی سوسائٹی کے قابل تھا اور نہ ہندوستانی سوسائٹی اس کے لائق۔ اُس کی طبیعت ڈھونڈھتی تھی وہی کالج کی صحبتیں کہ پڑھنا ہے تو۔ اور باتیں ہیں تو۔ اور کھیل ہے تو تمام وقت کسی نہ کسی شغل میں مصروف ہے اور شغل بھی مفید اور دل چسپ تعلیم کی تعلیم اور تفریح کی تفریح ہندوستانیوں میں اگر ایسے مذاق ہوتے تو یہ روز بد ہی کیوں پیش آتا۔ سید صادق کو معلوم تھا کہ طالب العلمی کے بعد ہندوستانی سوسائٹی کو اوڑھنا بچھونا بنانا پڑے گا اور اسی غرض سے اس نے خانہ داری کا تعلق پیدا کیا تھا۔ مگر یہ ایک تعلق سوسائٹی کا کام تو نہیں دے سکتا۔ بلکہ اس کے ہوتے سوسائٹی کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے پس چار و ناچار اس کو لوگوں سے ملنا پڑتا تھا آدمی کہاں تک کتاب دیکھے اور کب تک عورتوں کی طرح گھر کی چار دیواری میں بند رہے۔ دلی جیسے شہر میں سید صادق کو معدودے چند اپنے ہم خیال بھی کیونکر نہیں مل سکتے تھے آخر برسوں سے انگریزی تعلیم ہو رہی ہے اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آدمی مشن سکول میں نہ سہی کہیں بھی انگریزی پڑھے اور اس کے خیالات بالکل ویسے کے ویسے ہی رہیں جیسے فی زمانہ

عام مسلمانوں کے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے یا اُن کو ظاہر کرنے کا
موقع نہیں ملتا۔ اور بعض بھڑ بھڑیا ہوتے ہیں کہ جو اُن کے دل میں ہے وہی اُن کی زبان پر ہے۔ لیکن
اتفاق سے سید صادق کو آنے کے ساتھ اُن ہی لوگوں سے سابقہ پڑا جن کو اس کے سے خیالات چھو
بھی نہیں گئے تھے۔ یہ تو کیونکر کہیں کہ سید صادق کو ہندوستانی سوسائٹی کا حال معلوم نہ تھا۔ وہ
ہندوستانی سوسائٹی میں پیدا ہوا تھا۔ ہندوستانی سوسائٹی میں اس نے پرورش پائی اور وہ بھی ہندوستانیوں میں کا ایک
ہندوستانی تھا مگر اس نے ہوش سنبھالا علی گڈھ کالج میں۔ پس سوسائٹی کے متعلق اس کی معلومات بیشتر کتابی تھیں
کہ وہ اخباروں کتابوں میں ہندوستانیوں کے حالات پڑھتا رہتا تھا۔ اب جو لوگوں سے ملا جلا تو جانا کہ جو کچھ جانتا تھا اُس کو
واقعات سے اتنی بھی تو نسبت نہیں جتنی چھٹانک کو من سے۔ اس کے خواب خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں نے مذہب کا
یہ حال کر رکھا ہے کہ اسلام اور دنیا میں اس طرح کا بیر ہے کہ دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتے خصوصاً انگریزی
عملداری میں۔ خدا نے تو بندوں کی مصلحت اس میں سمجھی کہ انگریزوں کو وقت کا بادشاہ کر کے دنیاوی عزت
اور دنیاوی دولت کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں اور مسلمانوں کا
حال یہ ہے کہ باوجودیکہ نصاریٰ اہل کتاب بھی ہیں ان کے ساتھ کھانا پینا عیسائی مذہب کی عورتوں سے
نکاح کرنا کہ دنیا میں میل جول اور دوستی ملاقات کے یہی طریقے ہیں۔ قرآن میں ان سب باتوں کی اجازت
صاف صاف موجود ہے۔ نصاریٰ کی مدح بھی ہے اور یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ امن اور انصاف اور آسائش
اور آزادی غرض ہر طرح کی راحت جیسی ان کی عملداری میں ہے نہ کبھی ہوئی اور نہ اب کسی دوسری عملداری
میں ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے مسلمان ہیں کہ ان کے سائے سے بھاگتے ہیں۔ ان کی زبان سے نفرت
ان کے علوم سے نفرت ان کی وضع سے نفرت۔ ان کی طرز و روش سے نفرت جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان
روز بروز مفلس ہو ہو کر ذلیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جتنے ذریعے معاش کے دنیا میں ہیں اور ہو سکتے ہیں سبھی
میں تو مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے ہیں۔ کیا نوکری کیا تجارت کیا زمینداری کیا دستکاری کیا کچھ کیا کچھ
اور جو دو چار اس ظلم کو سمجھے ہیں اور اب پچھتاتے اور اپنی دنیاوی حالت درست کرنی چاہتے ہیں اُن کو ابھی بھائی بند چین
نہیں لینے دیتے کہ دنیا کے پیچھے دین کو چھوڑ بیٹھے عاقبت خراب کی ان کا پانی پینا روا نہیں ان سے رشتہ ناطہ کرنا درست نہیں جو لوگ اس طرح

منہ پھیر کر دوسروں کی برائی کرتے ہیں ہوا اگر اپنے نفس کا انتساب کریں تو پائیں گے کہ ان ہی کے خیال کے مطابق دوسروں کی آنکھ میں تنکا ہے تو ان کی اپنی آنکھ میں ٹینٹ دوسروں کو خارش ہے تو ان کو کوڑھ۔ دوسروں کو خفقان ہے تو ان کو جنون اور جنون بھی مطبق۔ مگر خدا نے دلوں پر مہر لگا دی ہے ان کو دوسروں کے عیب دیکھنے سے فرصت نہیں کہ اپنے عیوب پر نظر کریں۔ اپنی نجات سے ایسے مطمئن ہیں کہ عشرہ مبشرہ کو بھی ایسا اطمینان نصیب ہوا ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود بشارت کے بھی وہ لوگ مرتے دم تک خدا کی بے نیازی سے ڈرتے ہی رہے اور ان کو شاید کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا کہ ہم کو بھی خدا کے یہاں چل کر کچھ جواب دہی کرنی ہے۔ اصل میں تو کبر یا حسد یا طمع دنیا یا حب جاہ یا ایسی طرح کی کوئی اور خباثت باعث ہوتی ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حیلہ بنا رکھا ہے گویا تمام بندگان خدا کے اعمال کی باز پرس ان سے ہوتی ہے اور یہ خود مرفوع القلم ہیں یعنی نفسی کی پستی سے نکل مارے شیخی کے انتہا کی کی معراج پر جا دھمکے اور یہ نہ سمجھے کہ یہاں سے پاؤں پھسلا تو پھر اسفل السافلین ورے کہیں آدمی کا ٹھکانا ہی نہیں۔ اور اگر خدا نے دل ہی ایسا بنایا ہے کہ پیغمبری نہیں محتسبی کی خدمت نہیں مسلمان بھائی کی غلطی دیکھی نہیں جاتی تو خشونت کیوں اور دل آزاری کس لیے اور صاف صاف بات تو یہ ہے کہ جب اس کو پیشہ ٹھیرالیں اور معاش کے لیے اسی پر دھرنا دے کر بیٹھیں تو بدگمانی نہ ہوتی ہو تو ہو۔ دوسروں پر اثر ڈالنے کے لیے ضرور ہے خلوص۔ اور شائبہ غرض کے ہوتے اول تو خلوص ہو ہی کیوں اور ہو تو آدمی فرشتہ ہے ورنہ نیکی برباد گنہ لازم غرض مذہب بھی عجب تماشے کی چیز ہے اس کی عینک آنکھوں سے لگا لو تو دوسروں کے تل اٹھے اور شہتیر دکھائی دینے لگیں۔ اور اپنے پہاڑ اول تو دکھائی نہیں دیں گے اور دکھائی دیں گے بھی تو رائی یا خشخاش یا بہت غور سے دیکھو تو جیسے تل۔ کبر اور خود پسندی کو اگر درخت فرض کریں تو مذہب سے بہتر اس کے لیے کوئی کھاد نہیں ادھر ڈالا اور ادھر بھان متی کے درخت کی طرح پتے پھول پھل سب کچھ طیار موجود۔ مذہب ایجاد تو ہوا بدی کی بیخ کنی کے لیے افسوس ہے کہ اس کو بدی کا پردہ دار بنایا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پولیس چوروں کا تھانگی۔ مگر انسان کی سرشت ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنی بدی سے نہیں چوکتا یہاں تک کہ مذہب میں بھی۔ مگر ایک دن آئے گا کہ اس کی ساری شرارتیں اس پر اور جن کو اپنے زعم میں دھوکا دے رہا ہے

اُن پر ظاہر ہوں گی۔ یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون آدمی بھی ایک طرح کا سربند لفافہ ہے اور خدا نے اس کو ایسی مضبوطی سے بند کیا ہے کہ دوسرے تو اس کے اندر کا حال کیا جان سکتے ہیں خود بھی اپنے دل کے کونے کھدروں سے اچھی طرح واقف نہیں مرے پیچھے یہ لفافہ کھولا جائے گا۔ اور اس وقت معلوم ہوگا کہ خط میں کیا لکھا ہے اب تو جس کا جی چاہے لفافے کو خوش نما بنا کر لوگوں کو گرویدہ کرلے مگر یہ لفافہ ہے گے دن کا۔ کفن کے میلے ہوتے دیر بھی لگتی ہے اور یہ تو آج قبر میں رکھا اور تیسرے دن بھانڈا پھوٹا۔

بارھویں فصل صادق اور مذہب

سید صادق کا خیال یہ تھا کہ جو لوگ دنیا میں پھنسے ہیں وہ تو خیر مگر جو دین کے پیشوا کہلاتے ہیں اُن کے مذہبی خیالات ضرور اونچے اور عمدہ اور پاکیزہ ہونگے۔ اور اس کا ارادہ بھی تھا کہ طالب العلمی کو اس کی حد تک پہنچا کر۔ جب میں سوسائٹی میں آؤنگا تو ایسے ہی لوگوں سے صحبت رکھوں گا اگرچہ ہم اُس کی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اُس نے طلب دین کو دنیا کے بعد رکھا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نزدیک دنیا اور دین کو دو سمجھ رکھا تھا حالانکہ اسلام کا بڑا اصول یہ ہے کہ دین اور دنیا میں بو اور گل کی نسبت ہے دین کوئی علیحدہ چیز نہیں دنیا کو نیکی کے ساتھ برتنے کا نام دین ہے اور بس۔ لیکن وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ اُس کی دینی معلومات بہت محدود تھی ہم نے بھی بوڑھے ہو کر اتنی بات سمجھی اور اگر اس کے کان میں کسی نے ڈالی ہوتی تو وہ بھی سمجھتا مگر ڈالنے والا ہی کون تھا۔ سو میں ننانوے آدمی تو اس خیال کے ہیں کہ دنیا اور دین ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے آگ اور پانی بہر کیف سید صادق کو ابھی مذہب سے ایک طور پر قطع نظر ہی سا تھا کہ دلی کے لوگوں نے زبردستی اس کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ وہ اس کے پاس آتے اسی غرض سے تھے۔ اس کو جو آداب مجلس کالج میں سکھائے گئے تھے وہ یہ تھے کہ بے تقریب کسی سے ملاقات اور ملاقات میں اس کا ضرور لحاظ رکھو کہ جس سے ملنے جاؤ اُس کی فرصت کا وقت تاک کر جاؤ کہ اُس کا کسی طرح کا حرج نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ اُس کے وقت کو مشغول نہ کرو اور کسی کے ذاتی اور خانگی معاملات میں جیسے عقائد مذہبی وغیرہ گو وہ تمہارا کیسا ہی دوست کیوں نہ ہو ہرگز بھول کر بھی دخل نہ دو مگر جو لوگ اس سے ملنے کو آتے تھے وہ کسی تقریب کے محتاج نہ تھے جس وقت جی میں آیا بے تکلف آموجود ہوئے کنڈی کھڑکائی یا نام لے کر

لہ اپنے نزدیک اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے تئیں اور اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ۱۲

بچارا اور پھر ڈٹے تو ایسے ڈٹے کہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے اور پہلی ہی ملاقات میں مارے سوالوں کے زچ کر دیا
کوئی راز نہ تھا جس کی ہنڈی کی چنڈی نہیں پوچھی۔ یہ بہت ہی زچ ہوتا تھا اور باوجود ضبط کرنے کے
کبھی کبھی وقت ناخوشی بشرے سے بھی ظاہر ہو جاتی تھی مگر ملنے والوں کی دور بلا وہ اس کی کھسیانی ہنسی کو
مذاق میں اڑا دیتے تھے۔ اور مصیبت یہ تھی کہ آپ ہی تو کھود کھود کر کرید کر اس کی رائے دریافت کرتے اور
اگر ایک حرف بھی ان کے خلاف اس کے منہ سے نکل جاتا تو کافر بنانے مرتد ٹھیراتے اور سارے شہر میں اس کا
ڈھنڈورا پیٹتے سو الگ۔ اور اس وقت تک اس کی اپنی دینی معلومات بھی کچھ ایسی اعلیٰ درجے کی نہ تھی
اور اعلیٰ درجے کی ہو بھی کیسے سکتی تھی اس کی عمر ہی کیا تھی اور جو تھی اس میں یہ ہمہ تن کالج کی پڑھائی میں
مصروف رہا اور ہمہ تن مصروف نہ رہتا تو جیسے جیسے امتحان اس نے پاس کیے اس اچھے سے بھی نہ ہوتے۔ پس وہ
ایک عقلی مذہب رکھتا تھا جو بات اس سے پوچھی جاتی اپنی رائے سے کچھ نہ کچھ اس کا جواب دیتا اور اسی کی پچ کرتا
اسی پر جما رہتا۔ اتنی غلطی تو اس کی بھی تھی کہ اس کو عقل پر زیادہ اعتماد تھا۔ بی اے پاس تھا کر اس کو
یہ تو سمجھنا چاہیے تھا کہ دنیا ہی کی باتوں میں بڑے بڑے عقلمندوں کو دیکھتے ہیں ایک کہتا ہے ہست تو دوسرا
کہتا ہے نیست۔ اس سے بڑھ کر انگریزوں کی عقل و دانش کا کون معتقد ہوگا اور ہزار عقلمندوں کے عقلمند
پولیٹیکل گروہ جو سلطنت کا انتظام چلاتے ہیں سو ان کا تو حال یہ ہے کہ ایک کہتا ہے دن تو دوسرا کہتا ہے رات
ہوس آف کامنز یا پارلیمنٹ کا کونسا اجلاس ہے جس میں تو تو میں میں نہیں ہوتی۔ آج لبرل زور پکڑتے
ہیں تو کل کانسرویٹو بازی لے جاتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ پار لائٹ گلیڈسٹون ہم کو تو کم بخت کے نام بھی
نہیں آتے کتنے فرقے پیدا ہو چکے ہیں کہ ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ یا ڈاکٹر جو مسیحائی خدائی کا دعوے
کرتے ہیں۔ بیماریوں کو تو اپنے بس بھر کر ہی چکے اب موت کے پیچھے پڑے ہیں کہ کسی طرح اس کو اپنے قابو میں
لائیں۔ بیماریوں کو بھی دیکھا ہی بھیڑ وہی اختلاف۔ ایک کہتا ہے بعضی بیماریاں اڑ کر لگتی ہیں انھوں نے
زور دے دے کر قرنطینہ چلوایا۔ دوسرے معتقد ہیں کہ تعدیہ امراض کوئی چیز نہیں صرف وہم ہی وہم ہے۔ غرض
ان عقلمندوں کے ہاتھوں جان ایک مصیبت میں ہے کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں تو جب دنیا کے معاملات
میں بھی اکثر مشاہدے پر مبنی ہیں عقل انسانی کا یہ حال ہے تو دین کی باتوں میں جو انسان کی آئندہ زندگی سے

متعلق ہیں عقل انسانی اگر غلطی کرے یا سرے سے سمجھے ہی نہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ بس
سید صادق میں یہ بڑی کسر تھی کہ وہ ہر جگہ عقل دوڑانی چاہتا تھا۔ جو بات اس کی سمجھ میں نہ آتی اس کو
جھٹلانے لگتا۔ ایک طور پر اس کا کہنا بھی سچا تھا کہ انسان جو مکلف ہوا تو اسی عقل کی وجہ سے ہوا اگر اس میں عقل
نہ ہوتی تو یہ بھی اور جانوروں کی طرح کا ایک جانور تھا۔ عذاب ثواب دونوں سے بری۔ آدمی کے پیچھے جو عاقبت کا
جھگڑا لگا تو اسی سے لگا کہ اس کو عقل دی گئی جو نیک و بد کی تمیز رکھتا ہے تو جس عقل کی وجہ سے اتنی ساری
ذمہ داری گلے پڑی اسی کو دین میں معطل کر کے بٹھا دیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے تو بنایا آدمی اور ہم
بنیں جانور۔ اس نے تو دیں آنکھیں اور ہم باندھ لیں اوپر سے پٹی۔ دوسرے قرآن میں یہود اور نصاریٰ
اور مشرکین اور دوسرے دوسرے غلط عقائد والوں کے ساتھ مناظرے ہیں مباحثے ہیں اور خدا جگہ جگہ ان
لوگوں کو بل لا یشعرون افلا یعلمون افلا یعقلون کا الزام دیتا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین کے لیے
علم و عقل کو ہادی بنانا چاہیے۔ ادھر یہ لوگ جو اس سے مذہبی تکراریں کرنے آتے تھے وہ کہتے تھے دین کے
آگے عقل کا نام ہی نہ لو۔ اگر نری عقل سے کام چلتا تو خدا کتابیں ہی کیوں اتارتا پیغمبر ہی کس لیے بھیجتا۔
شیطان سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہوگا۔ کہ وہ سب فرشتوں کا استاد تھا خدا نے آدم کو پیدا کر کے کل فرشتوں کو
حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ شیطان اپنے علم کے غرے میں آ کر لگا جھینکنے انا خیر منہ۔ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین[1]
علم و عقل کا انجام یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کو راندہ گیا۔ جب دونوں کے اصول اس قدر مختلف ہوں تو ان میں اتفاق
ہو کیا خاک۔ نتیجہ یہ تھا کہ بات بات میں تکرار بات بات میں حجت اگرچہ صادق کی مت مسلمانوں کے متعارف
فرقوں میں سے کسی فرقے سے ملتی ہی نہ تھی۔ مگر اس کو اپنے سے زیادہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف ناگوار تھا کہ
ان میں جزئیات اور فروع اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے اختلاف کے سبب اس قدر پھوٹ تھی کہ ایک
رسول کی امت ہونا کیسا ان کا بس چلے تو ایک خدا کے بندے ہونا بھی ان کو منظور نہیں۔ انہی اختلافات
کی بدولت ایک مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتے آئے دن دیوانی اور فوجداری کے مقدمے دائر ہوتے رہتے
ہیں۔ آگے تو خیر بندی ہوئی سو ہوئی اب لگے لگائے رشتے ناطے چھوٹتے چلے جاتے ہیں۔ تو کیونکر کہیں کہ ان کا
مذہب ایک ہے۔ اور اگر جدا جدا مذہب ہوتے تو اس سے بڑھ کر اور کیا کرتے جواب کرتے ہیں سید صادق نے

[1] میں آدم سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے ۱۲

یہ حکایت بیان کرتے وقت یقین جان کر مانتا رو دیا کہ ایک مسجد کا امام تھا غیر مقلد اور نمازی کھچڑی یعنی بعض
مقلد بعض غیر مقلد۔ اِن دونوں فریقوں میں جہاں رفع یدین اور آمین بالجہر اور الصاق السوق اور سینے پہ
ہاتھ باندھنے کے اختلافات ہیں ایک مسئلہ مختلف فیہ یہ بھی ہے کہ غیر مقلد سجدے کے بعد جلسۂ استراحت
کر کے دوسری رکعت میں کھڑا ہوتا ہے اور مقلد جلسۂ استراحت نہیں کرتا۔ مقلد مقتدیوں نے یہ حجت
نکال کھڑی کی کہ امام کی اطاعت فرض ہے نہ کرو تو نماز باطل۔ ہمارا امام جلسۂ استراحت میں ہوتا ہے کہ ہم کھڑے
ہو جاتے ہیں تو اس امام کے پیچھے ہماری نماز کیسے ہو سکتی ہے۔ چاہا کہ امام کو معزول کریں۔ غیر مقلدوں
نے کی اس کی حمایت۔ مقدمہ لڑا اور لڑانا ہی تھا۔ حاکم تھا انگریز اُس نے فہم مقدمہ کی غرض سے
نماز کی نقل کرائی اور جہر کی تعیین کے لیئے زیر و بم کی سُروں میں آمین کہلوا کر سُنی۔ سید صادق کہتے تھے
کہ بدقسمتی سے میں بھی گواہی میں پکڑا گیا تھا۔ مقدمہ ہو چکنے پر فریقین نے مٹھائیاں بانٹیں اور میں نے مارے رنج
کے کھانا بھی نہیں کھایا۔ مجھکو یاد تھی وہ بات کہ کسی بیہودہ تھیٹر والے نے جناب رسول مقبول صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم کی نقل کرنی چاہی مسلمانوں کو علم ہوا تو اِس سرے سے اُس سرے تک ایک غل سا مچ گیا۔ ملکہ
کے کان تک خبر پہنچی اور سختی کے ساتھ ممانعت کر دی گئی۔ اللہ اللہ ملکہ کو عیسائی ہو کر اسلام کا اتنا پاس
اور خود مسلمانوں کا یہ حال۔ کیا فرق ہو سکتا ہے پیغمبر صاحب کی نقل میں اور نماز کی نقل میں۔ وہ رسولِ خدا ہیں تو یہ
فرض خدا ہے۔ مگر مسلمان ہی اپنے دین کی ہنسی اُڑوانا چاہیں تو اس کا کیا علاج۔ سید صادق مذہبی تکرار کو
سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ یہ تکرار باتوں سے شروع ہو کر بہت جلد مُکّوں اور لاتوں پر جا پہنچتی
ہے اور خدا جانے کیا اسرار ہے کہ اور تکراریں تو رفع ہو بھی جائیں مگر مذہبی تکرار کبھی مٹتی سُنی ہی نہیں۔ اِس کو
کامل یقین تھا کہ مسلمانوں کے تنزل کے جہاں اور اسباب ہیں اُن سب سے بڑا سبب مذہبی اختلاف ہے کہ یہ
اُن میں یکدلی اور اتفاق کے پیدا ہونے کا مانع ہے اور چاہے مسلمان دنیاوی علم و لیاقت ایجاد و صنعت
و دستکاری و حرفت استقلال و محنت تفتیش و تلاش کل صفتوں میں اہل یورپ سے بڑھ بھی جائیں مگر بدون
اتفاق کے فلاح قومی ہونی نہیں۔ تو اس نے اپنے تئیں بڑی نفرین کی کہ آتشِ اختلاف مسلمانوں میں پہلے ہی سے
سلگ رہی تھی میں نے آ کر اس کو بھڑکا دیا۔ اس نے ملاقات میں کمی کرنی چاہی مگر لوگ زبردستی اُس کو پیٹتے تھے اور کبھی وہ بھی

خیال کرتا تھا کہ گو اس وقت جس نے اختلاف کا ایک پہلو اختیار کر رکھا ہی مگر میرا اصل مطلب تو رفع اختلاف ہی اور اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا تو مسلمانوں کے رستے سے ایک بڑا پہاڑ ٹل جائے گا اور وہ آسانی کے ساتھ ترقی کرسکیں گے۔ سید صادق تو بڑی سوچ سمجھ کا آدمی تھا اُس نے دلّی میں تعلق کرنے وقت اس بات کا خیال [illegible] چیز ہی اور مستقل سکونت کے لیے آدمی کو کسی خاص جگہ کا پابند ہونا مناسب بھی ہی یا نہیں۔ اور پھر تو میں کونسی جگہ کو اختیار کروں۔ آخر اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ تمدن سے مقصود اصلی ہی آسائش اور وہ جیسی شہر میں میسر آسکتی ہی دیہات میں ممکن نہیں۔ شہروں میں ہر قسم کا آدمی موجود ہر طرح کی چیز مہیا بے شک دیہات میں بھی خاص خاص فائدے ہیں جو شہریوں کو نصیب نہیں جیسے آب و ہوا کی عمدگی دیہاتیوں کی سادہ اور بے تکلف زندگی۔ اُن کی شرافت یعنی غور سے دیکھا جائے تو انسانی فطرت کا رنگ اہل دیہات میں زیادہ جھلکتا ہی بہ نسبت اہل شہر کے۔ ہیں تو دیہاتی بھی آدم ہی کی اولاد مگر پھر بھی ان لوگوں میں اتنی خرابیاں نہیں ہیں جتنی شہریوں میں۔ مگر ویسے ہی دیہات میں عقلی ترقی کے سامان نہیں۔ شہریوں کے ناشائستہ حالات ردی خیالات دیکھ کر سید صادق کا دل دیہات کی طرف کو جھکتا تھا مگر طالب العلمی کا روگ ایسا اُس کے پیچھے لگا تھا کہ یہ شوق بے شہر کے پورا نہیں ہوسکتا تھا پس اُس نے قطعی فیصلہ کرلیا کہ رہوں گا تو شہر میں۔ یوں تو وہ خود بھی شہری تھا مگر اُس نے اپنی تجویز سے بیاہ کیا کہ مارے غیرت کے آپ ہی آپ بنارس کے رہنے کا بھی عہد کرلیا۔ بنارس چھوڑا تو اس کی نظر دلّی پر پڑی کہ یہ بھی بڑا اور بادشاہی شہر ہی۔ مدتوں دارالسلطنت رہا ہی۔ شاہجہاں نے پہلے اس کا نقشہ جمالیا اس کے بعد لوگوں کو بسنے کا حکم دیا تو اس کی آبادی بہت ہی خوش قطع واقع ہوئی ہی لال قلعہ اور جامع مسجد اور چوک یہ تین چیزیں تو اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ اور یوں شہر سے لیکر قطب صاحب تک چھ سات کوس کے گرد میں ایسی ایسی عمارتوں کے بے شمار کھنڈر پڑے ہیں کہ دیکھ کر خدا یاد آتا ہی بڑے بڑے باکمال لوگ اس سرزمین میں ہو گزرے ہیں اور اگرچہ بہار کا موسم نکل گیا۔ مگر ایسا بھی کیا ہی کہ ہوا میں ذرا سی بھی مہک باقی نہ ہو۔ زبان جیسی یہاں کی مستند ہی کہیں کی ہو نہیں سکتی۔ لوگوں کی وضع بھی بھلے مانسوں کی سی ہی مونہہ پر مقطع ڈاڑھیاں نیچے نیچے انگرکھے تنگ موہری کے پاجامے مگر ٹخنے کھلے ہوئے مسجدیں بکثرت

اور سب آبادی دین کے اعتبار سے اگر دلی کو ہندوستان کا مکہ مدینہ کہیں تو کچھ بے جا نہیں۔ لیٹی لُٹی کئی
کئی دفعہ مگر رونق وہی کی وہی ۱۸۵۷ء کے غدر کا البتہ بڑا جھٹکا پہنچا مگر پھر بھی سری کا شہر تھا کہ قنوج اور
بیجاپور کی طرح اُجڑا نہیں۔ خیر صوبہ پنجاب کا صدر مقام نہیں سہی دلی تو ہے اس سے بہتر رہنے کے لیے اور کونسی
جگہ ہو گی۔ اور ابھی میرے رہنے سہنے ہی کا کیا ٹھکانا ہے۔ میں نے نام گنوانے کے لیے تو اتنی عمر ضائع نہیں کی۔
محنت سے پڑھا ہے امتحان پاس کیے ہیں تو اسی دن کے لیے کہ بڑی سے بڑی نوکری کروں امیر ہو جاؤں
خوش حالی سے زندگی بسر کروں اور لوگوں کو دکھاؤں کہ عمدہ تعلیم پانے کے یہ نتیجے ہوتے ہیں۔ تو نوکری
پیشہ کی جہاں نوکری وہیں اس کا وطن مگر پھر بھی آدمی کو چاہیے کہ کسی ایک جگہ کا ہو رہے چلے پھرے اپنے ٹھکانے
آ لگے اور دنیا با امید قائم آخر میں کہیں نہ کہیں ٹکنا ہی ہے گا تو اگر ساری عمر اُٹھاؤ چولھا بنا پڑا پھر اس وقت
بڑی دقت پیش آئے گی اور ابھی سے سامان جمع کر چلوں گا تو آسایش ملے گی۔ غرض کوئی نہ کوئی
مقام مستقل سکونت کے لیے متعین کرنا ضرور ہے کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو اور وقت پر اُن سے
ہمدردی اور مدد کی توقع کی جائے۔ ایسے ایسے خیالات سے سید صادق نے دہلی کی بود و باش جی میں ٹھیرا لی
تھی مگر وہاں کے مذہبی اختلافات دیکھ کر تو اس کو بڑی ہی وحشت ہوئی اور اس کی طبیعت دو چار دن کے
لیے آ نکلنے میں بھی مضائقہ سا کرنے لگی۔ مگر دل برداشتگی کے ساتھ ایک بڑا فائدہ بھی ہوا کہ اس کو مذہب
کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اس کی سی عمر اس کی سی لیاقت کے آدمی کو یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ مذہبی اختلافات
سے بالکل بے خبر تھا۔ علی گڈھ کالج جس میں اس نے پڑھا تھا کھولا تو گیا دنیاوی تعلیم کی غرض سے مگر مسلمانوں
نے زبردستی مذہبی بدگمانیاں کر کے شروع سے اس کے ساتھ مخالفت کی اور جب تک مسلمانوں کی مذہبی
چہل کی عادت نہیں جاتی اور وہ کیا جائے گی علی گڈھ کالج کی نسبت بدگمانیاں ہوتی ہی رہیں گی پس مجرد
علی گڈھ کا طالب العلم ہونا دلالت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کے ہنگامے میں شریک تھا تو تماشائی ضرور تھا اور ویسے ہی
تماشائیوں کی سی اس کی توجہ بھی تھی۔ اب جو ہر قسم کے لوگوں سے خود اس کو سوال جواب کرنے پڑے تو اس نے دیکھا
کہ مباحثے اور مناظرے کے لیے طیار نہیں۔ اس نے دینیات کی کتابیں دیکھنی شروع کیں مطلق اسلام کی طرف
سے تو اس کو اطمینان تھا کہ اس سے زیادہ سادہ اور چلیس اور آسان اور قریب الفہم اور فطرت انسانی کے ٹھیک مطابق کہ

یہی سب باتیں مذہب کی حقانیت کی شناخت ہیں اور کوئی مذہب نہیں۔ اسلامی فرقوں کے باہمی اور اندرونی اختلافات میں اس کی عقل البتہ چکر میں تھی کہ یہ کیا آپس میں لڑے مرتے اور ایک دوسرے کو کافر اور مرتد بتاتے۔ اس نے اپنی طرف سے بہتیرا چاہا کہ کوئی ایسا منصف مزاج آدمی ملے جو اپنی کہے اور دوسرے کی سنے اور بالمشافہہ گفتگو ہو کر حق معلوم کر لیا جائے لیکن کسی کو اس ڈھب کا نہ پایا دو دو باتیں بھی سیدھی طرح نہیں ہونے پاتیں کہ فریقین آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اُن میں فوجداری ہوئے نہیں رہتی

تو گوئی خروسان شاطر بجنگ		درافتادہ باہم بمنقار وچنگ	

پس کتاب ہی کے سوائے اور کیا چارہ تھا۔ مگر کتابیں بھی تو اکثر ان ہی لوگوں کی لکھی ہوئی تھیں اور بعض تو ان میں اسقدر بے تہذیب کہ اگر کسی غیر مذہب والے کی نظر پڑ جائیں تو اسلام کے مقابلے میں اس کو ایک حجت ہاتھ آئے۔ اور مذہب اسلام اس قدر عمدہ مذہب ہو کر جو نہیں پھیلتا اور دوسرے مذہب والے اس کثرت سے اس کو اختیار نہیں کرتے جس کثرت کے ساتھ اُن کو اختیار کرنا چاہیئے کیا خبر کہیں ایسی ہی کتابوں نے اُن کو نہ بھڑکا دیا ہو۔ ایک پادری صاحب تو ہم سے کہتے تھے کہ مجکو دریافت کرنا منظور تھا کہ اسلام میں کہاں کہاں پانی مرتا ہے۔ سُنّی شیعوں کا اختلاف میرا سُنا ہوا تھا میں نے دونوں کی ایک ایک کتاب منگوا کر دیکھی اسلام کی آدھی بُرائی شیعوں نے بتائی تو دوسری آدھی سنیوں نے تو صادق نے بھی یہی غلط رستہ اختیار کیا اور بجائے اس کے کہ اطمینان ہو تسلّی ہو اور شکوک بڑھتے گئے کیونکہ ان لوگوں کے مناظرے کا معمولی طرز یہ تھا کہ کسی نے ان میں ایک عیب نکالا تو انھوں نے اُس میں ویسے ہی یا اس سے بھی سخت دو نکال کھڑے کیئے تو یہ وہی بات ہوئی کہ حامد نے محمود کو چھیڑا کہ تیری آنکھ میں ناخنہ ہے محمود کو لازم تھا کہ اپنی صاف اور بے عیب آنکھ لوگوں کو دکھا کر حامد کو جھوٹا کرتا وہ لگا حامد کی آنکھ کا ٹینٹ دکھانے اس سے آنکھ والوں کی نظر میں محمود تو ویسا کا ویسا ہی عیب دار رہا اور حامد بھی اس کے ساتھ مس گیا مذہب میں اس طرح کی چھان بین ہی ٹھیک نہیں اس سے طبیعت شکّی ہو جاتی ہے۔ اور شک اور مذہب میں بیر ہے

تیرھویں فصل عقلی مذہب

صادق [illegible] فرقوں [illegible] مذہب [illegible]

اور وہ جا پھنسا دوسرے مذاہب کے جھگڑوں میں۔ اور اب ہم نے اس کا یہ تماشا دیکھا کہ عقل کی بھول بھلیوں میں بھٹکا بھٹکا پھرتا تھا اور نکلنے کا راستہ نہیں سوجھ پڑتا تھا۔ اس پر ایک وقت ایسا بھی گزرا کہ وہ سرے سے کسی مذہب ہی کا معتقد نہ تھا اور دل میں کہتا تھا کہ شروع سے آدمی مذہب کے خیال کے پیچھے پڑے ہیں اگر مذہب حق واقع میں کوئی چیز ہوتا تو اب تک انسان کی نظر سے مخفی نہ رہتا اور ساری دنیا میں کبھی کا ایک مذہب ہو گیا ہوتا۔ دنیا جتنی پرانی ہوتی جاتی ہے مذہبوں کا شمار بڑھتا چلا جاتا ہے تو جس چیز کو اتنی مدت ڈھونڈا جائے اور ڈھونڈا بھی جائے تو ایسی کاوش سے کہ کوئی فرد بشر اس کی جستجو سے فارغ نہ رہا ہو اور وہ نہ ملے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس چیز کا وجود ہی نہیں۔ دنیا میں ہزاروں مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب والا اپنے ہی تئیں برسر حق سمجھتا ہے اور حال یہ ہے کہ نیک اور بد سبھی جگہ ہیں کیونکر مان لیں کہ ایک شخص خدا سے ڈرتا اور غریبوں پر ترس کھاتا اور کسی کو ایذا نہیں دینی چاہتا۔ معاملے کا صاف دیانت دار امانت گزار مزاج میں شیخی نہیں غرور نہیں وہ صرف اس سبب سے کہ خاص طور کے عقیدے نہیں رکھتا اور نہیں رکھتا تو اس وجہ سے کہ وہ سچے دل سے ان کو ٹھیک نہیں سمجھتا کیونکر مان لیں کہ ایسا شخص جہنمی ہو ابد الآباد کے لیے مستوجب عذاب الٰہی۔ اور خدا کو بھی کس نے دیکھا ہے۔ یہی نہ کہ دنیا میں کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی اور بنانے والے کون ہم ہی آدمی تو جو چیز ہم میں سے کسی نے نہیں بنائی جس نے بنائی۔ وہی خدا۔ یہ دلیل ظاہر میں تو بڑی مضبوط معلوم ہوتی ہے لیکن اس کو منطق کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے تو ٹھیک نہیں اترتی۔ کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی۔ اس کی جگہ ہم کو یوں کہنا چاہیے کہ آدمی کے بنانے کی کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی۔ دو ہی لفظوں کی کمی بیشی میں بات کیا سے کیا ہو گئی۔ نہ دعویٰ رہا اور نہ دلیل۔ اور کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی ہیں تو خدا بھی آ گیا تو گویا ہم ایک ہی سانس میں خدا کو مانتے اور اس سے منکر بھی ہیں۔ جو شخص کسی چیز کے آپ سے آپ بن جانے پر اچنبھا کرتا ہے بڑا اچنبھا ہے کہ وہ خدا کے ہونے پر اچنبھا کیوں نہیں کرتا۔ اور دنیا میں اگر مثلاً ایک بات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہے تو دوسے ظاہر ہوتا ہے کہ نہیں ہے۔ ہم ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو مبتلائے مصیبت دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ مصیبت ان کی کسی بدکرداری کا نتیجہ نہیں ہے جیسے کوڑھ مادرزاد۔ یا ایک عام مصیبت موت ہی کی ہے جس پر کسی کا زور

نہیں چلتا تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کام خدا کے نہیں ہیں اور نہیں ہونے چاہئیں۔ اور فرض کرو کہ خدا ہی ہے تو مجرد خدا کا ہونا چاہتا ہے کہ دین نہ ہو کیونکہ اگر خدا ہے اور اُس نے جیسا چاہا دنیا کو بنایا تو وہ دنیا کے خلاف کیوں چاہنے لگا اور اگر چاہے تو اُس کی ایسی مثال ہوگی کہ ایک شخص گھڑی بنائے اور بنا کر اُس میں ایک کیل ٹھوک دے کہ چل نہ سکے۔ ہم کو بے ہماری درخواست کے پیدا کیا اور چند در چند ضرورتیں اور خواہشیں ہمارے پیچھے لگا دیں پھر ہم کو اُن سے روکنے اور باز رکھنے کے معنی کیا۔ یہ ہیں سید صادق کے چند خیالات جو اُس نے عقل کی راہ نمائی سے بہم پہنچائے تھے اور جن کو ہم نے نقل کفر کفر نباشد کے بھروسے پر بمجبوری ڈرتے ڈرتے اور لرزتے لرزتے لکھ دیا ہے خدا گناہ ہمارے کو معاف کرے۔ اور ہمارا مقصد اس بات کا دکھانا ہے کہ عقل بھی کیسی پاجی چیز ہے کہ خدا ہی نے تو اس کو بنایا اور خدا ہی نے اس کو سمجھنے کی طاقت دی اگر خدا کا فضل دستگیری نہ کرے تو یہ عقل آدمی کو اوندھے مونہ دوزخ میں جا گرائے۔ اور پھر جو یکبارگی پلٹا کھاتا تو سوچتا کہ چاہے خدا کے کرنے سے ہو اور چاہے آپ سے آپ ہو انسان کی ہستی ہی کیا ہے۔ بہت سے بہت جیا تو ساٹھ ستر برس۔ اور سینکڑوں ہزاروں میں شاذ و نادر کوئی ایک آدھ سینکڑا بھی گھسیٹ لے گیا تو کس طرح کہ بے لکڑی کے سہارے کے چار قدم چلا نہیں جاتا۔ پانو ڈالتا ہے کہیں اور پڑتا ہے کہیں۔ سر ہے کہ جھکتے جھکتے گھٹنوں میں آ لگا ہے۔ آنکھوں سے دھندلا دکھائی دیتا ہے۔ کانوں سے اونچا سنائی دیتا ہے۔ کچھ عجیب طرح کی بولی بولتا ہے کہ نہ اُردو ہے نہ فارسی نہ عربی۔ دنیا کی زبانوں میں کسی سے نہیں ملتی اپنے مونہ سے تو سیدھی بات نہیں نکلتی۔ اور لوگ نہیں سمجھتے تو اُن پر جھنجھلاتا ہے۔ بات ابھی کہی ہے اور ابھی ذہن سے اُتر گئی ہوکا بڑھ گیا ہے۔ ہر چیز کو جی چاہتا ہے کہ کھا لوں۔ دانت نہیں چبائے کاہے سے۔ اور گھٹر پولی پلپلا پلپلا کر کوئی چیز حلق سے اُتار بھی لی تو ہاضمہ نہیں۔ اب گھر والوں کا دم ناک میں ہے۔ پوتیاں پڑپوتیاں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اور پکار پکار کر دعائیں مانگتی ہیں کہ بڈھا کہیں مر چکے تو پاپ ٹلے۔ اس پر پوت بہو بولی تو بوا تم اس طرح مونہ بھر بھر کر بڑے میاں کو کیوں کوستی ہو یہ مر جائیں گے تو قیامت کے بوریئے کون سمیٹے گا اتفاق سے نواسی آئی ہوئی تھی مہمان آخر تو خون کا جوش ہوتا ہے اُس سے سہار نہ ہو سکی اور لگی کہنے۔ لو کو خدا سے ڈرو یہ سب ان ہی کے دم قدم کا ظہور ہے اور یہ سارے اللّے تللّے ان ہی کی کمائی میں ہو رہے ہیں

باوا کو تو ایک پیسہ لانا بھی نصیب نہیں ہوا تم لوگ جس ہنڈیا میں کھاؤ اُسی میں چھید کرو نانا ابا نے تو آپ اپنی مٹی خوار کر رکھی ہے۔ اماں خدا اُن کو بہشت نصیب کرے اسی تمنا میں مر گئیں میں نے سیکڑوں دفعہ ہاتھ جوڑے وہ اس گھر سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ورنہ میں تو ان کو اپنی آنکھوں پر بٹھاؤں اور اپنے ہاتھ سے ان کی ٹہل کروں لیکن ہم تو سدا کے بدقسمت ہیں ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی کہ بزرگوں کی خدمت کرتے **پوت بہو**۔ ہاں بوا سچ کہتی ہو ہم تو ایسی ہی نمک حرام ہیں ہماری طرح آٹھ پہر گھر میں رہو تو جانو کہ بڈھے نے سارے گھر کو سر پر اُٹھا رکھا ہے ان کو تو دن رات کی تمیز باقی نہیں سوئے پڑے ہیں تو امن ہے۔ اِدھر آنکھ کھلی اور پکارنا شروع کیا۔ کڑا کے کے جاڑے آدھی رات اور دھاوٹ برس رہا ہے اور لونڈی کی طلب ہے نہ جاؤ تو تمہارے بھائی جان لڑنے کو موجود تم چاہو شوق سے لگا دینا ہم تو یہ بوڑھے بچے نہیں پالے جاتے۔ غرض بڑے میاں اپنے گھر میں ہیں تو اس قدر عزت کے ساتھ۔ جب [illegible] اب وہ موند در موند کہتے ہیں کہ تم سترے بہترے ہو گئے ہو۔ جن پر حکمرانی کی اب بات بات میں اُن سے دبنا پڑتا ہے۔ جن کی خدمتیں کیں اب وہ پانی پلاتے ہوئے بڑبڑاتے ہیں۔ اپنا پیسہ اور آپ ہی دست نگر۔ غرض زندگی ہے موت سے بدتر اپنے پر عذاب دوسروں پر وبال۔ اچھی کبھی ہو بھی چکے گی۔ اور فرض کیا کہ آدمی کی بڑی سے بڑی عمر بھی ہوئی اور اُس کو بڑھاپے کی ایذائیں اور تکلیفیں بھی پیش نہ آئیں تو بھی ساری مزہ داریاں ایک طرف اور مرنا ایک طرف۔ دنیا میں یہی تو سب سے زیادہ عجیب بات ہے کہ بھلی بھی گزر جاتی اور بُری بھی گزر جاتی یعنی انجام سب کا ایک ہی ہے

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے	خاک میں جب وہ ملے دونوں برابر ہو گئے

پس حقیقت میں آدمی خواب سا دیکھ رہے ہیں کوئی اچھا کوئی بُرا آنکھ بند ہوئی جس کو کہنا چاہیے کہ آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہ تھا۔ وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا + خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا +

اس قسم کے خیالات ہجوم کرتے تو سید صادق کو دنیا کی طرف سے ایسی بے دلی پیدا ہوتی تھی کہ کہاں کا امتحان اور کیسی نوکری کس کی بی بی اور کدھر کے تعلقات سب کو جھٹاؤ۔ الغرض ان دنوں سید صادق اناڑی کی ترازو بنا ہوا تھا کبھی ادھر کا پلہ جھک گیا کبھی اُدھر کا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ عقل سے اُس کی بساط سے زیادہ کام لینا چاہتا تھا اور خدا کو اُسے دکھانا منظور تھا کہ ہم نے تمہاری جتنی عقل سب کو دی بہتیرے تم سے کم بہتیرے

تم سے زیادہ) اور نہ مذہب کے لیے اتنی عقل کی ضرورت اور جتنی کی ضرورت ہے اُس سے ہم نے مرد اور عورت اور عالم اور جاہل اور شہری اور دیہاتی کسی کو محروم نہیں رکھا۔ اور یوں آپ اپنے اوپر کوئی چیز لازم کر لو تو تمھاری خوشی پھر تم سے ویسی ہی باز پرس ہوگی۔ تمھارے دنیاوی امتحانوں میں بھی بعض چیزیں اختیاری ہوتی ہیں چاہے ان میں امتحان دو اور چاہے نہ دو لیکن از خود دینا چاہو گے تو نمبروں میں رعایت نہ ہوگی[1] ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا فآتینا الذین آمنوا منھم اجرھم وکثیر منھم فاسقون

دین کا وہ درجہ جو ضروری ہے ایسا سہل رکھا گیا ہے کہ ہر ایک آدمی اُس کو بدون کسی زحمت کے پاس کر سکتا ہے اس پر بھی لوگ فیل ہوتے ہیں۔ مذہب کا کچھ ایسا خواص ہے کہ جتنا چھانو ویسا ہی کرکرا جوں جوں تخمارو توں توں گدلا اور اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دین ہے اور بڑھیوں کا اور مکتب کے مبتدی بچوں کا۔ یعنی بوڑھی عورتیں اور مکتب کے مبتدی بچے دل کے بھولے اور طبیعت کے صاف ہوتے ہیں جس طرح کورا کپڑا رنگ کو خوب پکڑتا ہے بھولے دل اور صاف طبیعتیں دین کی باتوں کو جلد قبول کرتی ہیں اور العلم حجاب الاکبر[2] جو کہا ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ بہت سیان پت بھی آدمی کو گمراہ کر دیتی ہے۔ غرض سید صادق پر دین کے اعتبار سے کچھ وقت اُسی طرح کا گزرا جیسے بنی اسرائیل چالیس برس جنگل میں بھٹکتے۔ پڑے پھرے۔ بہتیری اٹکلیں دوڑاتے اور ہر روز صبح سے شام تک چلتے آخر کار پھر کر وہیں آ کھڑے ہوتے جہاں سے چلتے تھے۔ مگر تھا کیا کہ طلب تھی صحیح اور تلاش تھی سچی۔ اس سوچ میں اس کا یہ حال ہو گیا تھا جیسے کوئی مبہوت دیکھتا ہے اور نظر نہیں آتا سنتا ہے اور سمجھتا نہیں۔ بہتیری کوشش کرتا کہ یہ خیال دل سے دور ہو مگر سوتے جاگتے ہمہ وقت یہی تصور پیش نظر تھا کسی چیز میں طبیعت نہیں لگتی کسی بات سے جی نہیں بہلتا۔ کتاب لیکر بیٹھا ہر چند طبیعت پر زور دیتا ہے مطلب معلوم نہیں ہوتا۔ لوگ باتیں کر رہے ہیں اس کو خبر نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکے ہیئتہ ضروریہ میں خلل پڑنے لگا اور چندے اس کو خوف رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو مجکو جنون ہو جائے اور سارا پڑھا لکھا غارت ہو۔ نیند تو اس کی مدتوں سے اُچٹی ہوئی سی تھی ہی ایک رات آخر شب اسی خیال میں پڑا کروٹیں بدل رہا تھا کہ اس نے بیقرار ہو کر دعا کی کہ اے خدا اگر واقع میں تو خدا ہے جیسا کہ

[1] اور عیسائیوں نے ایک رہبانیت نکال کھڑی کی جو ہماری طرف سے اُن پر فرض نہ تھی۔ رہبانیت سے اُن کی غرض خدا کی رضا جوئی تھی اور ایسی تو ان سے اس کا نباہ جیسا کہ چاہیے تھا نہ ہو سکا۔ پس جو ان میں ایماندار تھے اُن کو اجر ملا اور اکثر تو بدکار ہیں ۱۲ [2] علم بجائے خود بڑا پردہ ہے ۱۲

تمام اہل مذاہب تجکو مانتے ہیں تو مجکو اس ورطۂ حیرت سے نکال اور حق بات میرے دل میں ڈال ابھی پورے لفظ بھی اس کے مونہ سے نہیں نکلے تھے کہ برابر کے پلنگ پر سے صادقہ نے آواز دی کیا تم جاگتے ہو

صادق۔ ہاں جاگتا ہوں کیوں خیر ہے۔

صادقہ۔ میں نے ابھی ایک بڑا لمبا سا خواب دیکھا ہے جیسے تم کسی قیمتی کپڑے کی ایک نہایت سفید شیروانی پہنے ہو ایسی کہ میں نے آج تک ایسا سفید کپڑا دیکھا نہیں۔ جا بجا اس پر سیاہی گری ہوئی ہے اور تم داغوں کے چھڑانے کی فکر میں ہو اور تم کو ایک طرح کا رنج اور رنج کے ساتھ ناامیدی بھی ہے کہ ہائے کیسی عمدہ شیروانی تھی اب اس کے دھبے کیا چھوٹیں گے۔ تم نے بہتیرے جتن کیے اور جس نے جو تدبیر بتائی آزمائی دھبے پھیلتے اور پہلے سے زیادہ بدنما ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ تم نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چاہا کہ شیروانی کو اتار پھینکو اتنے میں تو ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ یہ دھبے مٹی سے چھوٹیں گے۔ مجکو اس کا طریقہ معلوم ہے میں تمہارے ہی ہاتھوں سے اسکو صاف کرادونگا اور شیروانی جیسی اصل میں تھی ویسی ہی نکل آئے گی گھبراؤ نہیں اس کے بعد تو سوتے ہی میں خود بخود خواب کی تعبیر میری سمجھ میں آئی کہ شیروانی تمہارا دل ہے اور سیاہی کے دھبے تمہارے مذہبی شکوک ہیں اور مٹی سے مراد ہے خاکساری۔ پھر کیا دیکھتی ہوں کہ جیسے تم میں اور ان بزرگ میں اسی طرح کی مذہبی بحث ہونے لگی جیسی تم لوگوں سے کیا کرتے ہو۔ جوں جوں بحث ہوتی جاتی ہے شیروانی کے دھبے ہیں کہ مٹتے اور کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب داغ دور ہو کر شیروانی اچھی خاصی اُجلی نکل آئی گویا اس پر سیاہی گری ہی نہ تھی۔ اور تم اس کو پہن کر بہت ہی خوش ہوئے ہو اور کہتے ہو کہ بس اب میں یہی پہنے رہونگا اور جو دیکھتا ہے شیروانی کی تعریف کرتا ہے کہ سبحان اللہ کیا کپڑا ہے اور دھوبی نے کیسا اچھا دھویا ہے وہ بحث جو تم میں اور ان بزرگ میں ہوئی مجکو لفظ بلفظ یاد ہے اور میرا قاعدہ ہے کہ چاہو سمجھوں نہیں مگر خواب کی بات مجھ کو بھولا نہیں کرتی۔ وہ بحث اتنی لمبی ہے کہ اب سے بیان کرنے بیٹھوں تو کئی دن میں ختم ہو مگر خواب میں تو یہ ماجرا جہاں تک میں خیال کرتی ہوں شروع سے آخر تک آدھ گھنٹے میں طے ہو ہوا گیا تھا صادق تو مذہب کے معاملے میں ... سنتے کے ساتھ اٹھ بیٹھا اور چاہا کہ اسی وقت سے اپنا زہر اُگل چلے اس پر صادقہ بولی کہ صبح صادق ہو چکی ہے میں نماز پڑھ لوں تم بھی ضرور توں سے فارغ ہو لو پھر اطمینان سے

یہ باتیں کریں اور یہ جھگڑے ایک وقت کے تو نہیں ہیں جتنی باتیں ہیں خواب ہی میں دیکھی ہیں کئی کئی ہفتوں میں جاکر ملے ہوں تو ہوں۔ صادقہ نے اپنی معمولی نماز پڑھی قرآن کی تلاوت کی اور خانہ داری کے متعلق جو کچھ کہنا سننا تھا کہا سنا۔ اور سید صادق ہیں کہ پہلے سے آکر جمے بیٹھے ہیں۔ بارے جب صادقہ سب باتوں سے فراغت پا چکی تو صادق سے مخاطب ہو کر بولی کہ خدا کے ہزاروں لاکھوں بھید ہیں جن میں آدمی کی عقل کچھ کام نہیں کرتی۔ اُن میں سے ایک بھید خواب ہے اور خاص کر میرا خواب کہ میں بچپن سے خواب دیکھتی ہوں جیسا کہ سب دیکھتے ہیں۔ میرے خوابوں میں تین باتیں بڑے اچنبھے کی ہیں۔ ایک تو میں نے آج تک جھوٹا خواب نہیں دیکھا آگے کی خبر نہیں۔ دوسرے جو خواب دیکھا اکثر تو خواب ہی میں اُس کی تعبیر بھی دکھائی دے گئی اور خواب میں دکھائی دی تو جاگتے ہی سمجھ میں آ گئی اور وہ اب تک غلط نہیں نکلی۔ آگے کی خبر نہیں۔ غرض مجکو اب تک کسی سے تعبیر پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ آگے کی خبر نہیں۔ تیسرے یوں سیکڑوں باتیں دیکھتی ہوں سنتی ہوں اور بھول بھی جاتی ہوں مگر خواب کی ایک بات بھی آج تک مجکو نہیں بھولی۔ آگے کی خبر نہیں۔ نہ صرف میں اپنے خوابوں کے معاملے میں حیران ہوں بلکہ جو سنتا ہے حیران ہوتا ہے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ اس کے سر پر کچھ ہے حالانکہ خوابوں کے سوا میں کوئی بات اپنے میں نہیں پاتی۔ اور تم نے بھی کوئی بات نہیں پائی ہوگی اور ان شاء اللہ پاؤ گے بھی نہیں۔ میں نے ہر چند چاہا کہ مجھے خواب نہ دکھائی دیا کریں بلکہ دعا بھی کی مگر خدا جانے کیا مصلحت ہے کہ خواب آئے بدون نہیں رہتے۔ بعض ان خوابوں کی وجہ سے مجکو بڑی مقدس سمجھتے ہیں اور جہاں تک میں خیال کرتی ہوں میں ایک معمولی طور کی عورت ہوں۔ ہاں نماز روزہ جیسا کچھ بن پڑتا ہے کرتی رہتی ہوں اور میں بہتیری عورتوں کو جانتی ہوں جو نماز روزے میں مجھ سے کہیں بڑھکر ہیں مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ بچپن سے مجکو جھوٹ سے پیٹھ پیچھے لوگوں کو برا کہنے سے چغلی سے لڑائی جھگڑے سے۔ غرض کسی کو کسی طرح ستانے ایذا پہنچانے سے دلی نفرت رہی میری اتنی عمر ہونے آئی میں نہیں سمجھتی کہ میں نے کسی کو ناراض کیا یا کسی کا دل دکھایا ہو۔ میں سچ کہتی ہوں کہ میں خدا سے زیادہ اس کے بندوں سے ڈرتی رہی اس واسطے کہ میں جانتی تھی کہ خدا بڑا بے نیاز اور غفور الرحیم ہے اگر میں اس کا کوئی قصور کروں گی تو اس سے معافی کی امید ہے۔ بندے محتاج اور اسی سبب سے دل کے تنگ ہیں اگر ان کا کوئی حق میری گردن پر رہ گیا تو مجھے اس کا بدلہ نہیں اتارا جائے گا۔ ماں باپ بھائی بہن رشتہ دار

پاس پڑوس جان پہچان میں اُمید کرتی ہوں ان میں سے کسی کو میرا شاکی نہیں پاؤ گے کیونکہ میں سب کو رضامند رکھنے کی کوشش میں لگی رہی ہوں۔ جب شادی بیاہ کا چرچا ہوا میں نے اچھی طرح جی میں ٹھان لیا کہ جس طرح ہو سکے تم کو راضی رکھنا اور بے تمہاری مرضی کے تنکا نہ توڑنا۔ بارہا مجکو شبہ ہوا کہ میں تم بندوں کے حقوق کو خدا کے حقوق پر مقدم رکھتی ہوں میری یہ بات کہیں خدا کو بُری نہ لگے بارے رات جو میں نے خواب دیکھا اور جو میں اب تم سے بیان کرنا چاہتی ہوں اُس سے دل کو پوری تسکین ہو گئی اور اب میں سمجھی کہ یہی اصل دین داری تھی۔ میں اُس پروردگار کے صدقے جاؤں جس نے اپنے فضل سے مجکو اس کی سمجھ دی۔ اب میرا خواب سُننا چاہو تو اُس کے دو رستے ہیں ایک تو یہ کہ جیسی جیسی باتیں تم میں اور ان بزرگ میں ہوئی ہیں میں اُن کو قلم بند کر دوں یا میں بولتی جاؤں اور تم لکھتے جاؤ۔ یا میں تمہارا پہلا سوال لکھ کر تمہارے حوالے کیے دیتی ہوں تم اس کو دیکھنا مت جب میں بیان کر دوں تو میرے لکھے ہوئے سے ملا لینا اگر مطابق پاؤ تو جاننا کہ سارا خواب سچا ہے اور جو کچھ میں کہتی ہوں اُن بزرگ سے سُنی ہوئی کہتی ہوں۔

صادق سارا خواب لکھنے میں تو بڑی دیر لگے گی مجھسے اتنا صبر نہیں ہو سکتا۔ اور پہلا سوال لکھنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ تمہاری نسبت ایسا شبہہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے دل سے بنا کر ایک بات بیان کرو گی اور جھوٹ موٹ لکھ دو گی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے اور اس بحث میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہوں گی جو میں جانتا ہوں کہ تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔ پس مطلق جواب سے تمہارے خواب کی تصدیق ہو جائے گی۔

صادقہ۔ لیکن یہ چاہو کہ میں اور باتوں کی طرح خواب کو دوہرا دوں تو یہ مجھسے نہیں ہو سکے گا چھوٹے چھوٹے خواب تو خیر۔ ایسے بڑے خواب جنکے بیان کرنے میں ہی لفظ نقل کرنے پڑتے ہیں جو میں نے خواب میں سُنے تھے ذرا مشکل سے ادا ہوتے ہیں۔ میرے دماغ پر ایک طرح کا بوجھ پڑتا ہے جس کی کیفیت میں بیان نہیں کر سکتی۔ اتنا بڑا نہیں مگر اسی طرح کا ایک خواب میں اپنے ماموں کے بیٹے دیکھ چکی ہوں اُن کا امتحان ہونے والا تھا اور بہت پریشان تھے مجکو خواب میں پہلے سے سوالات معلوم ہو گئے اور میں نے اُن کو وقت سے پہلے لکھ کر بھیج بھی دیئے تو بڑی مشکل سے لکھے گئے تھے پس مجھسے زبانی بھی کہلواؤ گے تو کئی دن لگیں گے اور میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ اِس دماغی بوجھ کی برداشت نہیں کر سکوں گی۔

صادق - یہ ہی تو زبانی بیان کرنے سے لکھنا ہی بہتر ہوگا کہ خواب کی تحریری یادداشت بھی رہے گی

صادقہ - ہاں میں بھی لکھنے ہی کو زیادہ پسند کرتی ہوں تم میرے پاس بیٹھے رہو اور میں تمھارے روبرو لکھتی جاؤں تم ساتھ کے ساتھ دیکھتے جاؤ۔ میرا لکھنا بیان کی جگہ ہوگا اور تمھارا دیکھنا سننے کی جگہ۔

صادق - یہ ٹھیک ہے اور اس کو سوال وجواب کے طور پر لکھو۔ یعنی جو کچھ میں نے کہا ہو سوال اور جو اُن بزرگ نے فرمایا ہو جواب۔

اس کے بعد صادقہ نے اپنا خواب قلمبند کرنا شروع کیا۔ وہ پہلے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کرکے اور بعض اوقات ماتھے پر ہاتھ رکھ کر یاد کرتی اور پھر اُس کو لکھتی۔

چودھویں فصل صادقہ کا مذہبی خواب خدا اور اُس کی وحدانیت اور صفات کا عقلی ثبوت

سوال - پہلے مجکو اس سے تو مطمئن کیجئے کہ خدا ہے۔

جواب - اطمینان کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اطمینان تو آدمی کو اپنی آنکھوں کے دیکھے کا ہوتا ہے ایک اطمینان دوسرے کے کہے کا ہوتا ہے ایک اطمینان عقلی گواہی کا ہوتا ہے کہ دیکھا نہیں سنا نہیں مگر دل ہے کہ آپ ہی آپ تسلیم کر لیتا ہے کہ ہاں یہ بات اسی طرح پر ہے۔ لوگ عید کے چاند میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہوا یا نہیں تو اس صورت میں اطمینان کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ مطلع صاف ہو اور ہم اپنی آنکھ سے واضح طور پر چاند دیکھ لیں یا ہم آپ نہ دیکھیں تو معتبر آدمی جنھوں نے واضح طور پر چاند دیکھا ہے گواہی دیں۔ یا مثلاً دنیا میں ہزاروں شہر ہیں جن کے دیکھنے کا ہمکو اتفاق نہیں ہوا مگر تاریخ اور جغرافیے کی کتابوں میں ان کا بیان نقشوں میں ان کا نام اور موقع لکھا ہوا موجود ہے اور بہت سے آدمی ان میں ہو بھی آئے ہیں تو ہم کو اطمینان ہے کہ ہاں یہ شہر اپنی جگہ روئے زمین پر ہیں۔ تو اس طرح کا اطمینان خدا کے بارے میں نہ کسی کو ہوا اور نہ کسی کو ہو۔ لیکن اطمینان کا تیسرا ذریعہ یعنی عقلی گواہی ابھی باقی ہے اور اکثر صورتوں میں اس سے بھی ویسا ہی اطمینان ہو جاتا ہے اور ہونا چاہیئے جیسا آنکھوں دیکھے سے مثلاً ایک گھڑی ہمارے سامنے پیش کی جائے تو اکثر ہم خیال نہیں کرتے لیکن کریں تو اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ آپ سے آپ نہیں بن گئی

بلکہ کسی کے بنائے سے بنی ہے۔ رہی یہ بات کہ کیوں ہمارے دل میں خیال بیٹھا ہوا ہے کہ کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ خدا نے ہمارے دل ایسے ہی بنائے ہیں جیسے آنکھ رنگ کو ڈول کو نزدیک و دور کو ناک بو کو زبان مزے کو۔ کان آواز کو۔ جلد بدن سرد و گرم کو سخت و نرم کو پہچانتی ایسے ہی عقل چیز سے بنانے والے کو پہچانتی۔ نہیں ہو سکتا کہ آنکھ صحیح و سلامت ہو اور آدمی چیزوں کا رنگ و روپ نہ پہچانے۔ اسی طرح ممکن نہیں کہ انسان معمولی عقل بھی رکھے اور اس کا منکر ہو کہ دنیا کے کارخانے کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے جس کو خدا کہتے ہیں ہمارے ظاہری حواس ایک حد تک کام دیتے ہیں اور اس حد سے بڑھ کر معطل آنکھ سینکڑوں کوس کی چیز نہیں دیکھتی۔ کان سینکڑوں کوس کی آواز نہیں سنتے۔ اسی طرح عقل کے کام دینے کی بھی ایک حد ہے ہم دنیا کے کارخانے کو دیکھ کر عقل کے ذریعے سے اتنا جانتے ہیں کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور ایک ہے عیب سے پاک نقصان سے منزہ قادر ہے علیم ہے حکیم ہے رحیم ہے یعنی جتنی عمدہ سے عمدہ صفتیں خیال میں آسکتی ہیں وہ ان سب سے متصف ہے۔ کیونکہ ان سب باتوں کا پتہ ہم کو اسی دنیا کے کارخانے سے ملتا ہے مثلاً اگر کئی خدا ہوں تو ایسی تو کیا بات ہے کہ ان میں کبھی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا اور اختلاف ہوا تو لڑائی ٹھیری ضرور ہے کہ ایک ہارا اور ایک جیتے تو جو ہارا وہ بیچارہ خدائی سے معزول۔ بندوں کی لڑائی نے دنیا کا کیا حال کر رکھا ہے اگر کئی خدا ہوں اور آپس میں لڑنے لگیں تو ان کی ٹکر کو کون سنبھالے۔ غرض دنیا کے کارخانے کا انتظام دلالت کر رہا ہے کہ یہ ایک ارادہ کا محکوم ہے اور یہی حال ہے خدا کی کل صفتوں کا بس عقل کے ذریعے سے ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ خدا ہونا چاہیے اور ایسا ہونا چاہیے اور وہ ہے اور ایسا ہی ہے اتنی ہی معرفت انسان کو ہو سکتی ہے اور اتنی ہی اس سے طلب کی جاتی ہے۔ انسان اس سے آگے قدم رکھنا چاہے تو وہ اس ارادے میں اس سے زیادہ کامیاب نہیں ہوگا جیسے وہ آنکھ سے پس دیوار دیکھنا چاہے یا سینکڑوں کوس کی چیز کو بے مدد دوربین دیکھنا چاہے۔ پہلی اور بڑی غلطی جو انسان سے ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ یا تو عقل سے بالکل کام لینا نہیں چاہتا یا چاہتا ہے تو اس کی بساط سے بڑھ کر کام لینا چاہتا ہے۔

سوال۔ تو کیا سارے آدمی جو خدا کے قائل ہیں ایک ہی درجے کی معرفت رکھتے ہیں۔

جواب۔ بے شک یقین یقین میں فرق ہے اب دیکھو کہ مثلاً موت ہی ایک چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی

دوسری یقینی چیز ہو نہیں سکتی لیکن لوگوں کا کیا حال ہے کہ اس تصور کو ذہن میں آنے ہی نہیں دیتے اور آزردہ نہ ہوتے تو دنیا کا یہ رنگ نہ ہوتا پس موت کے یقین کے معنی یہ ہیں کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی سب آدمیوں کا حال یکساں نہیں ہے۔ بعض شاید دن رات میں ایک لمحے کے لیے موت کا بھی خیال نہیں کرتے اور بعض کا شاید کوئی منٹ موت کے خیال سے خالی نہ ہو۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے گھر میں ایک سرداب کھدوا رکھا تھا سلطنت کے مشاغل سے فارغ ہو کر بالالتزام ہر روز کچھ دیر کے لیے موت کا خیال تازہ رکھنے کی غرض سے سرداب میں جا کر لیٹتے۔ زیارت قبور کی بھی اصل غرض یہی ہے کہ قبروں کو دیکھ کر آدمی موت کو یاد کرے اور سمجھے کہ ایک نہ ایک دن میری بھی یہی نوبت ہونی ہے۔ لیکن آدمی ایسا بے حیا ہے کہ عبرت کی جگہ بزرگوں کے مزاروں پر میلوں کے جمگھٹے ہوتے ہیں یا خدائے حی و قیوم کی بعوض عاجز مردوں کی پرستش کی جاتی۔ قبریں تو قبریں ہیں لوگوں کے جنازے کے ساتھ دیکھا ہے کہ کچھ تو سچ میں ہیں اس واسطے کہ میت مر جانے سے انکی کچھ غرضیں فوت ہوئی ہیں کچھ تقسیم ترکہ اور مراسم غمی کی سوچ میں ہیں کچھ لاہنا اتارنے کے لیے ساتھ ہو لیے ہیں کہ کل کلاں کو کوئی یہ نہ کہہ بیٹھے کہ اتنا قریب کا رشتہ ایسی محبت ملاقات چار قدم میت کو کندھا لگاتے یا مٹی دیتے نہ بن پڑا کیا مضایقہ جینا مرنا سبھی کے ساتھ ہے میت کے ساتھ بھیڑ بھڑکا تو بہتیرا کچھ ہے مگر دلوں کو ٹٹولو تو کسی ایک کو بھی اس کا خیال نہیں کہ یہ ہوا تو کیا ہوا کہ ہم ہی جیسا ایک آدمی سب کچھ تھا یا ایک پھونک نکل گئی تو کچھ نہ تھا اور یہی منزل ہم سب کو درپیش ہے نہیں معلوم کس وقت بلاوا آئے اور یہ سارا ڈھونڈا دھرا کا دھرا رہ جائے۔ بعینہٖ یہی حال ہے خدا کی معرفت کا۔ کہ اس سے انکار تو نہیں ہو سکتا کیونکہ انسان کی بناوٹ ہی اس قسم کی واقع ہوئی کہ خدا کو مانے بدون اس کو چارہ ہی نہیں مگر بعض تو ایسا مانا مانتے ہیں کہ گویا خدا کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور بعض اس حد سے نہیں بڑھتے کہ انکار کرتے نہیں بن پڑتا اور ان دونوں حدوں کے درمیان بے شمار مدارج ہیں کوئی ہمہ وقت مستغرق کوئی اس سے کم کوئی اس سے بھی کم یہاں تک کہ کوئی بالکل بے خبر

سوال۔ خدا کے ماننے سے اس کا نہ ماننا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جب ہم کو ایسا خدا ماننا پڑتا ہے جو آپ سے آپ موجود ہو گیا ہے تو کیوں نہ ہم دنیا ہی کو مان لیں کہ وہ آپ سے آپ موجود ہو گئی ہے۔

جواب۔ یہ اعتراض ہے انسان کے دل کی بناوٹ پر کہ کیوں دنیا کے آپ سے آپ موجود ہو جانے کو قبول

نہیں کرتا اور کیوں خدا کے ماننے سے اس کی تسکین ہو جاتی ہے۔

سوال۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرد بشر خدا سے منکر نہیں اور منکر ہو نہیں سکتا پھر مشرک اور بت پرست اور دہریئے یہ کیا ہیں۔

جواب۔ بے شک۔ جس طرح کوئی آدمی جانور نہیں ہو سکتا درخت نہیں ہو سکتا پتھر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کوئی آدمی خدا سے منکر بھی نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہونا اور خدا کا قائل ہونا لازم و ملزوم ہیں جب تک آدمی آدمی ہے وہ خدا کا بھی ضرور قائل ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ آدمی ہو اور خدا کا قائل نہ ہو۔ تم مشرکوں کو منکر خدا سمجھتے ہو۔ ہم لوگ تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں اور مشرک کئی خدا کے قائل ہیں تو اُن کو منکر خدا کیوں کر کہا جا سکتا ہے بات یہ ہے کہ لوگ خدا کا مصداق قرار دیتے ہیں اور اُس کی صفات میں غلطیاں کرتے ہیں۔ چاہیئے خدا سمجھنا کسی کو اور سمجھ لیتے ہیں کسی کو چاہیئے سمجھنا کیسا اور سمجھ لیتے ہیں کیسا اور اسی وجہ سے وہ منکرِ خدا سمجھے جاتے ہیں۔ اور ایک اعتبار سے الزام ہے بھی واجبی۔

سوال۔ آپ کو معلوم نہیں ہزاروں آدمی ہیں جو سرے سے خدا ہی کے قائل نہیں۔

جواب۔ مجھکو معلوم نہ ہو مگر جتنے لوگوں کو منکر خدا خیال کیا جاتا ہے اُن میں سچ مچ ایک بھی مشکل سے منکر خدا نکلے گا اُن میں بہت سے ایسے لوگوں کو گن لیا جاتا ہے جو سرے سے اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے وہ کھانے پیتے سوتے ہنستے اور جانوروں کی طرح اپنی زندگی کے دن بسر کر دیتے ہیں۔ اُن میں بہت سے ایسے لوگوں کو گن لیا جاتا ہے جو اس سبب سے کہ انھوں نے اچھی طرح غور نہیں کیا خدا کے بارے میں طرح طرح کی غلطیاں کرتے ہیں۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ لوگ خدا کے حلم کی وجہ سے بھی گمراہی اور سرکشی کرتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص معاذ اللہ منکر خدا ہو یا اُس کی جناب میں گستاخی کرے یا اُس کا حکم نہ مانے تو دنیا میں اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا نہ اُس پر بجلی گرتی نہ وہ ہیضہ کرکے مرتا نہ اُس کے گھر میں آگ لگتی اس سے اور بھی مغالطہ واقع ہو جاتا ہے اور کوئی نالائق خدا کے ساتھ کھیل کرنے لگتے ہیں لیکن یہ اُن کا خدع نفس ہے۔ جب اُن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو خدا کے آگے گڑگڑانے لگتے اور اصلی فطرت کھل جاتی ہے فرعون پر کیا گزری تھی کہ وہ دنیاوی خوشحالی کے غرے میں آ کر موسیٰ علیہ السلام کی ضد اپنے تئیں خدا کہتا رہا جب لگا ڈوبنے اور اپنی درماندگی کا یقین [illegible]

ہوئی تو چاہو نا چاہو اُس کو خدا کا اقرار کرنا پڑا۔ اور بول اُٹھا[۱] آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین اور ایک فرعون پر کیا موقوف ہے۔ ہر شخص بجائے خود فرعون ہے اگر سوچے اور سمجھے چنانچہ انسان کی طبیعت کو خدا سے بہتر کون جان سکتا ہے تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ وہ انسان کے بارے میں فرماتا ہے اور یہی مضمون دوسرے لفظوں میں کئی جگہ قرآن میں آیا ہے۔ حتیٰ[۲] اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم بریح طیبۃ وفرحوا بھا جاءتھا ریح عاصف وجاءھم الموج من کل مکان و ظنوا انھم احیط بھم دعوا اللہ مخلصین لہ الدین لئن انجیتنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین فلما انجاھم اذا ھم یبغون فی الارض بغیر الحق یا ایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم متاع الحیوۃ الدنیا ثم الینا مرجعکم فننبئکم بما کنتم تعملون

سنتے ہیں کہ جو مجرم بڑے چالاک اور سیانے ہوتے ہیں اُن کو شراب پلا دیتے ہیں کہ عقل فسادپرست اُن کا اختیار اُٹھ جائے اور وہ نشے کی حالت میں سارا اپنا حال ظاہر کر دیا کرتے ہیں۔ تو جو شخص خدا سے انکار کرنے کا مجرم ہو اس کی شراب ہے مصیبت کہ جب مصیبت پڑے گی اور اُس کو اپنا عجز معلوم ہوگا ممکن نہیں کہ وہ اقرار نہ کرنے لگے۔ اور یہ شراب کسی کو زندگی میں نہ پلائی گئی تو مرتے وقت ضرور پلائی جائے گی وجاءت سکرۃ الموت بالحق تو ایسا انکار کیا سند ہو سکتا ہے مصیبت پڑے اور خدا یاد نہ آئے تو جانیں۔ اور یہی تو حکمت ہے کہ بزرگانِ دین نے تکلیف اور ایذا اور تنگ حالی میں رہنے کو پسند کیا ہے کہ اس سے بہتر کوئی تازیانہ غفلت ہو نہیں سکتا۔ آدمی ہو اور خدا سے منکر ہو ایسا ہے جیسے پتھر ہو اور اوپر سے گرایا جائے اور زمین پر نہ گرے

سوال۔ اگر آدمی منکر خدا ہو نہیں سکتا تو پھر شرک اور بت پرستی پر اتنا شور و شغب کیوں اور اس قدر رنجش و غضب کس لیے۔

جواب۔ بس یہی بی اے پاس کیا ہے۔ یہ لکھ کر صادقہ جھینپی۔ مگر سید صادق نے کہا میں جانتا ہوں

[۱] اب مجھکو بھی یقین ہو گیا کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں وہی خدا ہے اور اب میں بھی اسی کو مانتا ہوں ۱۲ [۲] یہاں تک کہ جب تم ناؤ میں ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو باد موافق کے ساتھ لے کر روانہ ہوتی ہیں۔ اور لوگ خوش ہوتے ہیں یکایک ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے اور ہر طرف سے لہریں آنے لگتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ اب تو گھر گئے تو خدا سے بڑے خلوص کے ساتھ دعائیں مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو ہمکو اس بلا سے نجات دے تو ہم تیرا بڑا احسان مانیں۔ پھر جب خدا ان کو نجات دیدیتا ہے تو خشکی میں پہنچ کر ناحق ناروا بغاوت کرنے لگتے ہیں۔ لوگو یہ بغاوت تمہارے ہی حق میں مضر ہے۔ دنیا کی زندگی میں اس سے فائدہ اُٹھا لو۔ پھر آخر کار تم کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اُس وقت ہم تم کو بتا دیں گے کہ تم دنیا میں کیا کرتوت کرتے رہے ہو ۱۲

کہ یہ تم نہیں کہہ رہیں بلکہ دوسرے کے کہنے کی نقل کر رہی ہو بے شک بے تامل وہی لفظ لکھو جو اُن کے مونہہ سے نکلے اور جب میں بر سر غلط ہوؤں تو اُن بزرگ کو یہ اور اس سے زیادہ کہنے کا حق ہے تو صادقہ ذری کی ذری رُک کر لکھ چلی) میں کہہ چکا ہوں کہ میں بُت پرستوں اور مشرکوں کو منکر خدا نہیں سمجھتا - اس عقیدے کے لوگ خدا کو تو مانتے ہیں مگر خدائی کے مصداق کی تعیین میں غلطی کرتے ہیں -

سوال - اچھا پھر اس میں خدا کا کیا حرج ہے -

جواب - خدا کا تو ذاتی کچھ بھی حرج نہیں - اگر ساری دُنیا اُس سے منحرف ہو بیٹھے اور اُس کی خدائی کی قائل نہ ہو تو بھی وہ خدا ہے اور تو بھی وہ دنیا جہان کا خالق ہے - اور تو بھی وہ دنیا جہان کا پروردگار ہے اور تو بھی وہ علیم ہے اور تو بھی وہ قادر ہے - مثلاً روز روشن میں آفتاب پڑا چمک رہا ہے اگر ساری دنیا آفتاب سے آنکھیں موند لے اور کہے کہ آفتاب نہیں اور یہ روشنی آپ سے آپ ہو رہی ہے یا آفتاب کے سوائے کسی اور چیز کی ہے تاہم آفتاب آفتاب ہے - مگر ہاں ہم جو چیز بناتے ہیں ہر ایک چیز کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہوتی ہے - مکان بناتے ہیں رہنے کے لیے کپڑا بناتے ہیں ستر عورت اور سردی گرمی سے بچنے کے لیے - اسی طرح خدا نے جو ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات دنیا میں پیدا کی ہر ایک مخلوق کے پیدا کرنے کی کوئی غرض و غایت ضرور ہے بعض مخلوقات کی بعض اغراض کو انسان سمجھتا بھی ہے اور اکثر کو نہیں سمجھتا شاید آگے کو سمجھے یا نہ سمجھے اور دُنیا جو ترقی کر رہی ہے نئے نئے علوم ایجاد ہوتے چلے جاتے ہیں نئے نئے فنون نئی نئی کلیں نئی نئی صنعتیں اسکے معنی بھی یہی ہیں کہ آدمی مخلوقات عالم کی اغراض و غایات سے واقفیت پیدا کرتا چلا جا رہا ہے معلوم نہیں خدا کو کس حد تک انسان کا واقف کرنا منظور ہے - انسان نے سٹیم (بھاپ) اور الکٹرسٹی (قوت برقی) اور چیزوں کے کیمیائی خواص اور کیا اور کیا معلوم کر کے اپنے کتنے کام نکالے ہیں - اور کیا سب آدمی ہم مسلمانوں کی طرح جاہل و بدنصیب ہیں اہل یورپ کو دیکھو کہ ہم کو اُن کے مقابلے میں اپنے تئیں جانور کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیا کچھ کر گزرے اور کیا کچھ کر رہے ہیں اور کیا کچھ آگے کو نہ کریں گے - تو خدا نے جو انسان کو ایک خاص طرح کا مخلوق بنایا ہے اس کو عقل دی اس عقل کی بھی غرض و غایت ہونی ضرور ہے اور وہ نہیں ہے مگر علم یعنی اپنے تئیں جاننا اور اپنے سوا اور چیزوں کو جاننا کیوں کہ اگر وہ جانے گا نہیں دنیا میں اپنے اختیارات کیوں کر عمل میں لائے گا دنیا کی چیزوں میں تصرفات

اشرف المخلوقات کس طرح بنے گا خلافتِ الٰہی کا بار کس بوتے پر اُٹھائے گا۔ پس علم انسانی کی ابجد یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں جانے اور اپنے تئیں جانا تو خدا کو جانا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ تو جس مصلحت سے خدا نے انسان کو پیدا کیا جس مصلحت سے اُس کو عقل دی اُسی مصلحت سے خدا یہ بھی چاہتا ہے کہ انسان اپنے تئیں جانے اور اپنے تئیں جانے گا تو خدا کو جانے گا پر جانے گا اگر انسان کے پیدا کرنے سے خدا کا کچھ حرج تھا تو انسان کے اپنے تئیں نہ جاننے یعنی خدا کو نہ جاننے سے بھی اُس کا حرج ہو تو اس میں قباحت کیا ہے۔ خدا کو جاننا شرطِ انسانیت ہے اگر انسان نے اتنی موٹی بات بھی نہ جانی کہ میں اپنے ارادے سے پیدا نہیں ہو گیا اپنے ارادے سے زندہ نہیں ہوں اپنے ارادے سے مروں گا نہیں۔ میرے کیے سے دنیا چل نہیں رہی تو اُس نے جانا ہی کیا اور وہ جانے ہی گا کیا یعنی خدا نے اِس کو بنایا انسان اور اِس نے بننا چاہا جانور اور جانوروں میں سے گدھا اور گدھے سے بھی بدتر۔ غرض جس طرح خدا نے انسان کو انسان بنایا اُس کو آنکھ دی کہ دیکھے کان دیئے کہ سُنے ناک دی کہ سونگھے زبان دی کہ مزہ لے بولے۔ اِسی طرح خدا نے انسان کو عقل دی کہ اُس سے کام لے اور عقل کا پہلا کام ہے کہ خدا کو پہچانے پس اگر خدا انسان سے چاہتا ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے تو وہ حقیقت میں اپنے حکم کی تعمیل چاہتا ہے کہ میں نے اس کو انسان بنایا ہے یہ انسان بنے۔ مسئلہ ہے ذرا نازک بہت غور کرنے سے ذہن نشین ہوتا ہے۔ تین باتیں ہیں خدا کو نہ ماننا۔ خدا سے غافل ہونا۔ خدا کے مصداق کی تعیین میں غلطی کرنا میرے نزدیک پہلی قسم بحث سے خارج ہے۔ یعنی ممکن نہیں کہ آدمی خدا کا قائل نہ ہو جیسے ممکن نہیں کہ آنکھ صحیح وسالم ہو اور نہ دیکھے کان صحیح وسالم ہوں اور نہ سُنے۔ ہاں دوسری دو قسمیں کثیر الوقوع ہیں یعنی لوگ اکثر خدا سے غافل ہیں اور مصداق خدا کی تعیین میں غلطی کرتے ہیں بلکہ مصداق خدائی کی تعیین میں غلطی کرنا یہ بھی ایک طرح کی غفلت ہی ہے۔ ذرا بھی تامل کو کام میں لاؤ تو اس غلطی کی اصلاح ہو جاتی ہے اور دل بولنے لگتا ہے کہ یہ عناصر یہ اجرام فلکی یہ فرشتے یہ پیغمبر یہ بزرگانِ دین یہ قبریں یہ بت یعنی خدا کے سوائے جتنی چیزیں ہیں ان میں سے کسی کو خدا بننے کی صلاحیت نہیں۔ اس کو دین کہو تو فطرت اللہ کہو تو انسان کی خاص طور کی بناوٹ سمجھو تو بات ایک ہی ہے۔ وہ جو تنکے کی اوجھل پہاڑ سُنا ہو بس وہی حال دین کا ہے لوگوں نے بات کا بتنگڑ بنا رکھا ہے۔ ہے ہوا کے کچھ بھی نہیں۔ اگر دو اور دو کا چار ماننا چار تسلیم کرنا چار سمجھنا انسان

کے لیے کوئی تعریف کی بات ہو تو بے شک اس کا خدا کو ماننا خدا کو تسلیم کرنا خدا کو پہچاننا بھی تعریف کی بات ہونی چاہیئے خدا کو ماننا تسلیم کرنا پہچاننا تو تعریف کی بات نہیں ہاں نہ ماننا نہ تسلیم کرنا نہ پہچاننا یعنی بداہت کا انکار البتہ الزام کی بات ہو۔ غرض آدمی منکر خدا تو ہو نہیں سکتا مگر یہ کہ وہ دیوانہ اور مسلوب العقل ہو اور دیوانہ و مسلوب العقل ہوا تو وہ بیچارہ معذور و مرفوع القلم ہے۔ ہاں انسان سے خدا کے بارے میں غفلت ہو سکتی خدائی کے مصداق کی تعیین میں غلطی ہو سکتی اور ہو سکتی کیا کثرت سے ہوتی ہے۔ اور اسی غفلت کے دفعیے اور اسی غلطی کی اصلاح کے لیے پیغمبروں کے آنے کی ضرورت تھی اور وقتاً فوقتاً پیغمبر آتے رہے

سوال۔ اگر یہی دین ہے تو کچھ بھی نہیں۔

جواب۔ دین یہی ہے اور یہی بہت کچھ ہے اور یہی سب کچھ ہے

سوال۔ ہر ملک اور ہر زبان کے کتب خانوں میں دینی کتابوں کے انبار کے انبار لگے پڑے ہیں تو آپ کے نزدیک یہ سب فضول ہے اور اختلاف دین نے جو دنیا میں ایک فساد برپا کر رکھا ہے کہ آدمی آدمی کو کھائے جاتا ہے۔ یہ سب بے اصل محض ہے۔

صادقہ کا مذہبی جواب عقل انسان کی نارسائی

جواب۔ سنو صاحب اس طرح کی پریشان گفتگو سے کچھ ہونا ہوانا نہیں پہلے ہمارے آپ کے درمیان دو باتوں کا قرار داد ہو جائے۔ اول یہ کہ انسان کی عقل اور اسکے علم کو آپ محدود سمجھتے ہیں یا نہیں

سوال۔ ذرا اس کی تصریح کیجیے۔

جواب۔ میرا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو انسان کو علم دیا ہے اور علم حاصل کرنے کے لیے اس کو عقل عطا فرمائی ہے یا یوں بھی نہ سہی کہ خدا نے دیا ہے اور خدا نے عطا فرمائی ہے بلکہ انسان جو عقل رکھتا ہے کیا وہ اس درجے کی قوت ہے کہ ہر ایک بات کی اور ہر ایک چیز کی کنہ کو دریافت کر سکتی اور اس کا علم جامع اور شامل اور کامل ہے اور کوئی چیز کوئی واقعہ انسانی عقل کی گرفت سے خارج نہیں۔

سوال۔ چونکہ زمانہ روز بروز ترقی کرتا اور نئے نئے علوم نئے نئے فنون ایجاد ہوتے چلے جاتے ہیں عقل انسان کے لیے کسی حد کا قرار دینا مشکل ہے۔

جواب - یہ تو عین دلیل عقل انسان کے قصور کی ہے اور کم سے کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ کارخانۂ قدرت الٰہی کے اسرار کی کچھ انتہا نہیں اور باوجودیکہ ابتدائے آفرینش سے انسان اس کی ٹوہ میں لگا ہے اور اس نے کچھ کسی قدر دریافت بھی کیا ہے۔ لیکن خزانۂ اسرار کی معموری پر نظر کرتے گویا کچھ بھی دریافت نہیں کیا۔ سر اسحاق نیوٹن نے کے نام سے صادق ذرا چونکتا سا ہوا) بالکل ٹھیک کہا تھا کہ گو میں نے کشش کا مسئلہ دریافت کیا جس نے سائنس کی کایا پلٹ دی مگر کارخانۂ قدرت کے آگے میری مثال اس ناسمجھ بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا سیپیاں سمیٹ رہا ہے اور اپنے جی میں خوش ہے کہ سمندر کی غرض و غایت کو جیسا میں نے سمجھا کسی نے نہیں سمجھا۔ اور جب ہزاروں برس کے سفر کے بعد ابھی منزل کی ابتدا ہے تو انجام معلوم ؎ دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ٭ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم ٭ انسان کارخانۂ قدرت کے اسرار تو کیا جانے گا وہ اتنا تو جان سکا ہی نہیں کہ خود اس کی روح کیا چیز ہے اور جسم سے کس طرح کا تعلق رکھتی ہے یہ ہیں معنی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کے اب سمجھے۔

سوال - سمجھا اور خوب سمجھا۔

جواب - اس وقت موت سے اقرار کر لینے کی سند نہیں ہے۔ اس کو اپنی جگہ خوب سوچنا اور جب عقل انسانی کا عجز و قصور اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا تو دین کی ساری باتیں دل میں بیٹھتی چلی جائیں گی دنیا میں بڑی گمراہی اسی عقل کی وجہ سے ہے۔ ہر بات میں انسان عقل کو دخل دیتا اور اس سے وہ کام لینا چاہتا جو اس کے بوتے کا نہیں۔ میں بتاؤں دین کے لئے کتنی اور کیسی عقل درکار ہے۔

سوال - واہ واہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔

جواب - حدیث شریف میں دین العجائز والکتاب کی مدح آئی یعنی دین ہے بڑھیوں کا اور مکتب کے پڑھنے والے بچوں کا۔ جن کے دل سیدھے سادے اور بھولے بھالے ہوتے ہیں۔ دین کے تخم کو ایسی ہی زمین درکار ہے بیج ادھر پڑا اور ادھر پھولنا پھلنا شروع ہوا ہماری طرح نہیں بات بات میں شک بات بات میں میکھ بات بات میں اگر مگر طبیعت میں دوا کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو دوا بیچاری کیا خاک اور اثر دکھاتی ہے اچھا صاحب لیکن کچھ کوتے نے سیان بہتے فائدہ حاصل کر لیا ہوگا کچھ ہم آنی ساری ہوشیاری سے کر لیں گے کیا خوب کہا ہے

سے نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن + کہ جاہا سپر باید انداختن ؛ غرض ایک تو دین کے بارے میں عقل سے ذرا سوچ سمجھ کر کام لیا جائے عقل انسانی پر اتنا بھروسا بھی ٹھیک نہیں کہ جو بات سمجھ میں نہ آئی لگے اس کو جھٹلانے - بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ کہیں تو آدمی اپنے اندازے کی حد میں رہ کر سمجھا کرے کہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا کیا آدمی اور کیا آدمی کی عقل -

صادقہ کا مذہبی خواب - انسان کی بے حقیقتی

دوسری بات جو مجکو تم سے کہنی ہی تو وہ بھی اسی کے لگ بھگ بلکہ ایک اعتبار سے اسی میں داخل مگر چونکہ مجکو اس پر زیادہ زور دینا منظور ہی میں اس کو الگ کر کے تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں رجب صادقہ مردوں کی طرح کھری بولی بولتی تھی تب بے اختیار جھجک جھجک جاتی تھی اور اس کا جھجکنا تھا بھی جائے سر) وہ کیا ہی ایاز قدر خود بشناس -

سوال - یہ کیا -

جواب - میں اپنے مطلب کو دوسروں لفظوں میں ظاہر کروں سے

کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن	در زمینِ دیگراں خانہ مکن

سوال - میں تو اب بھی نہیں سمجھا -

جواب - اس کا یہ مطلب ہی کہ آدمی گو اشرف المخلوقات ہی سب سے بڑھ کر تو خدا نے اس کو عقل دی ہی جسکے بل پر وہ دنیا میں حکمرانی کرتا اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہ ایک مہمان عزیز ہی اور دنیا کا گھر اسی کی آسائش کے لیے سجایا گیا ہی سے جو خانۂ ہستی میں ہی انسان کے لیے ہی + آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیے ہی ؛ یہ مخدوم ہی اور ہوا اور پانی اور حیوانات اور نباتات غرض دنیا اور جو چیز دنیا میں ہی سب اس کی خادم اس کی ساخت اس کی صورت دلالت کرتی ہی کہ یہ آمر ہی اور دوسری مخلوقات مامور - یہ روے زمین کا بادشاہ ہی اور دوسری مخلوقات اس کی رعایا - دیکھتے نہیں کہ دوسرے کر جانور سرنگوں رہتے ہیں اور یہ سر بلند - یہ سب کچھ ہی مگر پھر بھی عاجز و ناتواں ہی حکومت ہی مگر گئے دن کی - وہی مثل ہی - دو دن کی کوتوالی اور پھر وہی کھرپا اور جالی سارا کھیل ہوا کا ہی پھونک نکلی اور وہی مٹی کی مٹی - وقت کے انرلی ابدی

ہونے کو دیکھو اور پھر انسان کی ہستی پر نظر کرو تو اس کی ہستی محض نمود بے بود معلوم ہوتی ہے قطعہ

ایسی ہستی عدم میں داخل ہے
نے جوان ہم نہ طفلِ شیر ہوئے

ایک دم تھی نمود بود اپنی
یا سفیدی کی یا اخیر ہوئے

یعنی مانندِ صبح دنیا میں
ہم جو پیدا ہوئے تو پیر ہوئے

اور پھر مختصر ہو تو خیر مختصر ہونے کے ساتھ بے ثبات غیر یقینی اور انسان کے اختیار سے خارج یہ ہے وہ ہستی جس پر ہم لوگ پھولے اور پھولے پھرتے ہیں بات تو یہ ایسی صاف ہے کوئی احمق سے احمق اور ہٹ دھرم سے ہٹ دھرم بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ مگر صرف انکار نہ کرنے سے کام نہیں چلتا۔ اس خیال کو سوچ سمجھ کر ایسا راسخ کرنا چاہیئے کہ ہمہ وقت نہیں تو اکثر اوقات پیش نظر رہے۔ دنیا کے واقعات اپنے طور پر ہوتے رہتے ہیں ہم مانیں یا نہ مانیں تسلیم کریں یا نہ کریں سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ جتنا غور کروگے اپنا درماندہ اور بے حقیقت اور ناچیز ہونا تم پر کھلتا چلا جائے گا واقعاتِ نفس الامری کے تسلیم کرنے کے سوائے دین ہم سے کچھ اور نہیں چاہتا۔ دین کا لُبّ لباب یہ ہے کہ سمجھو آدمی بنایا گیا ہے اور ہم آدمی بن کر دنیا میں رہیں۔

سوال۔ آپ تو کچھ اس طرح کی تقریر کرتے ہیں کہ میرے شکوک اور اعتراضات کے پہلو ہی پر نہیں آنا چاہتے

جواب۔ میں تمہارے شکوک و اعتراضات کے پہلو پر نہیں آنا چاہتا یا تم شک و اعتراض کی گنجایش نہیں پاتے بھلا اس وقت تک جو کچھ میں نے کہا اس میں سے کوئی بات تمکو تسلیم نہ ہو تو بیان کرو کہ میں تمہارا شک رفع کروں۔

صادقہ کا مذہبی خواب۔ دینی خیالات کا سلسلہ

سوال۔ میں تو یوں جاننا چاہتا ہوں کہ دین ہے کیا چیز۔

جواب۔ اگرچہ میں اس کا جواب دے چکا ہوں مگر خیر پھر سہی۔ انسان کا جہاں تک اس کی عقل کی رسائی ہے اپنی حقیقت کو جاننا اسی کا نام دین ہے۔

سوال۔ اور اگر نہ جانے۔

جواب۔ نہ جانے کیا۔ یعنی اس میں جاننے کی صلاحیت نہ ہو یا صلاحیت ہو اور جاننا نہ چاہے اگر جاننے کی صلاحیت ہی نہیں تو وہ بیچارہ مرفوع القلم ہے اور اس سے بحث نہیں۔ اور اگر جاننے کی صلاحیت ہو

اور جانتا نہیں چاہتا تو اسکی مثال ایسی ہے کہ آنکھیں ہیں اور دیکھنا نہیں چاہتا مگر اُس کے نہ دیکھنے سے دنیا تو تاریک نہیں ہو جاتی۔ اور اسی لیے پیغمبر بھیجے گئے ہیں کہ جن کو آنکھیں دی گئی ہیں پیغمبر اُن کو دکھا دیں اور وہ دیکھیں

سوال۔ یہ تو اچھا دین ہے جس میں خدا رسول کا نام تک نہیں۔

جواب۔ یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ جب آدمی نے اپنی حقیقت کو جانا اُس نے خدا اور رسول اور خدا رسول کے احکام اور شریعت اور عاقبت غرض دین کی سب باتوں کو جانا من عرف نفسه فقد عرف ربه کے یہی تو معنی ہیں اپنی حقیقت کو جاننا دین کا ایسا جامع خلاصہ ہے کہ اس سے جامع تر کوئی خلاصہ ہو نہیں سکتا اور باقی جو کچھ کتابوں میں اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اور لوگوں کے مونہوں میں ہے سب اسی خلاصہ کی تفصیل ہے۔

سوال۔ میں نہیں سمجھتا کہ خود شناسی کو خدا شناسی اور دین داری سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

جواب۔ خدا شناسی اور دینداری ضروری نتیجہ ہے خود شناسی کا۔

سوال۔ یہ کیوں کر۔

جواب۔ ہاں یہ اس طرح ہے کہ آدمی اپنے تئیں جانے گا تو وہ اپنے میں اور دوسری مخلوقات میں فرق بھی کرے گا۔ وہ دیکھے گا کہ دنیا میں ادنیٰ درجے کی مخلوقات جمادات ہیں جہاں پڑے ہیں پڑے ہیں اُن میں بالیدگی ہے نہ حرکت ہے نہ کسی طرح کا احساس ہے اور نہ اپنا مثل اپنا قائم مقام پیدا کرنے کی صلاحیت۔ اُن سے اونچے درجے پر نباتات ہیں کہ وہ از خود ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہیں تو نہیں جا سکتے مگر اُن میں نمو ہے اپنا مثل پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اور احساس بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں بھی کسی قسم کی جان ہے۔ اُن سے اوپر چلو تو حیوانات ہیں کہ نمو اور اپنا مثل پیدا کرنے کی صلاحیت کے علاوہ اپنے ارادے سے چلتے پھرتے۔ اُن کا احساس بھی نباتات کے احساس سے اعلیٰ درجے کا ہے یہاں تک کہ اُن کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں بھی ایک طرح کی عقل ہے۔ سب سے اول اور افضل درجہ حضرت انسان کا ہے۔ جسمانی بناوٹ پر نظر کرو تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں کہ زور میں توانائی میں چستی میں چالاکی میں بلکہ احساس میں بھی۔ مگر ایک عقل پا گئے ہیں جس نے تمام روئے زمین پر اپنا سکہ بٹھا رکھا ہے۔ اب میں یہ پوچھتا ہوں یہاں لفظ پر صادق ذرا کی ذرا غور کی کہ جتنی مخلوقات ہم دیکھتے اور جانتے ہیں ان میں کوئی خدا ہوتا تو کون ہوتا۔

سوال - خدا ہوتا ہی کیوں -

جواب - تم تو لگے پھر ساری بحث کو دوہرانے -

سوال - ہاں میں دوہراتا ہوں اس غرض سے کہ ہر پہلو سے سمجھ لوں -

جواب - یہ بہت منطقی احتمالات نکالنے کی جگہ نہیں ہے سمجھنا چاہو تو سیدھی سی بات ہے نہیں معلوم کہ خدا ہی یا نہیں ابھی اس کو رہنے دو یہ دنیا تو ہے اور ہم بھی ہیں آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے اور عقل ہے جس سے سمجھتے ہیں اس سے کہ دنیا آپ سے آپ بن گئی ہو ہمارا دل نہیں ٹھکتا اور خواہی نخواہی عقل تقاضا کرتی ہے کہ اس عظیم الشان کارخانے کا بنانے والا کوئی نہ کوئی تو ہے اور ہے تو اسی کارخانے کا انتظام [illegible] علیم ہے قدیر ہے حکیم ہے یعنی مستجمع تمام صفاتِ کمال ہے۔ لیکن جن چیزوں کو ہم دیکھتے اور جانتے ہیں اُن میں سے اگر ایسا کوئی ہوتا تو ہم سے کبھی نہ چھپتا لیکن ہم کو اپنی حقیقت تو معلوم ہے کہ باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے عاجز و بے اختیار ہیں پس چار و ناچار ماننا پڑتا ہے کہ خلاقِ عالم ایک ہستی ہے جس کو نہ ہم آنکھ سے دیکھ سکتے اور نہ اس کی حقیقت کو بذریعہ عقل دریافت کر سکتے بس خداشناسی کے بارے میں انسان کی پرواز یہیں تک ہے۔ اس سے زیادہ نہ اس نے جانا اور نہ اس زندگی میں اس سے زیادہ جان سکتا ہے اور اس سے زیادہ جاننے کی کوشش کرنا سعی لاحاصل بلکہ ممنوع ہے۔ چنانچہ خدا نے قرآن میں صاف صاف فرمایا ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم جس چیز کا علم تم کو نہیں دیا گیا یعنی جس چیز کے جاننے اور معلوم کرنے کی تم کو صلاحیت ہی نہیں دی گئی اس کے پیچھے نہ پڑا کرو اور سمجھ لو کہ وہ چیز تمہارے بس کی نہیں تو اس کے پیچھے پڑنا ناحق اپنے ایمان کو ڈانواڈول کرنا ہے۔ مگر الانسان حریص علیٰ ما منع انسان کا طرز مزاج ہی کچھ اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ جس بات سے منع کرو وہ ادبدا کر اسے کرنا چاہتا ہے کچھ تو اس کے مزاج میں خودسری ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی کا محکوم ہو کر رہے اور کچھ یہ بھی ہے کہ اُنہیں خلافِ حکم کرنے میں مزا آتا ہے۔ آدم کی یہی رگ تو شیطان کو معلوم ہو گئی تھی کہ اس نے آدم کو بہلا پھسلا کر گیہوں کے کھانے پر آمادہ کیا جس کی خدا نے آدم کو سخت منا ہی کی تھی آدمی کے بچوں ہی کو دیکھو کیسے چلبلے اور بے چین ہوتے ہیں کتنا ہی منع کرو کسی چیز کو چھیڑے بدون نہیں رہتے وہ چیزوں کو توڑتے پھوڑتے اور اکثر اپنے تئیں نقصان پہنچا لیتے ہیں مگر باز نہیں آتے۔ خدا کے ساتھ بھی انسان کا یہی معاملہ ہے

وہ جانتا ہے کہ خدا ہے عادت کے مطابق اس سے صبر نہیں ہو سکتا اور چاہتا ہے کہ اور چیزوں کی طرح خدا کو بھی جان لے
مگر خدا اور چیزوں کی طرح کا نہیں ہے - لیس کمثلہ شئی -

سوال - بس اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر کسی آدمی کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہو اور وہ سرے سے خدا کو جانے اور مانے ہی نہیں تو اس میں حرج کی کیا بات ہے -

جواب - اس شبہے کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ تم نہ پیغمبر ہو نہ محتسب اور نہ دنیا کے ٹھیکہ دار تم کو دوسرے لوگوں کے جاننے نہ جاننے ماننے نہ ماننے سے کیا سروکار وہ جانیں اور اُن کا کام جانے - تم اپنی کہو کہ تم جانتے اور مانتے ہو یا نہیں دوسرے یہ کہنا کہ کسی آدمی کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہو وہ سرے سے خدا کو جانے اور مانے ہی نہیں فرض غلط ہے - نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ آدمی ہو اور خدا کو نہ جانے اور نہ مانے آدمی ہونا اور خدا کو جاننا ماننا لازم و ملزوم ہیں - ہاں جاننے ماننے میں فرق ہے - کوئی تو اس طرح کا جاننا ماننا جانتا مانتا ہے کہ ہر چیز میں اُس کو خدا ہی خدا دکھائی دیتا ہے ؎ ہر چہ آید در نظر غیر تو نیست + یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو - اور کوئی اس طرح کا جاننا ماننا جانتا مانتا ہے کہ مصیبت پڑے پر اسکو خیال آجاتا ہے کوئی ہمہ وقت اُس کی یادگاری میں لگا ہے کوئی اس سے کم کوئی اس سے کم یہاں تک کہ کوئی خدا کا بندہ ایسا بھی ہو کہ اُس نے شاید ساری عمر میں گنتی کی دفعہ اُس کو یاد کیا ہو گا - مگر کیا ہے گا ضرور و للآخرۃ اکبر درجات و اکبر تفضیلا کے یہی تو معنی ہیں -

سوال اگر انسان خدا کے جاننے ماننے پر مجبور ہے تو دین کا اتنا سارا غل غپاڑا کیوں ہے -

جواب - غل غپاڑا نہیں ہے اس لیے کہ آدمی خدا کا قائل نہیں بلکہ اس لیے کہ عالم اسباب میں رہنے کی وجہ سے خدا کے مصداق کی تعیین میں غلطی کرتا ہے اور اس لیے کہ خدا کی یادگاری اُس حد تک نہیں کرتا جس حد تک اُس کی یادگاری کی ضرورت ہے -

صادقہ کا مذہبی خواب - مذہب کی ضرورت

سوال - ضرورت کس کو ہے یاد کرنے والے کو یا خدا کو -

جواب - خدا کو کیوں ضرورت ہونے لگی اُس کی ذات تو بے نیاز ہے ضرورت ہے یاد کرنے والے کو ضرورت ہے دنیا جہان کو

سوال - اسی ضرورت کو تو میں سمجھنا چاہتا ہوں۔

جواب - بات یہ ہے کہ دنیا کو ایک طرح کی مشین دکل) سمجھو اور خدا کو بلا تشبیہ اُس کا انجینیر کہ اُسی نے وہ مشین ایجاد کی بنائی اور وہی اُس کو چلا رہا ہے موجوداتِ عالم اس مشین کے پُرزے اور ساز و سامان ہیں دنیا کی مشین کے پُرزوں میں سے آدمی بڑا ضروری اور چلتا ہوا پُرزہ ہے۔ ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل آپ سے آپ پڑی چل رہی ہے اور پُرزے از خود اپنا کام دے رہے ہیں اور انجینیر کوئی چیز نہیں ورنہ اُس کو کل میں کسی طرح کا دخل ہے لیکن واقع میں انجینیر ہی سب کچھ ہے اور وہ نہ ہو تو ساری کل اینڈا اور بیکار۔ مشین میں بہت سے آدمی لگے ہیں مگر انجینیر کے سوائے کسی کو اتنا سلیقہ نہیں کہ ایک پیچ ڈھیلا پڑ جائے تو اُسے کس کر کل کو چلتا کرے۔ آدمی جس کو ہم نے دنیا کی مشین کا ضروری اور چلتا ہوا پرزہ قرار دیا ہے ضروری اور چلتا ہوا ہونے کے علاوہ خطرناک بھی ہے کہ بگڑے تو دوسرے پرزوں کو نقصان پہنچائے اور اُسکو چلتا ہوا رکھنے کے لئے ایک خاص طرح کے آئل (تیل) کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بدون وہ کام دے نہیں سکتا۔ یہ آئل ہے یادِ الٰہی بہت لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں کہ وقت کا حاکم آدمیوں کو درست رکھتا ہے۔ وہ اِن کو چوری نہیں کرنے دیتا خون نہیں کرنے دیتا۔ فساد نہیں کرنے دیتا آپس میں لڑنے جھگڑنے نہیں دیتا ورنہ دنیا میں ایک کو ایک بسنے نہ دے سچ ہے حاکمِ وقت کو بھی امن کے قائم رکھنے میں بڑا دخل ہے۔ مگر حاکمِ وقت کہاں تک پنا ربط و ضبط بٹھا سکتا ہے۔ مثلاً یہ تمہاری دلی دو پونے دو لاکھ کی بستی ہے حاکم وقت بہت کرے گا بہت کرے گا فرض کرو کنسٹیبل چوکیدار افسر ماتحت پیادے سوار سب ملکر پانچ ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کرے گا حال آں کہ اتنوں کی بھی گنجائش نہیں اول تو ان ہی پانچہزار کا بھروسا نہیں یہ بھی تو آخر آدمی ہیں بلکہ بعض اوقات تو پولیس والوں کی ایسی شکایتیں سُنی جاتی ہیں کہ امن قائم رکھنے کے عوض یہی لوگ خرابیوں کے باعث ہوتے چوریاں کراتے مجرموں سے سازشیں رکھتے اور طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں لیکن فرض کرو کہ یہ پانچہزار کے پانچہزار بھلے آدمی اور نمک حلال بھی ہوں تو دو پونے دو لاکھ پر ہمہ وقت اُن کی گرفت کیا۔ زنان خانوں میں ان کی رسائی نہیں شہر میں ہزاروں [illegible] پیچ گلیاں ہیں کہ دن دہاڑے لوٹ کو تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو نہ کہ اندھیری رات اور مہاوٹ بھی برس رہا ہو تو ایسے موقع پر پولیس کی کیا پیری چلے پس ہو نہ ہو یہ امن جو دنیا میں قائم ہے کسی اور حاکم کا تصرف ہے

اور وہ کون ہے ۔ خدا جس کے ڈر سے پتا نہیں کھڑکنے پاتا ۔ علاوہ بریں حاکم ظاہر وقوع جرم کے بعد ڈپٹی کمشنر اور مجسٹریٹ جو چاہے سو بنے مگر وہ پریونٹو تو کسی کام کا نہیں ۔ حاکم ظاہر دریا کو منتہائے دریا پر روکنا چاہتا ہے اور وہ حاکم حقیقی اُس کے منبع پر جہاں سے دریا نکلا ہے ۔ یعنے حاکم ظاہر وقوع جرم کے بعد سزا دیتا ہے مجرم سے ایسی تدبیریں عمل میں لاتا ہے کہ عبرت ہو اور ارتکاب جرم پہ اقدام نہ کرسکیں اور وہ حاکم حقیقی ارادے کو جو ارتکاب جرم کا محرک ہے روکتا اور مجرم کے خیال کی اصلاح کرتا ہے ۔ جرم ایک درخت ہے گندہ خبیث جس سے آب و ہوا خراب ہوتی اور اُس کے پھلوں اور پتوں میں سمیت ہے حاکم ظاہر اُس کی ٹہنیوں کو کاٹتا چھانٹتا رہتا اور اُس درخت خبیث کو بڑھنے نہیں دیتا ۔ مگر حاکم حقیقی اُس کو جڑ سے اُکھاڑتا اور معدوم کرتا ہے اور دونوں کے نتیجوں میں جو فرق ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے ۔ خوف خدا نہ ہوتا تو ہم ہی لوگوں کے ہاتھوں سے کبھی دنیا کی معدوم ہو گئی ہوتی ۔ اب سمجھے کہ خدا کو جاننے ماننے کی کیا ضرورت ہے خدا کے جاننے ماننے بدون دنیا چل ہی نہیں سکتی ۔

سوال ۔ لیکن ہم تو کوئی از غیبی سزا مجرم کو ہوتے نہیں دیکھتے ۔

جواب ۔ اسی لئے تو خدا کو جاننے ماننے کی زیادہ ضرورت ہے ۔ خدا نے آدم کی نسل کو روئے زمین پر پھیلایا اور آدم کی اولاد نے عقل کے بزور سے جنگل اور پہاڑ اور خشکی اور تری سب پر اپنا تسلط بٹھایا ۔ دوسری مخلوقات تاب مقاومت نہ لاکر ان کی زد سے بچتی سرکتی گئی ۔ بعینہ وہی حالت ہوئی جو ہندوستان کے اصلی باشندوں گونڈوں اور بھیلوں کی ہوئی کہ اُترے سے اُترنے آریئے جوں جوں بڑھتے گئے وہ پیچھے کو ہٹتے اور ہٹتے گئے آدم کی اولاد نے بعض جانوروں کو تو مسخر کر لیا ۔ چاہا ان کو مارا اور کھا گئے اور چاہا اُن سے خدمت لی اور جو قابو میں نہ آسکے زمین پر سے بھاگ تو نہیں گئے اور بھاگ کر جاتے تو کہاں جاتے ۔ مگر ہمہ وقت آدمی سے خائف انسان کی صورت سے ترساں اور ان کا خوف و ہراس بھی بے جا نہیں آدمی کا بس چلے تو ان کی نسلوں کو معدوم کر دے مگر کوئی بھاگ کر کوئی اُڑ کر اور کوئی اپنے بل بوتے بھی آدمی کی مار سے بچے رہتے ہیں ۔ آدمی کیا دوسری ہی مخلوقات کو نہیں دیکھ سکتا ۔ نہیں اس کی طبیعت ایسی حریص اور خود غرض واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے ابنائے جنس کو بھی نہیں دیکھ سکتا ۔ اگر ہر ایک آدمی کرنے پائے جو اس کے دل میں آئے تو یہ سب آپس میں کٹ مریں ۔ پس ضرورت واقع

ہوئی کسی ضابطہ کی جوان کو روکے تھامے رہے اور وہ ضابطہ ہی حاکم وقت جس کی سزا کے ڈر سے کوئی کسی پر زور ظلم نہیں کرسکتا۔ مگر اس کا رعب بغرض انتظام کے لیئے کافی نہ تھا تو خدا نے اُس نقصان کی تلافی یوں کی کہ ہر ایک فرد بشر کے دل میں خیال ڈال دیا کہ حاکم حقیقی خدا ہی اور وہ بھلائی سے خوش اور برائی سے ناراض ہوتا ہی۔ اور اگرچہ وہ اس زندگی میں بھی انسان کو سزا اور جزا کے دینے پر قادر ہو۔ مگر کسی مصلحت سے کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا تو کچھ حرج کی بات نہیں کیونکہ ہر ایک آدمی کو یقین ہی کہ مرے پیچھے ایک اور طرح کی زندگی شروع ہوگی اور جو کچھ اس دنیا میں کیا ہی بھلا یا برا اُس زندگی میں اُس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ ان خیرا فخیر و ان شرا فشرا۔

صادقہ کا مذہبی جواب — عاقبت کی [illegible] انسانی فطرت [illegible]

سوال۔ میں سمجھتا ہوں مذہب نے عاقبت کا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔

جواب۔ اُلٹی بات مذہب نے خیال عاقبت نہیں بلکہ خیال عاقبت نے مذہب کو پیدا کیا۔ اگر خیال عاقبت نہ ہو تو مذہب کی ضرورت ہی نہیں ایسے لوگ بھی ہو گذرے ہیں اور شاید اب بھی ہوں جو عاقبت سے منکر ہیں۔ تو وہ سوسائٹی کے بڑے خطرناک ممبر ہیں کیونکہ حاکم ظاہر کے رعب و ادب کے سوائے ان پر کوئی روک نہیں وہ جب موقع پائیں اور ایسے موقع کا ملنا ہی کیا مشکل ہی جس کو چاہیں جان سے مار ڈالیں جس کا چاہیں گھر لوٹ لیں جس کو چاہیں بے عزت کر دیں۔ غرض جس کو چاہیں دنیا سے اُجاڑ دیں۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا مقولہ ہی جو قرآن میں نقل کیا گیا ہی۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما نحن بمبعوثین

سوال۔ اگر ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں اور ہیں اور ہو سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ خیال عاقبت انسان کی فطرت میں داخل نہیں فطرت میں داخل ہوتا تو کوئی فرد بشر اس سے خالی نہ ہوتا۔

جواب۔ یہ شاید ان کے منہ کی کہن تھی ذلک قولھم بافواھھم اور ضد میں آکر انسان ایسی بہتیری باتیں بک دے سکتا ہی مگر موٹی سی موٹی سمجھ کا آدمی بھی تو عاقبت اور نہ صرف عاقبت بلکہ عاقبت کی سزا اور جزا کا یقین رکھتا ہی۔ رہی یہ بات کہ کیوں رکھتا ہی اس کا وہی جواب ہی کہ انسان کے دل کی بناوٹ ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہی۔

سوال۔ پھر دنیا میں جرائم کا انسداد کلی کیوں نہیں ہو گیا۔

جواب۔ اس واسطے کہ جس طرح انسانوں کی شکلیں مختلف ہیں کہ ایک فٹ مربع سے کم ہی کم کی کیا تو بساط اور کروڑوں آدمی روے زمین پر اب موجود ہیں اور خدا جانے کتنے سنکھ مہا سنکھ مر کھپ گئے اور کروڑوں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کب تک پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ ہم نے تو دیکھا کیا سنا بھی نہیں کہ دو آدمی ایک ماں باپ کی اولاد بلکہ توام بھی صورت شکل میں ایسے مشابہ یکدگر ہوں کہ پہچان نہ پڑتے ہوں۔ جس طرح آدمیوں کی شکلیں مختلف ہیں اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ انکی طبیعتیں بھی مختلف واقع ہوتی ہیں کہ ایک کا مزاج دوسرے کے مزاج سے بالکل نہیں ملتا۔ اکثر تو ایسے ہیں کہ عاقبت کے خیال سے ارتکابِ جرم پر اقدام نہیں کر سکتے۔ بعض دل کے ایسے بودے اور کمزور ہیں کہ وقتی ترغیبات سے مغلوب ہو کر جرم تو کر بیٹھتے ہیں مگر پھر ان کو پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے اور گناہ کا کفارہ دینے کے درپے ہوتے ہیں۔ مظلوم کو رضامند کرنے سے اقرار جرم سے اور اپنے اوپر اس کی سزا عائد کرانے سے جب تک گناہ کا کفارہ نہ دے لیں ان کو نفس لوامہ چین سے رہنے نہیں دیتا۔ یہی خیال عاقبت ہے جس کو میں نے نفس لوامہ سے تعبیر کیا۔ پھر بعض دل کے ایسے سخت ہوتے ہیں کہ زندگی بھر کفارے کو ٹالتے رہتے ہیں ملک الموت نے آکر ٹینٹوا دبایا تو سارا زہر اگلنا پڑا۔ وہ کیا چیز ہے جو ایسے وقت میں ان کو اقرار جرم پر مجبور کرتی ہے۔ وہی نفس لوامہ وہی خیالِ عاقبت وہی کانشنس جو چاہو کہہ لو۔ اس بات پر تو تمام آدمیوں کا اجماع سمجھو کہ اس ہستی کے بعد آدمی کو ایک اور ہستی ہونی ہے۔ اختلاف اگر ہے تو اس میں ہے کہ وہ ہستی کیسی ہوگی کیوں کر ہوگی سو یہ اختلاف فروعی ہے۔ انتظام دنیا کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے اسی قدر ہے کہ اس ہستی کے بعد ایک اور ہستی ہے اور وہ ہستی اس ہستی کی متمم ہے اور اس ہستی کا بننا بگڑنا موقوف ہے ہمارے کردار پر جو ہم اس ہستی میں کریں

سوال۔ تو یوں کہیے کہ آپ کے نزدیک سرے سے دین و مذہب ہی داخل فطرتِ انسانی ہے یعنی ہر شخص کی فطرت چاہتی ہے کہ وہ مذہب رکھتا ہو۔

جواب۔ بے شک۔ تم نے بہت ٹھیک سمجھا دین اور فطرت ایک ہی چیز ہے اور میں کیا کہوں گا اور کوئی کیا کہے گا اور تم نے کیا سمجھا اور کوئی کیا سمجھے گا خود خدائے تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے فطرۃ اللہ التی

فطر النّاس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر النّاس لا یعلمون
(اللہ کی بناوٹ جس طرح پر لوگوں کو بنا دیا اللہ کی پیدائش کو کون بدلے - یہی ہے سیدھا دین لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگوں کو خبر نہیں) اس آیت کے لفظوں پر نظر کرو اس سے زیادہ صراحت اور کیا ہوگی میرا بس چلے تو اس آیت کو تختیوں پر کندہ کرا رکھوں مسلمان کا کوئی بچہ نہ ہو جسکے گلے میں تعویذ کی جگہ یہ تختی نہ پڑی ہو - اور خیر ہر مسلمان کے گلے میں نہ سہی - ہر ایک مسلمان کے دروازے دروازے ورنہ ہر ایک مسجد پر تو ضرور - بھلا کسی کی عقل جائز رکھ سکتی ہے کہ مثلاً پانی کی فطرت تو اس طرح پر واقع ہو کہ نشیب کی طرف بہے اور اس کو حکم دیا جائے الٹا بلندی کی طرف پڑھنے کا - پانی بلندی کی طرف چڑھ سکتا ہے یا چڑھ سکتا ہے - یہی حال دین کا ہے - دین کی کوئی چھوٹی سی بات بھی فطرت انسانی کے خلاف نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے ان اللہ لیس بظلام للعبید اور یہی فطرت ... کھرے کھوٹے غلط صحیح کے شناخت کی کسوٹی ہے

سوال - تو چاہیئے کہ لوگ دین میں اختلاف نہ کریں -

جواب بے شک - چاہیئے تو یہی کیونکہ فطرت کے اعتبار سے آدمی آدمی سب یکساں - مگر نری فطرت ہی فطرت ہوتی تو کچھ جھگڑا نہ تھا مصیبت یہ ہے کہ انسان ایک طرف مغلوب ہے فطرت کا اور دوسری طرف مغلوب ہے گوناگوں خواہشوں کا مغلوب ہے تعلیم و تربیت کا مغلوب ہے سوسائٹی کا مغلوب ہے رسم و عادت کا - چوبائی تو ہوا چل رہی ہے ہر طرف سے تھپیڑے پر تھپیڑے پڑ رہے ہیں کنکوا سیدھا اڑے تو کیا خاک؟

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ	باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

سوال - یہ تو ظلم صریح ہے -

جواب - توبہ کرو تو بہ خدا اور ظلم !!! استغفر اللہ تعالیٰ اللہ عما یقولون علوا کبیرا - آدمی کے پیچھے بھوک پیاس کا لگا دینا ظلم ہوتا اگر اس کو کھانا اور پانی بہم پہنچانے کی عقل دی گئی ہوتی - آدمی کو اس طرح کا مخلوق بنانا ایک منٹ سانس لینے کو ہوا نہ ملے تو ہلاک ہو جائے ظلم تھا اگر ہوا کا ذخیرہ اسکے لیے مہیا نہ کیا گیا ہوتا آدمی کو گرمی سردی کا احساس بخشنا ظلم تھا اگر وہ اس سے بچنے کی تدبیر نہ کر سکتا - اسی طرح اس کو فطرت و نفسانی خواہشوں اور تعلیم و تربیت اور سوسائٹی اور رسم و عادت وغیرہ وغیرہ کا مغلوب بنانا ظلم ہوتا اگر

اِس بھول بھلیاں میں سے نکلنے کا اس کو رستہ نہ دکھایا جاتا۔

سوال۔ یہی رستہ تو میں ڈھونڈتا ہوں اور نہیں ملتا۔

جواب۔ ڈھونڈتے ہو مگر ڈھونڈنے کے طور سے نہیں۔

سوال۔ وہ طور کیا ہے۔

جواب۔ وہی طور تو میں تمکو اتنی دیر سے بتا رہا ہوں۔ دین کا حال یہ ہے کہ جتنا اس کو کھجاتے جاؤ ویسا ہی کرکرا ہوتا جاتا ہے اور زیادہ کاوش کا ضروری نتیجہ ہے لامذہبی جس میں تم مبتلا ہو اور نہیں ہو تو آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں ہو رہوگے۔ اس رستے کو چھوڑو۔ دین تو تمام آدمیوں کے لیئے ایک ہی ہے اس لیئے اتنی ساری عقل کی ضرورت نہیں جتنی تم صرف کرنی چاہتے ہو۔ یہ عقل تمکو ریاضی اور فلسفہ کے کام میں لانی چاہیئے دین تو گنتی کی چند موٹی موٹی اور سیدھی سیدھی باتیں ہیں اور باتیں بھی ہیں تو بدیہی جن کے لیئے حجت اور دلیل کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور جب آدمی لگا دین میں حجت اور دلیل ڈھونڈنے تو دین کے اعتبار سے اس کی حالت خطرناک ہے۔

سوال۔ عقل کے ہاتھوں سے تو مجبوری ہے۔

جواب۔ اگر عقل کو عقل کی حد میں رکھو اور اسکو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو تو کچھ بھی مجبوری نہیں دین میں عقل کی جولان یہیں تک ہے کہ خدا ہے اور جتنی عمدگی اور خوبی اور بڑائی کی صفتیں خیال میں آ سکتی ہیں وہ سب اس میں ہیں۔ دنیا کا کارخانہ اس کے ہونے اور اس طرح کے ہونے پر دلالت کرتا اور ہمارا دل از خود اس بات کو مانتا ہے اور اس میں شکوک و اشتباہات پیدا کرنیکی ضرورت نہیں پھر انسان اس طرح کا مخلوق بے مصرف نہیں کہ اس کو دنیا سے اور دنیا کو اس سے کسی طرح کا سروکار نہ ہو بلکہ خدا نے اسکو عقل دے کر انتظام دنیا میں بہت کچھ دخیل کر دیا ہے خدا اور انسان اور دنیا کی مثال زمیندار اور کارندے اور علاقہ زمینداری کی سی ہے کارندہ علاقہ زمینداری کا مالک تو نہیں مگر مالک کی رضا اور اجازت سے وہ علاقہ پر مسلط ہے جیسا چاہے آباد کرے چاہے اجاڑے جس طرح ایک کٹ پتلا ہے کہ اُس کا رندہ

بھلا مانس خوش معاملہ نیک نیت دیانت دار جفاکش ہو اور اُسکے علاقہ زمینداری کا انتظام ٹھیک رکھے۔ اسی طرح خدا بھی چاہتا ہے کہ آدمی دنیا میں جہان تک اس سے ہو سکے امن اور خوش حالی کو ترقی دے اور دنیا کی کارگہی میں جسکو ایک وقت خاص تک خدا کو [illegible] کسی طرح پر روڑا نہ اٹکائے بس یہی دین اور یہی مذہب ہے۔ جس کا لوگوں نے اس قدر طومار بنا کر کھڑا کیا ہے۔

سوال۔ اتنا تو قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت میں آسکتا تھا۔

جواب۔ آسکتا کیسا آیا ہوا موجود ہی جو ہے۔ ورنہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کے سوائے اسکے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ اصل دین خدا کا جاننا ہے اور اتنا جاننا نجات کے لیئے بس کرتا ہے۔ اور قرآن کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کی جو تم نے کہی اُس سے شاید تمہارا مطلب یہ ہے کہ دین ایک چھوٹے سے جملے میں آسکتا تو اتنے بڑے قرآن کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کو اپنے طور کی باتوں میں سمجھو کہ اقلیدس میں سطر ڈیڑھ سطر کا دعویٰ ہوتا ہے اور اسکے ثبوت ورق کے ورق۔ یا مثلاً کوئی ہم سے پوچھے کہ یہ قوانین دیوانی فوجداری اور مال وغیرہ وغیرہ کیا چیز ہیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں تدابیر حفظ امن۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے کہ اس کا لب لباب لا الہ الا اللہ۔ ہے اور اسکے سوائے جو کچھ ہے وہ اسی لا الہ الا اللہ کا ثبوت ہے۔ یا اس قسم کی باتیں ہیں جو اسی الہ الا اللہ پر متفرع ہوتیں اور اسی الہ الا اللہ سے مستنبط کی جاتیں قرآن میں قصص ہیں مواعظ ہیں حکم ہیں آداب ہیں معاملات ہیں عبادات ہیں۔ اوامر ہیں نواہی ہیں۔ کیا چیز ہے جو قرآن میں نہیں ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام افراد انسان کی معاش و معاد دونوں کی درستی کے لیئے روز قیامت تک بس کرتی ہے بشرطیکہ اس کو ٹھیک طور پر سمجھا اور اس پر عمل کیا جائے

صادقہ کا مذہبی خواب۔ عبادت کی لِم

سوال۔ میں اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہتا ہوں۔

جواب۔ خدا کو جاننے پہچاننے کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ بادہوائی ایک بات تھی اس کان سنی اُس کان نکال دی۔ آدمی خدا کو جانے پہچانے گا تو وہ اُس تعلق کو بھی ضرور سمجھے گا جو اُسکو خدا کے ساتھ ہے اور وہ یہ بھی دیکھے گا کہ خدا نے اُسکو [illegible] کیا ہے وہ ایک خاص طرح کی زندگی رکھتا ہے درد اور رنج سے متاذی ہوتا ہے

اس کی زندگی کی ضرورتیں کچھ تو خدا کی طرف سے مہیا کی گئی ہیں۔ جن کے لیے اس کو کسی طرح کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ جیسے سانس لینے کو ہوا پینے کو پانی اور کچھ ضرورتیں ایسی ہیں کہ اُن کا سامان تو موجود ہو مگر اس کو کام میں لانے کے لیے تدبیر بھی درکار ہوتی ہے۔ سو خدا نے اس کو اس تدبیر کا سلیقہ دیا ہو وہ یہ بھی دیکھے گا کہ اس کو اس کثرت سے حاجتیں اور ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں کہ اعوان و انصار کے بدون اس کا گذر نہیں پس چار و ناچار اس کو سوسائٹی میں مل کر رہنا پڑتا ہے۔ کہ یہ لوگوں کی اور لوگ اس کی مدد کریں۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ سوسائٹی کے لوگ بھی اسی طرح کے آدمی ہیں وہ بھی اسی کی سی حاجتیں اسی کی سی طبیعت رکھتے ہیں۔ وہ بے کسی کے سکھائے آپ سے آپ معلوم کرے گا کہ دنیا میں ہزارہا قسم کی مخلوقات ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے۔ مگر یہ دوسری مخلوقات سے بہت باتوں میں ممتاز ہے اس کو ملائم سے خوشی پہنچتی ہے اور ناملائم سے رنج بعض مواقع پر اس کو غصہ آتا ہے اور بعض پر رحم۔ اس کی اکثر باتیں دوسرے جانوروں سے ملتی ہوئی ہیں ان ہی کی طرح سوتا ان ہی کی طرح جاگتا۔ ان ہی کی طرح اس کو بھوک پیاس لگتی مگر اس کی سی عقل کسی میں نہیں اس کی طبیعت میں جہاں اور باتیں ہیں ایک احسان مندی بھی ہے کہ جب اس کا کوئی مطلب اٹکے اور کوئی اس کی مدد کرے یہ اُس کا شکر گزار ہوتا ہے۔ اس صفت پر متفرع ہیں تمام اقسام عبادات۔ کوئی سی بھی عبادت لو وہ ایک پیرایہ ہو اظہار احسان مندی کا۔ مثلاً نماز۔ اس کا ایک ایک رکن یعنی قیام اور رکوع اور سجود سب سے ظاہر ہوتا ہے تضرع اور ابتہال اور عجز۔ ان حرکات کے سوا وہ جو قرأت ہے یعنی مونہ سے کہنا پڑتا ہے وہ بھی خدا کی حمد و ثنا ہے۔ دعا ہے استغفار ہے اپنی عاجزی اور حاجتمندی کا اظہار ہے عبودیت کا اقرار ہے۔ یوں تو بظاہر انسان کے سب کام اسی کی تدبیر سے چلتے اور بہت سی باتوں میں اس کو اپنے ابنائے جنس سے مدد ملتی ہے لیکن ذرا تامل کرو تو معلوم ہو کہ ہم سب محض خدا کے فضل کے سہارے جیتے ہیں ہزارہا چیزیں ہیں جن پر انسان کی زندگی موقوف ہے اور ان میں سے ایک چیز میں بھی انسان کو دخل نہیں۔ قرآن پر نظر کرو اس کا جمل بھی پاؤ گے کہ انسان کو اس کی حاجتیں اور ضرورتیں بتا کر یہ دکھایا جاتا ہے کہ اس کو خدا نے سراپا حاجت پیدا کیا ہے چونکہ وہ باوجودے کہ اس کو عقل بھی دی گئی ہے اور کسی قدر اختیار بھی رکھتا ہے اپنی تمام حاجتوں کے بر لانے پر خود قادر نہیں تو جب نے اسکو حاجت کا احساس ہو یا اور احساس کے ساتھ اس کی تمام حاجتوں اور صرف

بھی نہیں بلکہ آرام و آسائش کا سامان مہیا کیا ہے یہ خدا ہے اور انسان کو اس کا بھی احسان ماننا چاہیے
اگرچہ سارا قرآن اسی منوال پر واقع ہوا ہے مگر میں مثال کے طور پر دو مقام کی چند آیتیں پڑھتا ہوں

امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما کان لکم ان تنبتوا شجرها
ءاله مع الله بل هم قوم يعدلون ۞ امن جعل الارض قرارا وجعل خلالها انهارا وجعل لها رواسي وجعل
بين البحرين حاجزا ءاله مع الله بل اکثرهم لا يعلمون ۞ امن يجيب المضطر اذا دعاه ويکشف السوء
ويجعلکم خلفاء الارض ءاله مع الله قليلا ما تذکرون ۞ امن يهديکم في ظلمات البر والبحر ومن يرسل
الرياح بشرا بين يدي رحمته ءاله مع الله تعالى الله عما يشرکون ۞ امن يبدؤا الخلق ثم يعيده ومن يرزقکم
من السماء والارض ءاله مع الله قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقين دوسری جگہ فرماتے ہیں قل ارءيتم
ان جعل الله عليکم الليل سرمدا الى يوم القيمة من اله غير الله ياتيکم بضياء افلا تسمعون ۞ قل ارءيتم
ان جعل الله عليکم النهار سرمدا الى يوم القيمة من اله غير الله ياتيکم بليل تسکنون فيه افلا تبصرون و
من رحمته جعل لکم الليل والنهار لتسکنوا فيه ولتبتغوا من فضله ولعلکم تشکرون - یاد رکھو کہ یہ
میں نے نمونے کے طور پر چند آیتیں پڑھ دی ہیں ورنہ سارے قرآن کی یہی ایک دُھن ہے - غرض سب سے
پہلے انسان نے اپنے آپ کو جانا - اپنے آپ کو جاننے سے لازم آیا خدا کا جاننا - خدا کو جاننے سے لازم
آیا اس کے احسانات کا ماننا یعنی اسکی عبادت کرنا اس کو میں نصف دین قرار دیتا ہوں - اور اس
میں ہرگز کسی طرح کی پیچیدگی نہیں اور نہ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ ہو سکتا ہے اور ہو تو بیان کرو

لہ بھلا کس نے زمین آسمان کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا ہم نے خوشنما باغیچے اگائے - یہ درخت تم تو نہیں اگا سکتے تھے کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے
مگر یہ لوگ ہی سیدھے رستے سے الگ ہو جاتے ہیں ۱۲ سہ بھلا کس نے زمین کو ٹھیرنے کی جگہ بنایا اور اس میں دریا بہائے اور اس پر پہاڑوں کے
لنگر ڈالے اور دو دریاؤں میں روک قائم کی - تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے مگر ان لوگوں میں سے اکثر بے خبر ہیں ۱۲ سہ بھلا
کون ہے کہ جب کوئی بے قرار ہو کر اس کو بلائے تو وہ اس کی فریاد کو سنتے اور مصیبت کو دور کرتے اور تم کو قرنا رہا روئے زمین بنائے تو کیا اس پر بھی خدا کے
ساتھ کوئی اور معبود ہے - تم لوگ ایسی باتوں کو کہ خیال کرتے ہو ۱۲ سہ بھلا کون ہے جو خشکی اور تری کے اندھیروں میں تم کو رستہ دکھائے اور کون باران رحمت
سے پہلے ہوا کو بھیجتا ہے کہ وہ مینہ کی خوشخبری دے - تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے خدا کی شان ان چیزوں سے بہت اونچی ہے جن کو اس
شریک ٹھیراتے ہیں ۱۲ سہ بھلا کون ہے جو پہلے پہل پیدا کرے اس کو پھر اپنے پاس بلائے - اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی
دے اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ اپنے دعوے میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو ۱۲ لہ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر خدا قیامت تک
ہمیشہ کے لیے رات کو تم پر ڈھانکے رکھے تو سوائے خدا کے کوئی اور معبود ہے کہ تم کو روشنی پہنچائے کیا ایسی باتیں نہیں سنتے ۱۲ سہ اے پیغمبر
لوگوں سے کہو کہ اگر خدا قیامت تک ہمیشہ کے لیے تم پر دن ہی نکالے رہے تو سوائے خدا کے کوئی اور معبود ہے کہ تمہارے آرام کے لیے رات کو لا دے
کیا تم اس نمونہ قدرت کو نہیں دیکھتے - اور یہ اسی کی مہربانی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ رات کو آرام پاؤ اور دن کو اسی کے کرم
یعنی روزی کی جستجو کرو اور اس کا احسان مانو ۱۲ ؂

دین ہے تو آپ کا نرالا دین ہے۔ یہ تو فرمایئے کہ دنیا میں کوئی اور بھی اس طرح کے عقیدے رکھتا ہے یا آپ پر کوئی خاص وحی نازل ہوئی ہے۔

جواب۔ میں نے تو کوئی انوکھا رستہ اختیار نہیں کیا۔ ہماری جمع پونجی جو کچھ سمجھو یہ تھوڑی سی عقل ہے جو خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے۔ معلوم ہے کہ عقل جو ہمکو دی گئی ہے ادھوری ہے ناقص ہے ناتمام ہے۔ ہزارہا باتیں ہیں جن کو انسان نہیں سمجھتا اور نہیں سمجھ سکتا۔ مگر جتنی جسکو سمجھ دی گئی ہے اتنی ہی اُس کی ذمہ داری ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ سو ایک تو ہم عقل پر اس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور بڑے شکر کی جگہ ہے کہ اس سے دل کو بڑی راحت پہنچتی اور طبیعت مطمئن رہتی ہے دوسرے لوگوں کے دین مذہب سے تعلق نہیں رکھتے کہ وہ کیا سمجھتے اور کیا کرتے اس واسطے کہ ہم ان کے محتسب نہیں اور نہ ہم سے دوسروں کے مذہب کی بازپرس ہونی ہے ہمکو اپنے ہی نفس کے احتساب سے فرصت نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم بنائے گئے آدمی اور ہمکو نیک و بد کی تمیز دی گئی اور سمجھایا گیا وہ رستہ جس پر ہمکو چلنا چاہیے تھا مگر ہم نے اپنے دل کے کھوٹ اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے وہ حرکتیں کیں جو ایک جانور کے لیے بھی موجب شرم ہیں۔

سوال۔ آپ کی بات کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں ابھی تھوڑی دیر ہوئی آپ انسان کو خلیفۃ اللہ اور اشرف المخلوقات اور کیا اور کیا بنا رہے تھے۔ یا اب اس کو جانوروں سے بھی گیا گزرا ہوا کر دیا۔

جواب تم نے وہ قطعہ نہیں سنا **قطعہ**

آدمی زادہ طرفہ معجونے ست	از ملائک سرشتہ وز حیواں
گر کند میل ایں شود کم زیں	ور رود سوے آں شود بہ ازاں

سوال۔ یہ دو متضاد باتیں کیسی۔

جواب بس یہ اللہ کی خلقت کہ آدمی کو دونوں طرح کی قابلیتیں دیں۔ اس کو فاعل مختار کیا چاہے معراج الکمال انسانیت پر ترقی کرے کہ یہی اس کا فرشتہ بننا ہے اور چاہے اسفل السافلین حیوانیت میں اس سے بدتر گر پڑے

سوال۔ انسان کو ایسی کشمکش میں ڈالنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

جواب۔ اب تم لگے خدائی میں دخل دینے ع خدا کی باتیں خدا ہی جانے ۔ رموزِ مصلحتِ ملک خسرواں دانند ۔ گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش ۔ یہی وہ گرہ ہے جو اکثروں کو بھٹکاتی اور بے چین رکھتی ہے۔ اور جب تک یہ لت نہیں چھوٹتی کوئی آدمی دین کی طرف سے مطمئن ہو نہیں سکتا۔

سوال۔ مگر طبیعت کو کیا کیا جائے۔

جواب۔ یہ بالکل سچ ہے ہم نے بھی اس کے ہاتھوں سے بڑی بڑی پریشانیاں اٹھائی ہیں۔ یہ بھی چاہا کہ اس خیال ہی کو دل میں نہ آنے دیں۔ وہ بھی نہ ہو سکا۔ اور خیال آیا تو اس کے ساتھ طرح طرح کے خدشات آخر بڑے غور کے بعد اب کہیں جا کر طبیعت ٹھکانے سے ہوئی۔

[illegible] شریعت نصف دین [illegible]

سوال۔ یہی تو میں بھی چاہتا ہوں۔

جواب۔ چاہتے ہو تو خدا نے چاہا ہو کر ہی رہے گا جو ڈھونڈھتا ہے سو پاتا ہے جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے وہ مکان کے اندر بھی آتا ہے۔ مگر میرے سمجھنے میں تو اس کا رستہ یہی ہے کہ آدمی اپنی حقیقت سمجھے اور دوسروں سے سروکار نہ رکھے۔

سوال۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسروں سے سروکار نہ رکھے۔ دوسروں کے بدون دنیا چل بھی سکتی ہے

جواب۔ شاید یہ میرے بیان کا قصور ہے کہ تم نے میرا مطلب نہیں سمجھا۔ بے شک دنیا میں آدمی اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ دوسروں سے سروکار نہ رکھے۔ دوسروں کے ساتھ سروکار رکھے بدون اس کو چین نہیں آتی بلکہ دوسروں کے ساتھ سروکار رکھنا اسی کو تو میں نے دوسرا نصف دین قرار دے رکھا ہے یعنی لوگوں کے باہمی معاملات اور ظاہر ہے کہ بے تعلقی کی صورت میں معاملات ہو ہی نہیں سکتے۔ میں نے عبادت کی لم تم کو سمجھائی تھی؟

سوال۔ ہاں اور دل بھی اس کو تسلیم کرتا ہے۔ پھر؟

جواب۔ بات یہ ہے کہ جب ہم سرتاپا حاجت ہیں اور ہماری حاجتیں بعض تو ایسی ہیں جو خود خدا کی طرف سے مہیا کی گئی ہیں اور ان میں کسی مخلوق کو دخل نہیں جیسے ہوا اور پانی مثلاً اور بعض ایسی ہیں جن میں ہماری یا

ہمارے ابنائے جنس کی تدبیر کو دخل ہے تو وہ بھی حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے ہیں۔ جیسے غلّہ کہ آدمی اتنا تو کرتا ہے اور اتنا ہی کرتا ہے اور اتنا ہی کر سکتا ہے۔ کہ زمین جوت کر بیج ڈال دیا۔ جب اناج طیار ہوا کاٹ کاٹ کر گھر میں رکھ لیا۔ مگر آدمی کو جوتنے بونے کاٹنے گاہنے کا سلیقہ کس نے سکھایا۔ خدا نے زمین میں اناج کے پیدا کرنے کی صلاحیت کہاں سے آئی۔ خدا کے کرنے سے۔ تو اس طور پر جتنی حاجتیں ظاہر میں ایسی دکھائی دیتی ہیں کہ ان کو ہم اور ہمارے ابنائے جنس مہیا کرتے ہیں وہ بھی حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے ہیں پس جو کچھ ہم رکھتے ہیں جو کچھ ہمکو ملتا ہے خدا کا فضل اور اسی کا احسان ہے وما بکم[لہ] من نعمة فمن الله ثم اذا مسکم الضر فالیه تجارون اور ہم اس قدر اسکے احسانات میں دبے ہوئے ہیں کہ اگر ہمہ وقت اسکی شکرگزاری میں لگے رہیں تو اسکی مہربانیوں کا ایک شمہ بھی تو ادا نہیں کر سکتے شیخ سعدی نے اس خیال کو کیسے عمدہ پیرائے میں ادا کیا ہے۔ ہر نفسے کہ فرو میرود ممد حیات ست وچوں برمی آید مفرح ذات پس در ہر نفس دو نعمت موجود ست و بہر نعمت شکرے واجب یعنی ایک ادنی سی بات ہے سانس جس کی طرف کبھی ہمارا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا۔ لیکن ذرا رک جائے تو دیکھو انسان کا کیا حال ہوتا ہے ضیق النفس کے بیماروں کو نہیں دیکھا۔ گھنٹے دو گھنٹے کے دورے میں مُردے سے بدتر ہو جاتے ہیں پھانسی کیا چیز ہے۔ گلا گھونٹ کر سانس روک دیا۔ تڑپ تڑپ کر جان نکل گئی۔ اسی قبیل کے اور خیال ہیں مثلاً قطعہ

چار طبع مخالف و سرکش ۔ چند روزے بوند باہم خوش ۔ چوں یکے زیں چہار شد غالب
جان شیریں برآید از قالب ۔ یا بہ عیش آدمی شکستہ ست ۔ تا بہ بند رنج میرود چہ غم ست ۔ گر بہ بند و چناں
نکشاید گرہ دل از عمر [illegible]

ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت کا بڑا گھمنڈ تھا۔ ایک بزرگ کسی طرح پر اس تک پہنچے اور موقع پاکر کہا کہ بھلا یہ فرمائیے کہ اگر خدا نخواستہ آپ کا پیشاب بند ہو جائے تو آپ اس شکایت کے دور ہونے کے بدلے کہاں تک خرچ کریں۔ بادشاہ نے ذرا سوچ کر کہا کہ نصف سلطنت۔ پھر اس بزرگ نے کہا کہ بھلا اگر خدا نخواستہ جاری ہو کر بند نہ ہوا تو اس صورت میں۔ بادشاہ نے کہا دوسرا نصف سلطنت۔ بزرگ نے کہا کہ بس آپ کی سلطنت کی یہ حقیقت ہے کہ موت کی ایک دھار اس کی قیمت ہے۔ یہ تو ان لوگوں کے مقولے ہیں جنکو خدا نے

لہ اور جو نعمت تمکو حاصل ہے سب اللہ ہی کی دی ہوئی ہے اور جب مصیبت پڑتی ہے تو اسی کے آگے گڑگڑاتے ہیں ۱۲

اپنی اور دنیا کی حقیقت جاننے بوجھنے کی سمجھ دی تھی۔ اور میں خیال کیا کرتا ہوں کہ انسان کے جسم میں بیشمار مسامات ہیں اور ہر مسام میں سیکڑوں طرح کے روگ پیدا ہو سکتے ہیں اور ایک ایک روگ زندگی کے تلخ کر دینے کے لیے بس کرتا ہے اور ہم جوان تمام آفتوں سے محفوظ ہیں تو نہ اپنی تدبیر سے۔ ہماری تدبیر ہی کیا ہے۔ کھالیا اور سو رہے۔ کھاتے تو کھالیا اور یہ نہ جانا کہ غذا کیونکر پیدا ہوئی۔ اور کس طرح جزو بدن بنی قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند	تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار	شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نہ بری

غرض ہزارہا نعمتیں ہیں جن کا ہم کو شعور بھی نہیں تھا وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا حق شناسی اور مروت اور وفاداری اور انسانیت تو اس کی مقتضی تھی کہ ہمہ وقت اسی کی یادگاری میں لگے رہتے گویا لسان کلہ لا یتزلزل کلہ جتنا ہو سکے جتنی دیر ہو سکے۔ عبادت کا یہ ایک پہلو ہے۔ اس کے ذریعے سے ہم اتنی بات ظاہر کر سکتے ہیں کہ ہم احسان فراموش نہیں ہیں الانسان عبید الاحسان۔ لیکن ہم کو اس حد پر ٹھیرنا چاہیے نہیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ سلوک کرے تو ہم اس کے ساتھ سلوک کریں ھل جزاء الاحسان الا الاحسان لیکن ہمارے اور خدا کے درمیان مشکل یہ آکر پڑی ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کوئی احسان نہیں کر سکتے اسکو ہمارے احسان کی ضرورت نہیں پروا نہیں۔ وہ ہے بے نیاز مستغنی لیکن ہاں ایک صورت ہے جس کو جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا کے قاعدے سے احسان کہا جا سکتا ہے۔ گو وہ حقیقت میں احسان نہیں ہے اور ھل جزاء الاحسان الا الاحسان میں آخر کے احسان سے اسی طرح کا احسان مراد ہے اب یہ تم بتاؤ کہ ہم بندے خدا کے ساتھ کیا احسان کر سکتے ہیں؟

سوال۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

جواب۔ تمہاری کیا بہنوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ میں اتا پتا بتاؤں تو تم اس پہیلی کو جلد بوجھ لوگے ایک ملکہ وکٹوریا ہے اور ایک ہم ہیں۔ ملکہ کے ہم پر سیکڑوں احسان ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی عملداری میں ہم آرام سے بیٹھے ہیں۔ امن ہے انصاف ہے۔ ریل ہے تار ہے شفاخانے ہیں مدرسے ہیں نہریں ہیں منی آڈر ہیں ویلیو پے ایبل ہیں کلیں ہیں دخانی جہاز ہیں تجارت ہے غرض کہ کٹوریا کا عہد کیا

اور ہمارے سب لیئے ہندوستان جنت ہے۔ اب فرمائیے کہ ملکہ کے ان تمام احسانات کا کچھ بدلہ دینا یا نہ دینا۔ دینا اور ضرور دینا۔ مگر ہم اس کو کیا بدلہ دے سکتے ہیں۔ یہی کہ ہم اس کے اطاعت گزار وفادار خیر خواہ احسان مند رعایا ہو کر رہیں۔ اسی طرح کا برتاؤ ہمارا خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ وکٹوریا کے دل میں نیکی کا ڈالنا اُس کو انتظام کا سلیقہ سکھانا اُس کو رعیت پروری اور انصاف کی توفیق دینا اُسکو مملکت ہند پر مسلّط کرنا یہ سب اسی کے احسانات ہیں۔ ورنہ بے خدا کی امداد کے ملکہ بیچاری کیا کرتی اور کوئی کیا کرسکتا ہے۔ یہ اسی کے تصرفاتِ قدرت ہیں کہ کروڑوں دلوں کو ایک عورت ذات کے ہاتھ میں مسخر کر رکھا ہے کہ آپ ہزاروں کوس دور بیٹھی ہے اور یہاں پتہ تک نہیں کھڑکنے پاتا جس طرح ملکہ کی وفاداری کی شرط یہ ہے کہ ہم اس کے انتظام میں رخنہ انداز نہ ہوں اسی طرح ہمارے بندہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہم خدا کے انتظام میں فتور نہ ڈالیں اور جہاں تک ہم سے ہوسکے اور ہم ہیں ہی کس قابل مگر خیر جہاں تک ہوسکے اُس کے انتظام کو رونق دیں۔ اُس میں سہولت اور عمدگی پیدا کریں۔ بس یہ ہی ساری شریعت کا خلاصہ شریعت کے جتنے احکام ہیں وقت کے لحاظ سے ملک کے لحاظ سے لوگوں کی ضرورتوں اُن کی طبائع اور رسم و عادات کے لحاظ سے لوگوں کے باہمی معاملات درست رکھنے اور انتظام دنیا کو آسانی کے ساتھ چلنے دینے کی غرض سے بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی مصلحتوں کو ہم سمجھتے اور بعض کی نہیں۔ اور یہ دنیا کے قوانین کیا ہیں یہ بھی ایک طرح کی شریعت ہے اور اس شریعت کی غرض بھی وہی ہے دنیا میں امن و عافیت کا قائم رکھنا یہی خیال ہے جس کو لوگوں نے الخلق عیال اللہ کے پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔ یعنی خدا تو جورو بچے نہیں رکھتا اور اُس کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ مگر ہم جو اُس کا برتاؤ خلقت کے ساتھ دیکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو مخلوقات کی ایسی پرداخت منظور ہے جیسی ہم میں سے کسی کو اپنے عیال کی ہوتی ہے تو ہمکو چاہیئے کہ خلق اللہ کو عیال اللہ سمجھ کر ان کا پاس کریں۔ اور دنیا میں جو مصیبت ہے ضرور اُس میں کوئی مصلحت مضمر ہوگی اور عجب نہیں کہ اُس مصلحت میں یہ بھی ہو کہ ہمکو اظہار شکر کا موقع دیا جائے اور وہ نہیں ہے مگر ابنائے جنس کی مصیبت میں کام آنا اُن کی حالت کے بہتر کرنے میں کوشش کرنا۔ یہ متعارف عبادتیں جو وضع ہوئی ہیں ان کی غرض یہ ہے کہ ہم خدا کے خیال کو تازہ

اپنی اور دنیا کی حقیقت جاننے بوجھنے کی سمجھ دی تھی۔ اور میں خیال کیا کرتا ہوں کہ انسان کے جسم میں بیشمار مسامات ہیں اور ہر مسام میں سیکڑوں طرح کے روگ پیدا ہو سکتے ہیں اور ایک ایک روگ زندگی کے تلخ کر دینے کے لئے بس کرتا ہے اور ہم جوان تمام آفتوں سے محفوظ ہیں تو نہ اپنی تدبیر سے۔ ہماری تدبیر ہی کیا ہے۔ کھا لیا اور سو رہے۔ کھاتے تو کھا لیا اور یہ نہ جانا کہ غذا کیونکر پیدا ہوئی۔ اور کس طرح جزو بدن بنی قطع

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

غرض ہزارہا نعمتیں ہیں جن کا ہم کو شعور بھی نہیں ہے۔ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها حق شناسی اور مروت اور وفاداری اور انسانیت تو اس کی مقتضی تھی کہ ہمہ وقت اسی کی یادگاری میں لگے رہتے گویا ید رک کلہ لا یترک کلہ جتنا ہو سکے جتنی دیر ہو سکے۔ عبادت کا یہ ایک پہلو ہے۔ اس کے ذریعے سے ہم اتنی بات ظاہر کر سکتے ہیں کہ ہم احسان فراموش نہیں ہیں الانسان عبید الاحسان۔ لیکن ہم کو اس حد پر ٹھیرنا چاہیئے نہیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ سلوک کرے تو ہم اسکے ساتھ سلوک کریں ھل جزاء الاحسان الا الاحسان لیکن ہمارے اور خدا کے درمیان مشکل یہ آکر پڑی ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کوئی احسان نہیں کر سکتے اسکو ہمارے احسان کی ضرورت نہیں پروا نہیں۔ وہ ہے بے نیاز مستغنی۔ لیکن ہاں ایک صورت ہے جس کو جزاء سیئة سیئة مثلها کے قاعدے سے احسان کہا جا سکتا ہے۔ گو وہ حقیقت میں احسان نہیں ہے اور ھل جزاء الاحسان الا الاحسان میں آخر کے احسان سے اسی طرح کا احسان مراد ہے اب یہ تم بتاؤ کہ ہم بندے خدا کے ساتھ کیا احسان کر سکتے ہیں؟

سوال۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

جواب۔ تمہاری کیا بہنوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تم کو بتاؤں تو تم اس پہیلی کو جلد بوجھ لوگے ایک ملکہ وکٹوریا ہے اور ایک ہم ہیں۔ ملکہ کے ہم پر سیکڑوں احسان ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی عملداری میں ہم آرام سے بیٹھے ہیں۔ امن ہے انصاف ہے۔ ریل ہے تار ہے شفا خانے ہیں مدرسے ہیں نہریں ہیں منی آڈر ہیں ویلو پے ایبل ہیں کلبیں ہیں ڈاک خانے جہاز ہیں تجارت ہے غرض وکٹوریا کا عہد ہے

اور ہمارے لیے ہندوستان جنت ہے۔ اب فرماؤ کہ ملکہ کے ان تمام احسانات کا کچھ بدلہ دینا یا نہ دینا۔ دینا اور ضرور دینا۔ مگر ہم اس کو کیا بدلہ دے سکتے ہیں۔ یہی کہ ہم اس کے اطاعت گزار وفادار خیر خواہ احسان مند رعایا ہو کر رہیں۔ اسی طرح کا برتاؤ ہمارا خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ وکٹوریا کے دل میں نیکی کا ڈالنا اُس کو انتظام کا سلیقہ سکھانا اُس کو رعیت پروری اور انصاف کی توفیق دینا اُس کو مملکت ہند پر مسلط کرنا یہ سب اسی کے احسانات ہیں۔ ورنہ بے خدا کی امداد کے ملکہ بیچاری کیا کرتی اور کوئی کیا کر سکتا ہے یہ اسی کے تصرفاتِ قدرت ہیں کہ کروڑوں دلوں کو ایک عورت ذات کے ہاتھ میں مسخر کر رکھا ہے کہ آپ ہزاروں کوس دور بیٹھی ہے اور یہاں پتہ تک نہیں کھڑک سکنے پاتا جس طرح ملکہ کی وفاداری کی شرط یہ ہے کہ ہم اس کے انتظام میں رخنہ انداز نہ ہوں اسی طرح ہمارے بندہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہم خدا کے انتظام میں فتور نہ ڈالیں اور جہاں تک ہم سے ہو سکے اور ہم ہیں ہی کس قابل مگر خیر جہاں تک ہو سکے اُس کے انتظام کو رونق دیں۔ اُس میں سہولت اور عمدگی پیدا کریں۔ بس یہ ہے ساری شریعت کا خلاصہ شریعت کے جتنے احکام ہیں وقت کے لحاظ سے ملک کے لحاظ سے لوگوں کی ضرورتوں اُن کی طبائع اور رسم و عادات کے لحاظ سے لوگوں کے باہمی معاملات درست رکھنے اور انتظام دنیا کو آسانی کے ساتھ چلنے دینے کی غرض سے بنائے گئے ہیں۔ اِن میں سے بعض کی مصلحتوں کو ہم سمجھتے اور بعض کی نہیں۔ اور یہ دنیا کے قوانین کیا ہیں یہ بھی ایک طرح کی شریعت ہے اور اِس شریعت کی غرض بھی وہی ہے دنیا میں امن و عافیت کا قائم رکھنا یہی خیال ہے جس کو لوگوں نے الخلق عیال اللہ کے پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔ یعنی خدا تو جورو بچے نہیں رکھتا اور اُس کی شان اِس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ مگر ہم جو اُس کا برتاؤ خلقت کے ساتھ دیکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو مخلوقات کی ایسی پرداخت منظور ہے جیسی ہم میں سے کسی کو اپنے عیال کی ہوتی ہے تو ہمکو چاہیئے کہ خلق اللہ کو عیال اللہ سمجھ کر ان کا پاس کریں۔ اور دنیا میں جو مصیبت ہے ضرور اُس میں کوئی مصلحت مضمر ہوگی اور عجب نہیں کہ اُس مصلحت میں یہ بھی ہو کہ ہمکو اظہار شکر کا موقع دیا جائے اور نہ نہیں ہے مگر اپنے جنس کی مصیبت میں کام آنا اُن کی حالت کے بہتر کرنے میں کوشش کرنا۔ یہ متعارف عبادتیں جو وضع ہوئی ہیں اِن کی غرض یہ ہے کہ ہم خدا کے خیال کو تازہ

رکھیں مگر صرف خیال کو تازہ رکھنا کوئی چیز نہیں اس کا نتیجہ ہونا چاہیئے عیال اللہ کو نفع پہنچانا - لوگ زینے کی پہلی سیڑھی پر آکر ٹھٹک جاتے ہیں آگے کو قدم نہیں بڑھاتے - اور یہ نہیں سمجھتے کہ زینہ ٹھیرنے کی جگہ نہیں - تو وہ جو میں نے کہا تھا کہ دین یا مذہب کا منشا یہ ہے کہ آدمی اپنی حقیقت کو سمجھے اور دوسروں سے سروکار نہ رکھے اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ آدمی دنیا سے بے تعلق ہو رہے بلکہ غرض یہ تھی کہ دوسروں کے دین و مذہب کے پیچھے نہ پڑے

صادقہ کا مذہبی خواب - عاقبت

سوال - اچھا اس پر تو ایک بڑا سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دین کی ساری عمارت دھڑام سے گر پڑتی ہے لیکن اس اعتراض کے بیان کرنے سے پہلے میں ایک اور خدشہ آپ سے رفع کرانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جو آدمی سے گناہ سرزد ہوتے ہیں میں مانتا ہوں کہ خود آدمی کا نفس ان کے لیے اسکو ملامت کرتا اور جب تک وہ اس گناہ کی سزا نہ بھگت لے اس کو تسکین نہیں ہوتی - اور اسی سے اسکو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مرے پیچھے بھی اس کو ایک طرح کی ہستی ہوگی اور اس ہستی میں اس کو اپنے کیے کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا مگر یہ تو فرمائیے کہ یہ ہستی عارضی محدود و چند روزہ اور وہ ہستی ابدی دائمی مستمر سزا بمناسبت جرم تو نہ ہوئی - غرض وعید خالدین فیہا کے بارے میں میں بیان شافی چاہتا ہوں

جواب - بیان شافی تو یہی ہے کہ اس طرح کے خدشات کو ذہن میں نہ آنے دو - اس ہستی یعنی عاقبت کے بارے میں ہماری ذاتی معلومات تو کچھ بھی نہیں اور کچھ ہو بھی نہیں سکتی - اس کی بھی دل بول رہا ہے کہ کیسی ہی ہو اور کسی طرح کی ہو مگر ہوگی ضرور - ہاں خدا نے اپنے پیغمبر کے ذریعے سے اس ہستی کے بعض حالات جن کا اظہار کرنا اس نے مناسب سمجھا بیان فرمائے ہیں - ان کو یقین کر لینے کے سوائے چارہ نہیں - ان حالات کی زیادہ تفتیش کرنا ہماری عقل کی رسائی سے باہر ہے اور ہمارے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہمارے لیے اتنا بس کرتا ہے کہ عاقبت اور آخرت ہے اور دار الجزا ہے اور اس کو بے کسی کے بتائے سمجھائے ہم باور کرتے ہیں - اور خلود اور ہمیشگی کی نسبت جو تم کو خدشہ واقع ہوا وہ تو کچھ بات نہیں ہم دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ آدمی ایک غلطی کرتا ہے اور وہ غلطی شاید اس نے چند منٹ میں کی مگر اس کا خمیازہ اس کو عمر بھر بلکہ اسکی نسلوں کو بھی بھگتنا پڑتا ہے - مثلاً ایک آدمی نے سنکھیا کھالی - اگر وہ مرا نہیں تو جب تک جیے گا

اپنے کئے کو رو دے گا اور عجب نہیں کہ اس کا اثر اس کی نسلوں میں بھی جاری اور ساری رہے۔ دنیاوی سزاؤں میں پھانسی یا دائم الحبس یا کسی مدت کی قید یہ کیا ہے۔ اگر یہ قرینِ انصاف ہے تو خالدین فیہا کیوں قرینِ انصاف نہ ہو۔ تم اُس وقت پر نظر کرتے ہو جو ارتکابِ جرم میں صرف ہوا نہ نفسِ جرم کی بدی اور اُس کے نتائج پر۔ اور وقت کی کہو تو چوری میں زیادہ دیر لگتی ہے اور آدمی کو چٹکی کے بجانے میں مار دیا جا سکتا ہے تو کیا آدمی کا ہلاک کرنا چوری سے بھی گیا گزرا ہوا۔ غرض واجبی سزا کے لیے جرموں کا صحیح اندازہ کرنا کچھ آسان کام نہیں۔ خدا جانے کتنی مصلحتوں پر نظر رکھنی ہوتی ہے جن کو مقنن ہی خوب سمجھتا ہے حضرت نوحؑ جب اپنی قوم کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے۔ تو انھوں نے بد دعا کی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا اس کی وجہ یہی تھی کہ اُن کی اُمت کا مرض علاج پذیر نہ تھا اور وہ ایسے طبیبِ حاذق سمجھ چکے تھے کہ یہ تو کیا اچھے ہوں گے ان کی جو نسلیں چلیں گی وہ بھی ان ہی کی طرح روگی ہوں گی۔ اور روگ بھی متعدی اس سے بہتر ہے کہ یہ صنف ہی معدوم کر دی جائے۔ اور یہ جو دنیا میں شرافتِ نسب کی قدر کی جاتی ہے اور کہتے ہیں اصل بد از خطا خطا نکند آخر اس کی بھی کچھ نہ کچھ تو اصلیت ہے ہی۔ حیوانات اور نباتات تک میں اس قاعدے کا عملدرآمد دیکھا جاتا ہے تو آدمی میں کیوں نہ ہو۔ اگرچہ میں نے تم کو سمجھانے کے طور پر اتنا کہا مگر پھر میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ طبیعت کی یہ افتاد اچھی نہیں اس خبط کو سر سے نکالو۔ کہ یہی گمراہی کی جڑ ہے۔

[illegible] ثواب ہے۔ مذہبی مباحثہ بڑی بُری بات ہے

اچھا اعتراض تو فرمائیے جس کی نسبت آپ کہتے تھے کہ دین کی ساری عمارت دھڑام سے گری پڑتی ہے۔

سوال۔ ہاں آپ نے کہا تھا نہ کہ آدمی کو چاہئے دوسرے کے دین و مذہب سے سروکار نہ رکھے۔ اول تو یہ ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ آدمی آدمی سے ملیگا ایک جگہ رہے سہے گا تو کیونکر ممکن ہے کہ ایک کے خیالات ایک پر ظاہر ہوں اور یہی تو دنیا میں آگہی پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے اور اگر آدمی دوسروں کے خیالات سے استفادہ نہ کرے تو وہ کسی بات میں بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اپنی منفرد رائے پر اعتماد کرتا اور دوسروں کی بات کو سننا نہیں چاہتا میں نہیں سمجھتا کہ وہ غلطیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے

جواب - تمھارا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ بے شک لوگوں میں جس طرح ضروریات کا مبادلہ ہوتا ہے خیالات کا بھی ہوتا ہے اور اغراض تمدن میں سے یہ غرض سب سے عمدہ اور سب سے ضروری ہے مگر تم نے اس خیال کو کسی قدر زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ بہت سی معلومات اس قسم کی ہیں کہ ہمکو اُس کے بارے میں لوگوں سے پوچھنے گچھنے اور ان کی رائے دریافت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ مثلاً روز روشن میں آفتاب چمک رہا ہے اور ہم اسکو اپنی آنکھ سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم لوگوں سے پوچھتے نہیں پھرتے کہ آفتاب چمک رہا ہے یا نہیں ہمکو بھوک لگی ہے تو ہم کو کسی سے صلاح لینے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ بھوک ہے یا نہیں اور ہے تو اس خواہش کے پورا کرنے کی کیا تدبیر ہے۔ دو اور دو کے چار ہوتے ہیں ہمکو کچھ تردد نہیں ہوتا۔ دین و مذہب بھی میرے نزدیک اسی قسم کی ایک بات ہے۔ جس طرح پیٹ میں بھوک کا تقاضا پیدا ہوتا اسی طرح دل میں دین و مذہب کا اور جس طرح وہ شخص جس کو بھوک لگی ہے جانتا ہے کہ یہ خواہش کیونکر پوری ہوگی اسی طرح وہ شخص جس کے دل میں دین و مذہب کا تقاضا ہے یعنی ہر فرد بشر بخوبی جانتا ہے کہ اس تقاضے کے تسکین کی کیا تدبیر ہے۔

سوال - تو خدا کی طرف سے پیغمبروں کا آنا کتابوں کا نازل ہونا سب بے کار۔

جواب - بے کار کیوں۔ اُسی بھوک کی خواہش کو لو۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ آدمی کو بھوک لگی اور بھوک کا احساس ہوتے ہی اُس کا پیٹ بھر گیا نہیں اُس کو درکار ہوگی غذا۔ اور معمولی غذا کا کیا حال ہے کہ کسی شخص نے حساب کر کے ثابت کیا تھا کہ تین سو آدمی کا ہاتھ لگتا ہے تب ایک نوالہ میسر آتا ہے۔ خیر تین سو میں کسی قدر مبالغہ ہو تاہم قدرتی اسباب کے علاوہ کاشتکار بڑھئی لوہار چمار مزدور نلانے والے کاٹنے والے گاہنے والے اور اس کو پیسنے والی پکانے والی اتنے آدمیوں کے بدوں تو غذا مہیا ہو نہیں سکتی۔ جب ایک غذا کے لیے اتنوں کی ضرورت ہو تو دین و مذہب بے کتابوں اور پیغمبروں کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ بھوک سے مضطر ہو کر انسان کھا لے سکتا ہے وہ چیز بھی جو اس کو نقصان کرے تو اس کے لیے چاہیئے طبیب۔ اسی طرح کا دینی طبیب ہے پیغمبر۔ کیوں ہے یا نہیں؟

سوال - تو پیغمبر لوگوں کے دین و مذہب سے سروکار رکھے بدون تبلیغ رسالت کیسے کر سکتا ہے

جواب - کیا خوب۔ قیاس مع الفارق ہیں ہم نے تمکو منع کیا ہے کہ لوگوں کے دین و مذہب سے سروکار

نہ رکھو۔ پیغمبروں کا یہاں کیا مذکور ہے۔ وہ تو لوگوں کے دین کی اصلاح کرنے کے لیئے آئے تھے۔

سوال ۔ اپنا قرآن میں وہ جو ایک آیت ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون ۔ یہ کون لوگ ہیں ۔

جواب ۔ یہ یہی ہمارے مولوی اور واعظ ۔ سو ان کو بھی اپنے گروہ کے دین و مذہب سے ناصحانہ مشفقانہ اور معلمانہ سروکار رکھنے کا حکم ہے نہ مخالفانہ معارضانہ مخاصمانہ ۔

سوال ۔ نصیحت بے مخالفت کے ہو ہی نہیں سکتی ۔

جواب ۔ مخالفت نہیں ۔ اختلاف کہو اختلاف ۔ اور اگر ایسا ہو کہ نصیحت بے مخالفت کے نہ ہو سکتی ہو تو میں ایسی نصیحت کو روا نہیں رکھتا اس واسطے کہ مخالفت سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے جس کی سخت منا ہی ہے ولا تفرقوا افسوس ہے کہ ہم تم ایسے امر میں بحث کر رہے ہیں ۔ جو نہ تمکو درکار ہے اور نہ مجکو ۔ تم مولوی نہیں واعظ نہیں میں بھی نہیں ۔ اور غالبًا مولوی یا واعظ بننے کا تمھارا ارادہ بھی نہیں ۔ میرا بھی نہیں ۔ تو جو مولوی اور واعظ ہیں اُن ہی کو بینہم و بین اللہ ۔ اس کا فیصلہ کرنے دو ۔ کہ ان کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا کر رہے ہیں ۔

سوال ۔ بے شک میں مولوی نہیں واعظ نہیں اور مولوی اور واعظ بننا بھی نہیں چاہتا ۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آدمی دوسرے کے دین و مذہب سے سروکار کیوں نہ رکھے ۔ جب تمدن کی غرض و غایت یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں تو اس سے بڑھکر اور کونسا فائدہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی دینی غلطیوں کی اصلاح کی جائے ۔

جواب ۔ اول تو کسی شخص کو اسکی دینی غلطیوں کی اصلاح کے لیئے دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں اسکو خدا نے عقل دی ہے سمجھ دی ہے وہ آپ ہی غلطی کرتا اور آپ ہی اس کی اصلاح پر قادر ہے ۔ دوسرے نفوس انسانی کچھ اس طرح کے واقع ہوئے ہیں کہ دینیات میں افہام و تفہیم سے کاربراری نہیں ہوتی ۔ اور اگر افہام تفہیم سے کاربراری ہونے والی ہوتی تو کبھی کا ساری دنیا کا ایک مذہب ہو گیا ہوتا کیونکہ کسی وقت کسی مذہب میں سمجھانے والوں کا توڑا نہیں رہا ۔ بلکہ سچ پوچھو تو اتنے سمجھنے والے نہیں جتنے کہ سمجھانے والے ہیں اس پر بھی ہم نے تو کسی فرقے کو مباحثے اور مناظرے میں مغلوب ہو کر دنیا کے پردے سے معدوم ہوتے

سُنا نہیں۔ ہاں ایسا تو ہوا ہے کہ ایک عقیدے کے معدودے چند آدمی ہوئے اور اتفاق سے اُن کی نسلیں آگے کو چلنی بند ہو گئیں۔ اب اختلافِ مذہب کا یہ حال ہے کہ شاید ہی کوئی برس جاتا ہو گا کہ کوئی نہ کوئی نیا فرقہ نہ پیدا ہوتا ہو۔ اور یہ تو میں نے بڑے بڑے نامی اور مشہور فرقوں کے اعتبار سے کہا ورنہ میرا خیال تو یہ ہے کہ کسی ایک آدمی کا عقیدہ تمام و کمال دوسرے آدمی کے عقیدے سے نہیں ملتا۔ ایک شخص نماز کا بڑا اہتمام رکھتا ہے دوسرا کہتا ہے کہ نماز تو آئے دن پانچ وقت سر پر کھڑی ہے روزے بیچارے کب کب آتے ہیں برس میں ایک بار کچھ بھی ہو یہ ناغہ نہ ہوں۔ ایک حقوق اللہ کا پاس کرتا ہے۔ دوسرا معتقد ہے کہ حقوق اللہ اگر ضائع ہوں تو وہ غفور و رحیم ہے بخش بھی دے گا۔ حقوق العباد کی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے خدا کسی بندے کا حق تلف نہ کرائے کہ اس کی کچھ تلافی ہی نہیں۔

سوال۔ مگر اس کا سبب کیا ہے۔

جواب۔ اس کا سبب ہے انسان کی خلقت۔ جس طرح ایک کا چہرہ مہرہ دوسرے کے چہرے مہرے سے نہیں ملتا اسی طرح ایک کے خیالات دوسرے کے خیالات سے نہیں ملتے۔ بات یہ ہے کہ انسان اس طرح کا مخلوق ضعیف ہے کہ وہ متاثر ہوتا ہے تعلیم سے تربیت سے صحبت سے سوسائٹی سے رسم و رواج سے آب و ہوا سے مزاجِ شخصی سے اپنی خواہشوں سے اپنی ضرورتوں سے اور کوئی جان نہیں سکتا یہ سب باتیں جمع ہو کر کیا نتیجہ پیدا کریں گی۔ اب لوگوں نے اختلافِ مذہب کی وجہ سمجھے؟

سوال۔ سمجھا تو سہی مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف کبھی رفع ہونے والا نہیں۔

جواب۔ بے شک۔ نہ رفع ہوا ہے اور نہ رفع ہو گا۔ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک و لذلک خلقھم

سوال تو پھر کر وہی بات آ گئی کہ کتابوں کا نازل کرنا پیغمبروں کا بھیجنا فضول۔

جواب۔ نہیں۔ فضول ہرگز نہیں۔ دنیا کے قوانین بھی انسدادِ جرائم کی غرض سے بنائے جاتے ہیں اور بھی کلی انسداد نہیں ہوتا۔ اگر دنیا کے قوانین فضول ہوں اگر دنیا کے قوانین سے کچھ فائدہ نہ ہوتا ہو تو دینی قوانین یعنی مذہب بھی فضول اور اس کو بھی بے سود محض خیال کیا جائے۔ اگر دنیا میں جتنا کچھ امن ہے جتنی کچھ خیر ہے سب مذہب کی طفیل سے تو مذہب فضول کیوں ہونے لگا۔ اور پھر

یہ بحث لیجاتی ہے جبر و قدر کی طرف جس میں غور اور خوض کرنے کی ممانعت ہے اور ممانعت کے علاوہ انسان کی فہم سے بالاتر ہے اور اسکے حق میں مفید بھی نہیں۔

سوال - افسوس ہے کہ لفظوں کو بدل سدل کر اسی مضمون کو پھر دوہرانا پڑتا ہے۔ مذہب بکار آمد ہے تو اس کی اشاعت کیوں بکار آمد نہ ہو۔ اور اشاعت بے افہام و تفہیم کے ہو نہیں سکتی اور اسی سے آپ مخالف ہیں۔

جواب - میرے نزدیک دین کی جس قدر اشاعت کو خدا نے انسان کے حق میں مصلحت سمجھا وہ ہو چکی اور یہی نکتہ ہے ختم رسالت میں یعنی خدا نے ہمارے پیغمبر صاحب علیہ افضل الصلوٰۃ کو خاتم النبیین بنایا اور فرمایا کہ اب ہماری طرف سے وحی کا بھیجا جانا ہمیشہ ہمیشہ کو بند۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ دین و مذہب کے متعلق جو کچھ خدا کو سمجھانا منظور تھا سمجھا جا چکا اور انسان کی ہدایت کے لیئے اسکو کافی اور وافی سمجھا۔ اب دین کا جتنا غل دنیا میں مچ چکا ہے وہ قیامت تک فرو ہونے والا نہیں۔

سوال - فرو ہونے والا تو اسی سے نہیں نہ کہ لوگ چرچا کیتے رہیں سو آپ تو چرچے کو منع کرتے ہیں۔

جواب - کچھ قانون کے منع کرنے سے لوگ چرچوں سے باز آگئے ہوتے کہ میرے منع کرنے سے دین و مذہب کا چرچا چھوڑ دیں گے۔ مگر یہ تو سمجھو کہ زمانے کا رنگ دیکھ کر مصلحت وقت کیا ہے۔ چرچا کرنے سے اصل غرض فوت ہوتی ہے یوں تو ساری دنیا ہی عجائبات کا ایک طلسم ہے۔ انسان خود عجیب طرح کا مخلوق ہے اور اس سے زیادہ عجیب ہے اُس کا مذہب۔ مذہب نام ہے من سمجھوتی کا [illegible] جس کا جو عقیدہ ہے وہ اسکو اور اسی کو اور صرف اسی کو نجات کا رستہ سمجھتا ہے اور اپنی جگہ خوش ہے سب کے من یعنی دل یکساں نہیں سب کے مزاج یکساں نہیں سب کی عقل یکساں نہیں سب کی تعلیم و تربیت یکساں نہیں سب کی صحبت یکساں نہیں سب کی سوسائٹی یکساں نہیں سب کی خواہشیں یکساں نہیں سب کی ضرورتیں یکساں نہیں کیونکہ یہی سب چیزیں انسان کی رائے پر اثر کرتی ہیں تو سب کی من سمجھوتی بھی یکساں نہیں ہونی چاہیئے۔ [illegible] بھی نہیں اور ہو سکتی بھی نہیں کیونکہ مذہب ٹھیرا ایمان بالغیب کہ خدا کو کسی نے دیکھا نہیں بھالا نہیں ایسا تو خدا ہے جسکو ماننا پڑتا ہے۔ یہ ہے مذہب کا اصل الاصول۔ اس کے بعد کچھ اصلاح دنیا ہے اور زیادہ تر اصلاح آخرت جس کے مقابلے میں دنیا کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کجا حیات ابدی اور کجا

ساٹھ ستر برس اور اس کا بھی بھروسا نہیں انسان کی معلومات کا یہ حال کہ کوئی نہیں جانتا اور کوئی جان نہیں سکتا کہ کل کیا پیش آئے گا۔ ما تدری نفس ماذا تکسب غدا تو جسکو کل کی اور کل کی بھی کیسی گھڑی لمحے کی بھی خبر نہ ہو وہ حالات بعد الممات میں راے زنی کرے کیا خاک۔ مذہب کے بارے میں لوگوں کی ایسی مثال ہے کہ ایک ہے کوٹھڑی تیرہ و تاریک۔ رات کا وقت اور رات بھی اندھیری۔ کواڑ بند۔ آگے سے پردے ہوئے پڑے۔ اوپر سے ابر غلیظ کظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضہا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا۔ ایسے وقت میں ایسی جگہ پر اندھے لاٹھیاں لے کر چلے مارنے کالی چینوٹی۔ چینوٹی تو کیا مار کھاتی سے لگے آپس میں سر پھٹول کرنے۔

سوال۔ حقیقت میں مذہب بھی عجیب چیز ہے۔

جواب۔ بے شک۔ اور ابھی کیا ہے۔ اور سنو۔ یوں بہتیری باتوں میں لوگ آپس میں اختلاف کیا کرتے ہیں سہ گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن + اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے اور اختلاف کسی قسم کا اور کیسا ہی خفیف کیوں نہ ہو اس میں کسی نہ کسی قدر مخالفت تو ہوتی ہی ہے۔ مگر مذہبی اختلاف تو عجیب طرح کا اختلاف ہے کہ یہ فوراً عداوت کی طرف منجر ہو جاتا ہے اور عداوت بھی ایسی سخت کہ وہ فریقین میں لیت و لعل ہونے نہیں دیتی۔ دنیا میں جتنی خونریزی ابتدا سے آخر تک ہوئی ہے اگر اس کی ایک فہرست بنانی ممکن ہو اور بنائی جائے اور ہر ایک خونریزی کے اسباب تحقیق کیے جائیں تو میرا خیال ہے کہ دوسرے تمام اسباب کے نامہ اعمال میں ایک چھٹانک خونریزی ہوگی تو مذہب کے نامہ اعمال میں ایک سیر یا اس سے بھی زیادہ بلکہ جو ایک چھٹانک بھی دوسرے تمام اسباب کے نامہ اعمال میں ہوگی اس میں سے بھی اکثر میں حضرت مذہب نے ضرور اپنی ٹانگ پھنسائی ہوگی کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بادشاہ بادشاہ لڑتے ہیں طمع ملک گیری سے لڑتے ہیں آپس کی ضد سے۔ اور نام کر دیتے ہیں کروسیڈ کا جہاد کا مذہبی لڑائی کا گویا لڑائی ایک رنگ ہے اور اس میں شوخی اور پختگی نہیں آتی تا وقتیکہ اسکو مذہب کا ڈوب دیا جائے جس طرح سب سے زیادہ خونریزی دنیا میں مذہب کی وجہ سے ہوئی ہے اسی طرح میرا خیال یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ گناہ مذہب کی آڑ میں ہوتے ہیں۔ خاص کر حقوق العباد کے متعلق۔ زاہد کو اتنا معلوم

ہو جائے گو کہ کسی فروعی ہی مسئلے میں ہی اُس کا ہم عقیدہ نہیں پھر قرابت ہمسائگی ہم وطنی انسانیت کے کتنے ہی حقوق کیوں نہ ہوں زید ہے کہ اُس کی نظر میں سب ضائع۔ پھر انسانی طبیعت کو دیکھتے ہیں تو نفوس قُدسی کے سوائے کہ وہ اِس زمانے میں شاذ و نادر ہیں والنادر کالمعدوم کوئی نفس حسد سے خالی نہیں تھوڑا ہو یا بہت۔ ہر شخص اپنی جگہ یہی چاہتا ہے کہ خدا کی جتنی نعمتیں ہیں سب کا وہی ٹھیکہ دار ہو تو عقل باور نہیں کرتی کہ ہمدردی تعصب مذہبی کی باعث ہو یعنی ہر شخص جو یہ چاہتا ہے کہ ساری دُنیا اُسی کی ہم عقیدہ ہو گیا لوگوں کی خیر خواہی نے اس کو اِس خواہش پر مجبور کر رکھا ہے اور اُس کو ایسا دلِ دردمند دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو مبتلائے عذاب الٰہی دیکھ نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اُس کی فیاضی دنیا کی باتوں میں بھی ضرور ظاہر ہوئی ہوتی۔ مگر دنیا میں تو ہم کسی کو ایسا فیاض نہیں پاتے تو معلوم ہوا کہ عام خیر خواہی اور عام ہمدردی کے سوائے تعصب مذہبی کا کوئی اور سبب ہے اور وہ نہیں ہے مگر خود پسندی کہ انسان جب مذہب کے بارے میں ایک رائے قائم کر لیتا [illegible] تسلیم اور اس کی تصویب کریں۔ یہی اصل لم اس تعصب مذہبی کی جو وبائے عام کی طرح لوگوں میں پھیلا ہوا ہے۔

سوال: اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہونا ہے کہ دین کا چرچا بالکل موقوف ہو جائے۔

جواب۔ موقوف ہو جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ چرچا ہو اور ایسی بھونڈی طرح ہو کہ دنیا سے امن و عافیت اُٹھ جائے اور لوگوں میں ایسی عداوت قائم ہو کہ سازگاری کے ساتھ زندگی نہ بسر کر سکیں

سوال۔ ہم تو اب تک یہ سمجھتے تھے کہ دین کی خدمت سے بہتر اور عمدہ اور شریف کوئی کام نہیں اور شاید ساری دنیا کا اِس پر اجماع ہے اور ہر مذہب میں اس کے پیشوا واجب التعظیم سمجھے جاتے ہیں۔

جواب۔ اِس سے کہ لوگ کیا کرتے اور کیا سمجھتے ہیں ہم کو کوئی بحث نہیں۔ ہم کو تو اتنی بات دیکھنی ہے کہ دین کی خدمت جس طرح پر ہو رہی ہے دین کے حق میں مفید ہے یا نہیں۔ سو سینکڑوں برس کے تجربے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اِس طرح کی خدمت سے فائدے کی جگہ دین کو اُلٹا نقصان پہنچتا ہے۔ دشمنیاں پھیلتی چلی جاتی ہیں اور اختلاف مذہب ہے کہ لوگوں کو متفق نہیں ہونے دیتا۔ اور اس کا ضروری نتیجہ ہے ضعف سو ہر جگہ ظاہر ہے۔ جو شخص بودے سے بودا اور غلط سے غلط عقیدہ بھی رکھتا ہے از بسکہ محکوم ہے

سوسائٹی کی تربیت کا، ملکی آب و ہوا کا، مزاج شخصی کا - کچھ نہ کچھ تاثیر کر لیتا ہی اور اپنی جگہ اس کو تسلی ہی
اب جو اسکو اس کے خلاف سمجھایا جاتا ہی - بشرطیکہ سمجھانے کے طور پر سمجھایا بھی جاے اسکی ضد
بڑھتی اور غلطی پر اصرار کرنے لگتا ہی - اگر اس کو اسکی آنکھ کا ناخنہ دکھایا جاے تو وہ ناخنہ کا علاج
نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس خیال سے کہ اس کی عیب جوئی کی گئی ہی اس فکر میں پڑ جاتا ہی کہ اس نے میری
آنکھ میں ناخنہ بتایا لاؤ میں اس کی آنکھ میں ٹینٹ دکھا دوں - اور کس کی آنکھ عیب سے خالی ہی غرض یہ
اس کے نزدیک بھینگا ہی تو وہ اس کے نزدیک کانڑا - آنکھ کسی کی بھی صاف نہیں -

سوال - یہ بالکل سچ ہی کہ اختلافِ مذہب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بڑے بگاڑ پڑ گئے
ہیں مگر اس حالت میں ہمکو ضرور ہی کہ اپنے گروہ کو قوت دیں اور اس سے بڑھ کر کوئی قوت ہو نہیں سکتی
کہ لوگ کثرت سے ہمارے ہم عقیدہ ہوں پس میں تو سمجھتا ہوں کہ ان دنوں مذہبی مناظرات کی سخت ضرورت ہی

جواب - اگر لوگوں کو حق کی تلاش ہو تو مناظرہ بھی کام آسکتا ہی ورنہ مناظرۂ مذہبی سے بدتر کوئی
چیز نہیں - زمانے کا رنگ یہ ہی کہ نہ کہنے والوں کو اظہارِ حق کا تقاضا اور سلیقہ اور نہ سننے والوں کو
حق کی جستجو کیا تم خیال کرتے ہو کہ جتنے مذہبی فرقے دنیا میں ہیں سب مباحثے اور مناظرے سے
پیدا ہوئے ہیں اور مباحثے اور مناظرے ہی کے بل چل رہے ہیں ایسا خیال تو صریح غلط ہی معتقدات
مذہبی میں بہت سی باتوں کو دخل ہی جیسا کہ میں نے بارہا لکھا ہی - ان میں ایک حق بھی ہی یعنی کبھی ایسا بھی
ہوتا ہی کہ آدمی تفتیش و تحقیق کے بعد ایک عقیدے کو حق سمجھ کر اختیار کرتا ہی - لیکن ایسا بہت ہی
کم ہی - اکثر بلکہ عام یہ ہی کہ جو شخص جس عقیدے کے لوگوں میں پیدا ہوا جس عقیدے کے لوگوں
میں اس نے تربیت پائی - جس عقیدے کے لوگوں میں رہا اُن ہی کا سا عقیدہ اس کا بھی ہوتا ہی
اور وہ صمیم قلب سے اسی عقیدے کو حق سمجھتا ہی اور اس کے لیے حق ہی بھی وہی - تو مذہب ایک متوارث
چیز ہی جیسے مال [illegible] جسمانی بناوٹ - پس ابتداے عمر میں لوگ ایک عقیدے کے
پیرو ہوتے ہیں اس واسطے کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کو اسی عقیدے کی پیروی کرتے دیکھا ہی
بڑے ہو کر سو میں ننانوے تو آنکھ بند کیے ہوے اسی عقیدے پر چلے جاتے ہیں - کوئی اکا دکا ایسا ہوا

کہ اُس نے اُس عقیدے کی جانچ پڑتال کی اور فرض کرو کہ اسکو اس عقیدے میں کوئی نقص دکھائی دیا تو اُسنے وہیں اسکی کچھ نہ کچھ تاویل کرلی۔ غرض عقیدہ وہ کا وہی رہا۔ کوئی شاذ ونادر ایسا بھی ہوا کہ تاویل نہ کرسکا تو اُسنے عقیدہ بدل ڈالا۔ مگر ایسے لوگ کتنے ہیں اور کس حساب میں۔

سوال۔ لیکن دنیا میں مذہبی لڑائی اس قدر پھیل گئی ہے کہ اب چپ رہتے بھی تو نہیں بن پڑتا۔ ممکن ہے کہ ہم اپنی طرف سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں لیکن دوسرے بھی چین سے بیٹھنے دیں۔

جواب۔ یہ سچ ہے۔ لیکن پھر بھی اس کے انسداد کی کوئی تدبیر ہے تو خاموشی ہے۔

سوال۔ خاموشی کا ایک بڑا زبون نتیجہ یہ ہے کہ اس سے اپنا ضعف ظاہر ہوتا اور اپنے ہی گروہ کے لوگ شکوک اور شبہات پیدا کرنے لگتے ہیں خصوصاً وہ جن کی دینی معلومات بالکل نہیں یا ہے اور ناقص ہے تو کم سے کم اپنے گروہ کو سمیٹے رکھنے کے لیئے تو مذہبی چھیڑ چھاڑ کا جاری رکھنا پڑیگا ہی گا۔

جواب میں تو دیکھتا ہوں کہ اب اس کا بھی وقت نہیں ایک بڑی خرابی جو اس شان میں ہے یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے سنوارنے میں آپ بگڑتا ہے۔ اُسکو دوسروں کی آنکھ کے ناخنے تو خوب سوجھ پڑتے ہیں اور اپنی آنکھ کا ٹینٹ نظر نہیں آتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تئیں مقبول اور دوسروں کو مردود سمجھنے لگتا ہے۔ اُس کی ساری مذہبی معلومات دوسروں کو ملزم ٹھیرانے کے لیئے ہوتی ہے اور وہ خود پابندی شریعت سے مستثنیٰ لوگوں میں اپنا مذہبی وقار قائم رکھنے کے لیئے اُسکو مذہبی [illegible] کرنی پڑتی ہے تو وہ پابندی [illegible] ریاکاری میں داخل ہے۔ اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے کہ محلہ میں لگی آگ یہ دوسروں کی آگ بجھانے میں رہا اور اپنا گھر جل کر خاک سیاہ ہوگیا۔ اور چونکہ کہتا ہے اور کرتا نہیں اس کی بات لوگوں کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتی۔ یہ بنتا ہے واعظ اور حقیقت میں ہے افسانہ خوان۔ لوگوں کو راہ بتاتا اور آپ اوندھے موںہ اندھے کوئے میں گرتا

سوال۔ تو آپ کے نزدیک جیسا مناظرہ ویسا وعظ۔

جواب۔ ہاں میرا تو ایسا ہی خیال ہے۔ قباحت سے تو ایک بھی خالی نہیں۔

سوال۔ پھر دین سیکھیں تو کس سے سیکھیں اور کیونکر سیکھیں۔

جواب - اپنے نفس سے -

سوال - ع - خفتہ را خفتہ کے کند بیدار -

جواب - نفس انسانی خفتہ نہیں ہے - اسکو خدا نے جیتا جاگتا پیدا کیا ہے اور وہ ہر وقت برے بھلے میں امتیاز کرتا رہتا ہے مگر آدمی خود اسکو تھپک تھپک کر سُلاتا ہے اور اُس کی فریاد نہیں سُننی چاہتا کیا استفت قلبك کا گولڈن رول ذہن سے اُتر گیا کہ جب کسی بات کے اچھے یا برے ہونے میں تردد واقع ہوا کرے تو اپنے دل سے پوچھ لیا کرو وہ نیک و بد کے شناخت کی کسوٹی ہے - دنیا میں بہت سے مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں - مگر ہر فرد بشر پر ایک قدرتی سزا دہندہ مسلط ہے - کانشنس یعنی نفس لوامہ کہ اسکی سزا سے پناہ نہیں اور وہ سزا کیا ہے انسان کا آپ اپنے تئیں ملامت کرنا حاکم ظاہر جسمانی سزا دے سکتا ہے مگر وہ ایسی موذی نہیں ہوتی جیسی روحانی سزا کہ اس کی گجی مار ہے اور بڑے بڑے بڑے بڑے ہیکڑ اس کے آگے چیں بول گئے ہیں اور مرتے دم اقرار ہی کرتے بن پڑا ہے - ایک دیہاتی نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حضرت میں ایک اَن پڑھ دیہاتی آدمی ہوں نہ تو حاضر خدمت رہ سکتا ہوں اور نہ دنیا کے کام دھندے سے زیادہ فرصت پا سکتا ہوں - مجکو تو کوئی مختصر سی بات فرما دیجئے کہ میں اُس پر کاربند رہوں اور وہ میری نجات کے لیئے کافی ہو - آپنے سورۂ زلزال اُسکو پڑھ کر سنا دی جس میں حادثات قیامت کا بیان ہے اور آخر میں کے مطلب سے بھرا ہوا ایک جملہ ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ یعنی جو شخص دنیا میں ذرہ بھر نیکی کرے گا قیامت کے دن وہ نیکی اُسکے آگے آجائے گی اور جو شخص دنیا میں ذرہ بھر بُرائی کرے گا قیامت کے دن وہ بُرائی اُسکے آگے آجائے گی - وہ دیہاتی یہ سُن کر رخصت ہوا اور کہتا جاتا تھا خدا کی قسم اس میں ذرا کمی بیشی نہیں کروں گا - اور آں حضرت حاضرین خدمت سے فرماتے تھے کہ جنتی نہ دیکھا ہو تو اسکو دیکھ لو - لوگوں نے بہت چھان چھان کر دین کو کرکرا کر دیا ہے ورنہ دین سے زیادہ سہل و سلیس کوئی چیز نہیں - اس کا تقاضا انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے - اور ایک ہادی اور رہنما اس کے ساتھ ہے بل الانسان علے نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ یعنی

انسان کیسے ہی حیلے بہانے کرے وہ اپنے نفس کے عیب و صواب خوب دیکھتا ہے۔

صادقہ کا مذہبی خواب - دین کا دستور العمل

سوال - تو جس طرح پیغمبر صاحب نے اس بہائی کو ایک مختصر سی بات تعلیم کر دی اور اس کی تسلی ہوگئی اسی طرح میری حالت کے مطابق آپ ایک مختصر دستور العمل میرے لیے تجویز کر دیجیے

جواب - بسر و چشم - دین کا لب لباب ہے معرفتِ نفس - یعنے اپنے تئیں پہچاننا کہ ہم کیا ہیں - اب کہو تو اسکی کچھ تفصیل کر دوں اور کہو تو خاموش رہوں -

سوال - نہیں تفصیل کی تو سخت ضرورت ہے تاکہ آپ کا مطلب اچھی طرح میرے ذہن میں بیٹھ جائے -

جواب - اپنے تئیں پہچاننے کی کوشش کرو گے تو پاؤ گے کہ آدمی بھی ایک طرح کا جانور ہے کیونکہ اسکی بہت سی ادائیں جانوروں سے ملتی ہیں - وہ دوسرے جانوروں کیطرح جیتا ہے کھاتا پیتا ہے سوتا ہے رنج و راحت احساس رکھتا ہے - اے کاش وہ نرا جانور رہتا - پیدا ہوا ایک وقت خاص تک زندہ رہا مر گیا تو کچھ بھی نہ تھا خس کم جہاں پاک - مگر مصیبت یہ ہے کہ اسکو عقل دی گئی ہے جو اس کو چین سے نہیں رہنے دیتی - یوں آدمی اپنے زور و ظلم سے جو چاہے کر گزرے مگر جانور اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے نہ کھیتی کرتے نہ کپڑا بنتے نہ گھر بناتے اور آدمی کا لے اس کھڑاگ کے گزر نہیں نہ عقل ہوتی اور نہ یہ سب بکھیڑے کرنے پڑتے پیغمبر صاحب نے پرندوں کے حال میں فرمایا ہے تغدو خماصا وتروح بطانا[ل] اور اے کاش عقل اتنے ہی کام کی ہوتی کہ ساز و سامان معیشت کے بہم پہنچانے میں مدد کرتی اور بس نہیں وہ بتاتی ہے کہ اس کارخانہ دنیا کا اور خود آدمی کا کوئی خالق اور بنانے والا ہے اور آدمی کے ساتھ خدا کی ابنائے جنس کی بلکہ سچ پوچھو تو ذرے ذرے کی ذمہ داریاں متعلق ہیں کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[ل] وقتی ضرورتیں اور ترغیبات ایسی پیش آجاتی ہیں کہ آدمی کتنا ہی محتاط کیوں نہ ہو پھر بھی اپنے فرائض کو پورا پورا ادا نہیں کر سکتا اور نہیں کرتا تو اس کا دل اسکو ملامت کرتا ہے اور نہ صرف ملامت کرتا ہے بلکہ اسکے ذہن میں یہ بات جا رکھی ہے دنیا پر خاتمہ نہیں ہے جو کچھ اس زندگی میں کرتے ہیں برا یا بھلا مرے پیچھے اُس کا خمیازہ بھگتنا ہے

ل صبح کو نکلے بھوکے شام کو لوٹ کر آئے پیٹ بھرے - تم سب کے سب چرواہے ہو اور تم سب سے تمہاری رعیت کی بابت سوال کیا جائے گا ۱۲

ہو نہیں سکتا کہ ہم جانور بن جائیں۔ ہو نہیں سکتا کہ سر سے عقل کو نکال ڈالیں ہو نہیں سکتا کہ ایسے خیالات کو ذہن میں نہ آنے دیں۔ بس یہی دین ہے۔

سوال ۔ ایں!!! میں نے تو آپ سے دستور العمل کی درخواست کی تھی۔

جواب ۔ یہی دستور العمل ہے کہ اپنی حالت میں غور کرتے رہو جب سمجھو گے کہ تم کیا ہو تو ضرور یہ بھی سمجھو گے کہ تمکو کیا کرنا چاہیئے۔ دین تمھاری سمجھ سے باہر کوئی چیز تم سے نہیں چاہتا وہ صرف چاہتا ہے کہ سمجھ سے کام لو بس میں نے دین کے متعلق اپنے ضروری خیالات ظاہر کر دیئے ہیں۔ اس پر بھی تم کو کوئی شبہہ ہو تو بیان کرو میں جواب دینے کو موجود ہوں۔

سوال ۔ آپ کی تقریر میں تو مجکو کچھ بھی شبہہ نہیں اور یوں تو دین کے متعلق میرے پاس شبہات کے انبار کے انبار ہیں۔ اور گو اس وقت مجھ سے کچھ پوچھتے نہ بھی بن پڑے تاہم مجکو توقع نہیں کہ دین کی طرف سے میرا دل کبھی مطمئن ہو گا۔

جواب ۔ بے شک جسکو تم نے دین سمجھ رکھا ہے اُسکی طرف سے مطمئن ہونا تو مشکل ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ جس چیز کو خدا نے دل کے اطمینان کے لیئے بنایا ہوا لایا کر الا بذکر اللہ تطمئن القلوب وہی تمھاری بے اطمینانی کا باعث ہو۔ اس کا علاج تو دعا کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

میرا بھی قریب قریب تمھارا ہی سا حال تھا ایک شاید ایسے بھی بدتر اور جس کو انگریزی تعلیم چھو تک بھی چھو جائے گی قسم کھانے کی بات ہے کہ اُس کا ایسا ہی حال ہوگا وہ کہے یا نہ کہے ظاہر کرے یا اگر ہمت والا ہے یا چھپائے داغ دل کا یوں ہی، میں ایک دیندار کے گھر میں پیدا ہوا اور کہہ سکتا ہوں کہ گھر والوں کی دیکھا دیکھی میں بھی اوائل عمر میں دیندار تھا اگر میں اُس وقت اور اس طرح کی لوبنداری کو دینداری کہہ سکوں شامت جو آئی تو مجکو سرکاری کالج میں داخل کر دیا گیا۔ باوجودے کہ کالج پادریوں کا نہیں بلکہ سرکاری تھا اور اُس میں دین و مذہب سے کچھ بحث نہ تھی اور میں انگریزی بھی نہیں بلکہ عربی پڑھتا تھا تاہم چونکہ ہر قسم کے لوگوں سے ملنا جلنا ہوتا تھا مخالف آوازیں کان میں پڑنے لگیں بہت دن

نہیں گزرے تھے کہ میرے مذہبی خیالات میں تزلزل پیدا ہونا شروع ہوا۔ نماز روزہ پہلے گنڈے دار ہوئی
پھر ندارد۔ اور ع خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری ٭ دو چار دفعہ بڑوں کے لحاظ سے
پڑھنی پڑی تو بے وضو ہی پڑھ لی۔ پھر عیسائیت کی طرف رجحان ہوا تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ باقی
نمازوں کی التحیات میں اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ کی جگہ اشہد ان عیسیٰ ابن اللہ کہنے لگا۔ مگر حضرت
عیسیٰ کا خدا اور خدا کا بیٹا ہونا دل میں کچھ اچھی طرح جمتا نہ تھا پھر جھجکتے جھجکتے وہی اشہد ان محمداً
عبدہ ورسولہ کہنے لگتا۔ مونہ سے اقرار دل سے انکار غرض میں کسی وقت عیسائی تھا کسی وقت
مسلمان۔ کسی وقت کچھ بھی نہیں۔ میں اس کی بھی کوشش کرتا تھا کہ مذہبی خیالات کو سر سے
سر میں آنے ہی نہ دوں۔ مگر کوئی نہ کوئی اتفاق ناملائم پیش آتا ہی رہتا تھا کہ وہ خدا سے بے تعلق
محض نہیں ہونے دیتا تھا۔ اپنی بے اختیاری دیکھ کر دل سہارا ڈھونڈتا تھا [illegible] جستجو تھی
جو مذہب کے خیالات کو مٹنے نہیں دیتی تھی۔ اسی حیص بیص میں کئی برس گزر گئے میں اس کا اقرار کرتا ہوں
کہ میری عمر کا کوئی حصہ ایسا نہیں گزرا جس میں ہمہ وقت میں مذہبی خیالات میں مستغرق نہ رہا ہوں
دنیا کے بہت سے کام کاج کرنے کو تھے ان سے فرصت پاتا اور آدمی کی جون میں آتا تو مذہب کا خیال
کرتا کبھی گرویدہ اور کبھی بالکل ہتھے سے اکھڑا ہوا۔ اسی تردد کی حالت میں خدا جھوٹ نہ بلوائے میں نے
علم کلام کی پچاسوں کتابیں دیکھ ڈالیں۔ لیکن کسی ایک سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ اور تسلی ہوتی تو کیونکر
ہوتی۔ عیسائی مثلاً مسلمان پر ایک اعتراض کرتا ہے مسلمان اس اعتراض کو تو نہیں اٹھاتا مگر
ویسا ہی یا اس سے بھی بدتر اعتراض عیسائی پر جڑ دیتا ہے میری طبیعت پر اس سوال و جواب کا
اثر یہ ہوتا کہ دونوں سے بدعقیدت۔ آخر اکتا کر میں نے علم کلام کی کتاب دیکھنے سے تو توبہ کی کیونکہ
ان کو العلم حجاب الاکبر کا مصداق پایا۔ اب مجکو بالکل یقین ہو گیا کہ میں اسی تذبذب اور تزلزل کی
حالت میں مروں گا۔ لیکن اس تصور سے جیسی ایذا مجکو ہوتی تھی بیان نہیں کر سکتا وقتاً فوقتاً خدا سے
دعا بھی مانگتا لیکن کن لفظوں میں کہ اے خدا اگر واقع میں تو ہے تو مجکو اس حیرت سے نجات دے
مباحثے اور مناظرے سے قطع نظر کرکے اب میں آپ ہی مذہب کی ادھیڑ بن میں رہا۔ جب موقع ملتا اکیلا

پیچھا پڑا رہا کرتا تھا شدہ شدہ میرے وہ خیالات ہو گئے جو میں نے تم پر ظاہر کیے۔ اگر بعض
باتیں سب غلط بھی ہوں تاہم میرا دل مطمئن ہے کیونکہ میں نے ان کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور مجھکو
جتنی سمجھ دی گئی ہے اس سے بڑھ کر مجھ سے باز خواست نہیں ہو سکتی لا یکلف اللہ نفسا الا
ما آتٰھا اب بھی مجھکو کبھی کبھی اختلافات اور اعتراضات کا خیال آیا کرتا ہے لیکن پہلے جو مجھکو
پہاڑ معلوم ہوا کرتا تھا اب میں اس کو پھونک مار کر اڑا دیا کرتا ہوں۔ میں نے اصول
ہی ایسے ٹھیرا رکھے ہیں کہ وہ اعتراضات کو اپنے پاس تک نہیں پھٹکنے دیتے۔

سوال۔ وہی اصول تو میں معلوم کرنے چاہتا ہوں۔

جواب۔ عقل انسانی کی نارسائی اور اپنی ہنڈیا کی خیر منانی۔

سوال۔ یہ تو آپ نے ایک پہیلی سی کہہ دی۔

جواب۔ پہیلی نہیں ہے۔ بڑے کام کی بات ہے۔ جتنے بھی اختلافات دیکھتے ہو اکثر بلکہ عموماً ان ہی
دو قسموں کے ہوتے ہیں۔ یا تو انسان عقل سے وہ کام لینا چاہتا ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے ہر شخص
بجائے خود اٹکل دوڑاتا ہے اور ایک کی مت دوسرے سے نہیں ملتی جب ایسی بات تمھارے سامنے آئے فوراً
اس سے کنارہ کش ہو جاؤ اور سمجھ لو کہ ایسی باتوں میں غور کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اختلافات کی
دوسری بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی ناحق بیچ میں آکر یا جھوٹ موٹ خیر خواہی جتا کر دوسرے کے
مذہب کے درپے ہوتا ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ اس میں حقانیت ہی ہو تاہم یہ شخص فرض کو چھوڑ کر نفل کی
دوڑتا ہے اسکو چاہیے پہلے اپنے نفس کی اصلاح جسکے نیک و بد کی اسکو خدا کے یہاں جواب دہی
کرنی ہے وہ اپنی تو خبر نہیں لیتا اور قاضی جی کیوں دبلے شہر کے اندیشے سے دوسروں کی فکر سے
نجات نہیں پس بھائی ہمارا تو یہ وہ چٹکلے ہاتھ آگئے ہیں اپنی ضرورت سے زیادہ مذہب کے غم کو پاس
نہیں آنے دیتے اور شکر ہے کہ بڑے امن و اطمینان سے زندگی بسر ہوتی ہے میں نے سمجھ لیا تھا کہ مذہب کو ذریعہ
اطمینان و تسلی ہونا چاہیے سو یہ صفت ان ہی خیالات میں پائی ہاں ان خیالات پر بھی اس بات کا
کھٹکا تو ضرور لگا رہتا ہے کہ فرائض انسانیت میں مجھ سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ نہ جیسی چاہیے خدا کی

حقوق ادا ہوسکتے ہیں اور نہ ہوسکیں گے مگر خدا کی رحمت پر بھروسا رکھتا ہوں اپنی مغفرت کی طرف سے ناامید بھی نہیں ہوں۔ مذہب تو پوری تسلی دے مگر اپنے کردار بھی تسلی ہونے دیں۔

سوال۔ آپ نے اختلافات کی بھول بھلیوں میں سے نکلنے کے لئے کیا سلسلہ اختیار کیا تھا۔

جواب۔ سب سے پہلے خدا کے بارے میں جہاں تک عقل نے یاری دی اپنے خیالات کو راسخ کیا۔ خدا کی نسبت لوگوں کے جیسے جیسے خیالات ہیں کچھ سنے سنائے معلوم تھے کچھ کتابوں میں پڑھے تھے۔ ان سب کو سمجھا سب کو غور کیا تو جو خیالات اسلام تعلیم کرتا ہے سلیس قریب الفہم اور قرین قیاس معلوم ہوئے بس ایک اسی جڑ کو پکڑ لیا اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ محاکمہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ میں نے دین کو سمجھا ایک عمارت اور خداشناسی کو اس کی بنیاد۔ عمارت جس کی بنیاد درست نہیں گو وہ کیسی ہی نقش و نگار اور ساز و سامان سے آراستہ کی گئی ہو وہ بالکل نامحفوظ ہے علےٰ شفا جرف ھار آئے دو اذا زلزلت الارض زلزالہا کا وقت۔ پہلے ہی جھکولے میں یہ عمارت نہ لڑکھڑا جائے تبھی کہنا۔ اور جب اسلام کی طرف سے پوری تسلی ہوگئی تو مزید تحقیقات کی ضرورت باقی نہ رہی کہ اور لوگ کیا سمجھتے اور کیا کہتے ہیں۔

سوال۔ مصیبت یہ ہے کہ خود اسلام بھی تو اختلافات سے خالی نہیں۔

جواب۔ بے شک۔ اس واسطے کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف واقع ہوئی ہیں لیکن ان اندرونی اختلافات کا رفع کردینا کچھ بھی تو مشکل نہیں۔ اختلافات کے رفع کردینے سے میری یہ مراد نہیں کہ تم ان اختلافات کو دنیا سے معدوم کردو گے۔ یہ اختلافات دنیا کے ساتھ ہیں نہ اس سے جدا ہوئے نہ اس سے جدا ہوسکتے ہیں اور نہ اس سے جدا ہوں گے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اختلافات تم کو حیران و پریشان نہیں کریں گے۔

صادقہ کا مذہبی جواب مقلدوں اور غیر مقلدوں کے جھگڑے

یہ اختلافات اکثر فروعی اور غیر ضروری باتوں پر ہیں جن کی نسبت بہت بحث کی جاتی ہے مثلاً آج کل مقلدوں اور غیر مقلدوں کے اختلافات نے مسلمانوں میں بڑا تفرقہ ڈال رکھا ہے اور وہ لڑتے ہیں کن باتوں پر کہ نماز میں آمین پکار کر کہنی چاہیئے یا آہستہ ہاتھ سینے پر باندھنے چاہئیں یا اس سے نیچے ہٹا کر صف نماز میں مقتدی ایک دوسرے سے ملا کر کھڑے ہونے چاہئیں یا الگ الگ [illegible] ضرورت نہیں یہ سمجھو کہ نماز نام ہے

[illegible]

حرکات خاص قیام ورکوع وسجود وغیرہ کا اوضاع خاص پر جو شارع سے منقول ہیں یعنی ہمکو اُسی طرح پر نماز پڑھنی چاہیئے جس طرح پر خود پیغمبر صاحب نے پڑھی۔ مگر تیرہ سو برس کی بات اور اوضاع میں اختلاف یقین کے درجے تک اوضاع کا متعین ہونا مشکل لیکن ہم دیکھتے ہیں تو ان اوضاع مختلف فیہ میں کوئی بھی شرطِ نماز نہیں۔ شرطِ نماز ہے طہارت استقبالِ قبلہ قراءتِ قیام وغیرہ۔ اور یہ شرطیں تو ظاہر کے اعتبار سے ہیں اور ان کی تعمیل چنداں دشوار بھی نہیں ہر کوئی کر سکتا ہے اور کیا ہی کرتا ہے ایک شرطِ اعظم ہے حضورِ قلب جس کی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ وہ ہزاروں میں کسی ایک بندۂ خدا سے ادا ہوتی ہوگی۔ اور یہ شرط فوت ہو تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ نیکی برباد گناہ لازم۔ بے ادبی اور گستاخی سمجھی جائے تو عجب نہیں۔ بادشاہوں کے بادشاہ دونوں جہان کے مالک اپنے خالق ورازق کے روبرو کھڑا ہوتا۔ آپ کہیں اور دل کہیں تو خدا کو دھوکا دینا اور اس کے ساتھ کھیل کرنا نہیں ہے تو کیا ہے۔ حضورِ قلب نہیں اور تو فرضاً نمازِ پیغمبر کی نقل بھی کرلی اُن ہی کی طرح پکار کے آمین کہی۔ اُن ہی کی طرح سینے پر ہاتھ باندھے ع اینچہ آدم مے کند بوزینہ ہم تو کیا اس سے نماز مقبول ہوگئی ہے جس کے ایسے خیالات ہوں اور ہر ایک نمازی کے ایسے ہی خیالات ہونے چاہئیں وہ کیا پروا کر سکتا ہے کہ آمین پکار کر کہی یا آہستہ ہاتھ سینے پر باندھے یا نیچے ہٹا کر۔

سوال۔ یہ اختلافات تو واقع میں محض بے وقعت ہیں۔ مگر ان لوگوں میں بڑا اختلاف تقلید کا ہے۔

جواب۔ وہ بھی رفع یدین اور آمین بالجہر کے اختلاف کی طرح بے وقعت ہے ائمہ اصول میں اختلاف نہیں کرتے اُن کے اختلاف بھی فروع میں ہیں یا قیاسی باتوں میں جنکے بیئے ان کو نصِ شرعی بہم نہیں پہنچی علاوہ بریں سوچنے اور خیال کرنے کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس لیاقت کے ہیں اور اُن کی دینی معلومات اس درجے کی ہے کہ اُن کو ائمہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہو۔ یا وہ ائمہ کے اختلاف میں محاکمہ کر سکیں پس ایسے لوگوں کو یعنی اس ملک کے اور اس وقت کے مسلمانوں کو تقلید کے سوائے اور کیا چارہ ہے۔ رہی یہ بات کہ نصِ شرعی کے ہوتے دیدہ و دانستہ اُس کے خلاف امام کی رائے پر عمل کیا جائے یہ شاید کوئی احمق سے احمق مسلمان بھی اس کا قائل نہیں غرض سارے فسادات ضد اور سخن پروری کے ہیں ورنہ مسلمان کو مسلمان سے اختلاف کرنے کے معنی کیا۔

صادقہ کا مذہبی جواب۔ سنی شیعوں کا اختلاف

سوال ۔ پہلا سنی شیعہ کے اختلاف کو آپ نے کیونکر رفع کیا ۔

جواب ۔ میرے یہاں یہ بھی غیر ضروری میں داخل ہے ۔

سوال ۔ غیر ضروری !!!

جواب ۔ جی ہاں غیر ضروری بالکل غیر ضروری ۔

سوال ۔ یہ کیونکر ؟ ۔

جواب ۔ یہ اس طرح کہ خدا کو دین اسلام کا جاری کرنا منظور تھا ۔ لوگوں کے معتقدات خدا کے بارہ میں اسقدر بیہودہ ہوگئے تھے کہ اُن کی وجہ سے نظام عالم میں فتور واقع ہوچلا تھا ۔ ان غلطیوں کی اصلاح کے لیئے خدا نے پیغمبر آخرالزماں کو مبعوث کیا ۔ اُن پر قرآن نازل فرمایا جس میں نا مانوس عقائد کا تعلیم کرنا تھا کہ جیسے کسی نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ۔ پیغمبر صاحب کو لوگوں کے ساتھ مطارحات پیش آئے مباحثے اور مناظرے ہوئے اور جیسا کہ مباحثے اور مناظرے کا ہمیشہ انجام ہوا کرتا ہے کشت و خون کی نوبت پہنچی جس کا نتیجہ الحق یعلو ولا یعلی یہ ہوا کہ اِدھر اسلام پھیلتا جاتا تھا اور اُدھر روکھن میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوتی جاتی تھی ۔ پیغمبر صاحب شروع شروع میں صرف پیغمبر تھے اور آخر آخر میں پیغمبری کے علاوہ بادشاہ بھی ۔ خدمت پیغمبری تو کبھی متوارث ہوئی نہیں اور اسکو متوارث ہونا چاہیئے بھی نہیں پیغمبری ایک فضیلت خاص ہے جس کے لیئے خدا اپنے بندوں میں اسکو جو فی علم اللہ اس کا اہل ہوتا ہے منتخب فرما لیتا ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ پیغمبر صاحب کی وفات کے ساتھ پیغمبری کا خاتمہ ہوگیا ۔ اور وحی کا آنا موقوف مگر قرآن جیسا اور جتنا خدا کو اُتارنا تھا پیغمبر صاحب کے جیتے جی مدون ہوچکا تھا ۔ اور وہ دین کے لیئے کافی اور وافی ہے حسبنا کتاب اللہ اگر پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد دین کے لیئے کسی نائب یا خلیفہ یا امام کی ضرورت تھی تو وہ ایسی ہی ضرورت تھی جیسی مسئلہ بتلانے دینیات کا درس دینے اور وعظ کہنے کے لیئے مولویوں کی ضرورت ہے مگر سلطنت جانشین کے بدوں ایک لمحہ بھی نہیں چل سکتی تھی ۔ چنانچہ اس جانشینی کا سلسلہ ایک وضع ۔۔۔ اس میں غور و خوض کرنا کہ واجب تھا یا غیر واجب مناسب تھا یا نامناسب

پیغمبر کے جانشین ہونے کے مستحق تھے یا غاصب۔ اُسی قسم کی بحث ہے کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی
جسکو نہ دین سے کچھ تعلق اور نہ دین اس کا متقاضی۔ یہ بحث اب تیرہ سو برس بعد کیا فائدہ دے سکتی ہے
یا اُن ہی وقتوں میں جب کہ یہ جانشینیاں ہو رہی تھیں اس بحث نے کیا فائدہ دیا ہونے والی بات کو
کون روک سکتا تھا۔ ولایت کے کسی کلب میں ایک مرتبہ یہ بات زیر بحث تھی۔ کہ جلال الدین اکبر
اور عالمگیر اورنگ زیب دونوں میں کون اچھا بادشاہ تھا۔ کچھ لوگ اکبر کے جانب دار ہوئے اور کچھ عالمگیر
کے۔ باتوں باتوں میں تکرار ہو پڑی۔ طرفین میں بعض بعض ایسے تیز مزاج تھے کہ فرانس کے علاقے میں جا کر
ڈوئیل لڑے۔ ہیں تو ان میں اور سُنّی شیعوں میں کچھ بھی فرق نہیں کرتا۔

سوال سُنّی شیعہ کے اختلاف کو اُس اختلاف پر جو اکبر اور عالمگیر کے بارے میں کیا جاوے قیاس کرنا بڑی
بے انصافی ہے۔ سُنّی شیعوں کا اختلاف اختلاف ہے اُن لوگوں کے بارے میں جو پیغمبر صاحب کے حواری
اور شاگرد اور بعض اُن کے بہت پاس کے رشتہ دار اور اُن کے تربیت یافتہ تھے اور جن کے اعمال پیغمبر
صاحب کی تعلیم یعنی اسلام پر اثر کرتے ہیں یہ اختلافات یوں سرسری طور پر نہیں ٹرخائے جا سکتے

جواب۔ ابھی دین کے بارے میں تمہارے خیالات ہی کا ٹھکانا نہیں سب سے زیادہ مکروہ پیرایہ جو اس اختلاف
کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ وہ لوگ پیغمبر صاحب کے حواری اور شاگرد اور قرابت مند اور اُن کے
تربیت یافتہ ہو کر خلافت یعنی سلطنت کے لئے لڑے اور ضرور ہے کہ ان دو مخالفوں میں ایک
حق پر ہو اور دوسرا ناحق پر تو جو ناحق پر تھا کیوں اُسکو جانشین پیغمبر اور کیوں اُسکو واجب الادب
مانا جاوے طلب سلطنت کو اُن لوگوں کی شان کے شایاں سمجھنا پہلی غلطی تو یہی ہے۔ دنیا اور دین
میں جو علاقہ ہے اسلام سے بہتر اس کی توضیح شاید کسی مذہب نے نہیں کی شروع سے اس کے سمجھنے میں لوگوں نے
غلطی کی اور غلطی کی وجہ واقع ہوئی دنیا کی بے ثباتی۔ بے ثباتی کے خیال سے دنیا کو جس قدر حقیر اور ذلیل
سمجھا جاوے بجا اور درست۔ مگر وہ ایسی ہی حقیر اور ذلیل ہے جیسے باغ میں بہار کا موسم کہ چند روزہ تو ہے
مگر چند دن ہے ایسا کون سا کوڑھ مغز ہے جسکو بھلا نہ لگے اور رنگ برنگ کے پھولوں کو دیکھ کر سونگھ کر
اُس کا دل باغ باغ نہ ہو جائے۔ بے ثبات ہے تو اور چند روزہ ہے تو مگر دنیا کو بھی خدا نے کسی ایسی

بنایا ہے ربنا ما خلقت هذا باطلا[1] کہاں کا دین ہے کہ دنیا میں اتنے کیڑے ڈالے جائیں کہ اس میں رہنا حرام اس کو طلب کرنا منع ایسا دین کبھی چلا ہے اور چل بھی سکتا ہے؟ اسلام کی یہی تو بڑی عمدگی ہے کہ وہ ہر بات میں فطرت انسانی کے مطابق ہے اس نے لوگوں کو ہرگز تقدس ادعائی اور زہد ریائی کی تکلیف نہیں دی اور دنیا جہان میں منادی کر دی۔ لا رہبانیۃ فی الاسلام[2] اور من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق[3] پھر پیغمبر صاحب کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو اُن کا اصلی مدعا دنیا میں خدائے واحد کی پرستش اور حسنِ معاشرت کا قائم کرنا تھا مگر اس فکر سے بھی غافل نہ تھے کہ مسلمانوں کی ایک خاص سلطنت قائم ہو اور اگرچہ تھوڑی مہلت پائی مگر جب تک تمام جزیرۂ عرب کو مطیع نہیں کر لیا انتقال نہیں فرمایا۔ تو قرآن اور نمونۂ پیغمبر کے ہوتے یہ کہنا کہ اسلام ترکِ دنیا کا متقاضی ہے صریح بہتان ہے۔ ہاں اسلام یہ ضرور چاہتا ہے کہ دنیا کو نیکی اور حسنِ معاملہ کے ساتھ برتو۔ تو اگر پیغمبر صاحب کے رفقا نے اُن کے شاگردوں نے اُن کے عزیزوں نے سلطنت کی خواہش کی اور خواہش کے ساتھ منافست یعنی ہر ایک دعویدار نے چاہا کہ یہ نعمت اُسی کے ہاتھ لگے۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ اس خواہش اور منافست سے اُن کے اسلام میں کیوں فتور واقع ہونے لگا۔ اب بھی مسلمانوں میں چھوٹی چھوٹی بے حقیقت باتوں کے لیے کشمکش ہوتی رہتی ہے۔ ایک مدعی ہوتا ہے دوسرا مدعا علیہ۔ اور عدالت تک مقدمے لڑتے چلے جاتے ہیں اور کبھی کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ اس مقدمہ بازی سے کوئی فریق دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا۔ ہر ایک فعل کا بُرا یا بھلا ہونا موقوف ہے نیت پر۔ اور نیت کا حال صاحبِ نیت اور خدائے عالم الغیب کے سوا کوئی جان نہیں سکتا۔ ہاں بعض قرائن سے تحری یعنی اٹکل کی جا سکتی ہے سو جن لوگوں کی کشاکش پر سُنی شیعوں کا اختلاف مبنی ہے ان کے خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد کے حالات دلالت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے دنیوی اغراض کی طمع سے خلافت یعنی سلطنت کی آرزو نہیں کی۔ بلکہ اسی میں اسلام کا فائدہ سمجھا کر زمامِ سلطنت خود اپنے ہاتھ میں لیں۔ اُنھوں نے حکومت سے کوئی حظ نہیں اُٹھایا اُنھوں نے بیت المال کی رقم کو ضرورت سے زیادہ اپنے اوپر حرام سمجھا اور کوڑی کوڑی پر جان دی اُنھوں نے

---

[1] اے پروردگار تو نے دنیا کو بے کار محض تو نہیں بنایا ۱۲ [2] اسلام میں جوگی سنیاسی بننے کا کچھ کام نہیں بنایا ۱۲ [3] زینت کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے ایجاد کی ہیں اور مزہ دار کھانے ان کا حرام کرنے والا کون ۱۲

سلطنت کو ودیعت الٰہی سمجھا اور جس خیال سے لی تھی اسی خیال سے بھائی کو نہیں بیٹے کو نہیں جسے اہل سمجھا
حوالے کی اور پیغمبر صاحب کی حیات میں اسلام کی جیسی جیسی انھوں نے خدمتیں کیں کوئی ایسا ہی ہٹ دھرم
ہو تو ان کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ لے اس روداد پر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے
غصباً طمع دنیا کی وجہ سے خلافت طلب کی تھی۔ غایت ما فی الباب یہ کہ انھوں نے اپنے استحقاق کے
اندازہ کرنے میں غلطی کی ہو۔ تو کیا اس ایک غلطی کی پاداش میں ان کے تمام عمر کے حقوق فراموش کر دیئے
جا سکتے ہیں۔ حاشا ثم حاشا۔ اصل الامر کو تو کوئی پاتا نہیں ورنہ مسلمان کی زبان پر ان اختلافات کا
نام بھی تو نہیں آنا چاہیئے۔ لوگ مذہبی تقدس کی لے کو اتنا اونچا لے گئے ہیں کہ سارا راگ بے سنت
ہو رہا ہے۔ انسان کو انسانیت کے جامے میں نہیں دیکھ سکتے اور گو منہ سے نہیں کہتے مگر ان کی
باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل دیندار وہ ہے جو فرشتوں کی طرح تمام انسانی کمزوریوں انسانی خواہشوں
سے مطلق بری ہو جب مجرد دیندار ہونے کے لیئے یہ قید ہو تو پیغمبر کا کیا پوچھنا ہو لوگوں کا بس چلے تو
اسے آدمیت کو چھونے بھی نہ دیں پیغمبر کی نسبت آگے تو اس قسم کے خیالات تھے۔ ۵۱ وقالوا ما لهذا
الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ ۲ لولا انزل علیه کنز او جاء معه ملائکة۔ ۳ وما ارسلنا من
رسول الا بلسان قومه لیبین لهم۔ ۴ ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذریة۔ ۵ لولا
نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ ۶ وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم من
اهل القری۔ ۷ وما جعلناهم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین۔ ۸ لولا انزل علیه ملك
فیکون معه نذیرا او یلقی الیه کنز او تکون له جنة یاکل منها۔ ۹ وقالوا لن نؤمن لك حتی
تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لك جنة من نخیل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا او

۱ اور کافر کہتے ہیں اس رسول کا کیا حال ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ۱۲ ۲ اس پر غیب سے کوئی خزانہ نازل کیوں نہ ہوا یا اس کے ساتھ اس کی مدد کو کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا ہو ۱۲ ۳ اور ہم نے جو رسول بھیجا اپنی ہی قوم کی بولی میں گفتگو کرتا ہوا بھیجا تاکہ لوگوں کو سمجھا سکے ۱۲ ۴ اور اے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے وہ بیبیاں بھی رکھتے تھے اور اولاد بھی ہو ۵ مکہ مدینہ دو بڑے شہر ہیں ان میں کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن نازل کیوں نہ ہوا ۱۲ ۶ اور اے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھی قصباتی لوگوں کو رسول بنا کر بھیجا اور ان پر وحی نازل کی ۱۲ ۷ اور ہم نے پیغمبروں کو ایسے بُت نہیں بنائے تھے کہ ان کو کھانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ وہ لوگ سدا سدا کو دنیا میں رہنے والے تھے ۱۲ ۸ اس پیغمبر کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا کہ اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا یا اس کے پاس غیب سے خزانہ آ اترا ہوتا یا کوئی باغ ہوتا کہ اس کی پھل پھلاری کھایا کرتے ۱۲ ۹ اور کافر کہتے ہیں کہ اے پیغمبر ہم تم پر ایمان لانے والے ہی نہیں مگر یہ کہ تم زمین میں سے پانی کا ایک چشمہ جاری کر دو یا تمہارا کوئی باغ ہو اس میں چھوہارے اور انگور پیدا ہوں اور تم اس کے بیچ بیچ نہریں بہا دکھاؤ یا جو دھمکایا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا گراؤ یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لا کھڑا کرو
[illegible]

تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملئکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ ان چند باتوں سے جو صرف نمونے کے طور پر بیان کی گئی ہیں پتہ لگتا ہے کہ لوگوں کے خیال میں پیغمبر کو کیسا ہونا چاہیے تھا۔ آدمیوں سے بالاتر فرشتہ شان خدائی لیے ہوئے پیغمبر صاحب نے اپنی سی بہتیری کی کہ اُن کی نسبت ایسے خیالات نہ کیے جائیں اور اُن کے اصرار سے اور پکار پکار انما انا بشر مثلکم فرمانے سے ان خیالات میں بہت کچھ کمی ہوئی بھی مگر لوگوں کے اصلی رجحانِ طبیعت کو کیا کیا جائے۔ رنگ کٹ گیا مگر دھبہ باقی اُن ہی خیالات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ پیغمبر کے رفیق پیغمبر کے عزیز پیغمبر جیسا تقدس اور تقدس بھی وہ تقدس جو انھوں نے سمجھ رکھا ہے نہ رکھتے ہوں تو انھیں جنس کے فرق سے اس کے لگ بھگ ہوں۔ یہ ہی اصلی جڑ سُنی شیعوں کے اختلاف کی۔ لوگوں نے پیغمبر صاحب کے خانگی حالات کی ٹوہ لگائی تو معلوم کیا کہ باپ تو شیر خوار ہی چھوڑ گئے تھے۔ پیغمبر صاحب نے دادا کے [illegible] پرورش پائی پھر دادا کا سایہ بھی سر پر سے اُٹھ گیا تو چچا نے سرپرستی کی۔ یوں پیغمبر صاحب نسب میں حسب میں خدانخواستہ کسی سے ہیٹے نہ تھے مگر پھر بھی تھے غریب آدمی۔ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایک بیوہ بی بی تھیں مگر تھیں بڑی مالدار اور ملک شام کے ساتھ اُن کی بڑی تجارت تھی۔ اُن کو متدین کارندے کی تھی جستجو اُنھوں نے پیغمبر صاحب کی دیانت امانت راستبازی حُسنِ معاملت کا حال سنا تو اُن کو مال تجارت دے کر شام کو روانہ کیا اور یہ پیغمبری سے پہلے کی بات ہے بھلا جس شخص کو خدا نے پیغمبری کے لیے منتخب کیا ہو اور وہ تجارت کرے تو اُس تجارت میں برکت نہ ہوتی ہو تو ہو۔ اس پھیرے میں خدیجہ کو توقع سے بہت بڑھ کر نفع ہوا اور اُنکے غلاموں نے جو مال کے رکھ رکھاؤ کے لیے ساتھ تھے پیغمبر صاحب کی ہر طرح کی تعریفیں بیان کیں خدیجہ تو پیغمبر صاحب کی گرویدہ ہو گئیں اور پیغمبر صاحب سے نکاح کا پیام دیا اُدھر خدیجہ کی قدردانی اِدھر پیغمبر صاحب کی احسان شناسی۔ باوجودیکہ خدیجہ بیوہ ہونے کے علاوہ پیغمبر صاحب سے پندرہ برس بڑی تھیں پیغمبر صاحب نے منظور فرما لیا۔ اب پیغمبر صاحب نے دنیا داروں کی نظروں میں ایک وقار پیدا کیا ہم تو پیغمبر صاحب کی اس بات کے قائل ہیں کہ باوجودے کہ عرب میں متعدد نکاح کر لینے کا عام رواج تھا مگر خدیجہ کے ساتھ پیغمبر صاحب

نے اس قدر مروت برتی کہ جب تک زندہ رہیں دوسرے نکاح کا خیال بھی تو نہیں کیا۔ جس طرح خدیجہؓ کے مال میں خدا نے پیغمبر صاحب کے شمول سے برکت دی تھی اسی طرح اُن کے نکاح میں بھی برکت دی کہ بیٹے بھی ہوئے اور بیٹیاں بھی ہوئیں۔ سو بیٹے تو خدا کی مرضی زندہ نہ رہے۔ بیٹیوں میں صرف حضرت فاطمہؓ پیغمبر صاحب کے بعد جیتی رہیں وہ بھی چھ مہینے۔ اِدھر خدیجہؓ کا موتہ تھا کہ پیغمبر صاحب نکاح کا قصد نہیں فرماتے تھے ان کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب نے کئی بیبیاں کیں۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول کی بیٹی اُم المومنین عائشہ سربرآوردہ تھیں۔ ایک تو پیغمبر صاحب کی ازواج طاہرات میں صرف حضرت عائشہؓ تھیں جن کے پہلے شوہر پیغمبر صاحب تھے۔ دوسرے ان کے باپ پیغمبر صاحب اور اسلام کے بڑے حقوق تھے کہ وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ اور شروع سے آخر تک برابر جان و مال دونوں سے پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر۔ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور اچھے خوش حال آدمی تھے۔ مگر سارا مال پیغمبر صاحب اور اسلام کی تائید میں خرچ کر کرا کے آخر کو خالی ہاتھ رہ گئے۔ ہجرت کے اُس نازک اور جان جوکھوں کے وقت میں کہ کافروں نے پیغمبر صاحب کے مار ڈالنے کے منصوبے کر لیئے تھے اور پیغمبر صاحب بے سروسامان رات کو مکے سے نکل بھاگے تھے اور بنظر ظاہر کوئی اُمید نہ تھی کہ صحیح سلامت بچ کر جائیں گے۔ یہی ابوبکرؓ تھے جنھوں نے پیغمبر صاحب کا ساتھ دیا۔ مخالف جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں کہیں ان واقعات کو کون مٹا سکتا ہے کہ پیغمبر صاحب نے نکاح بھی کیئے تو ایسے وقت کیئے جب جوانی کی شورش فرو ہو چکی تھی اور اکثر بیوہوں کے ساتھ اور بیبیوں کے ساتھ کہ اُن کے حالات پکارے کہتے ہیں کہ ان کو زوجیت میں لینا ان کے حفظ مرتبت کے لیئے تھا یا ان کی دلجوئی کی لیئے یا اسلام کی خاطر ان کے میکے والوں کی استمالت کے لیئے۔ بہرکیف پیغمبر صاحب کی ازواج طاہرات میں سے حضرت عائشہؓ سب میں سربرآوردہ تھیں۔ اُدھر حضرت فاطمہؓ تھیں تو بیٹی مگر عائشہؓ سے عمر میں بڑی صاحب اولاد کہ ان ہی سے پیغمبر صاحب کی نسل چلی اور سید کہلائے۔ پھر بیٹی بھی کس ماں کی تھیں خدیجۃ الکبریٰؓ کی جن کے احسانات اور حسن معاشرت کو پیغمبر صاحب جب تک جیئے ہمیشہ یاد کیا کیئے۔ غرض عورتوں میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ پرلے درجے کی خصوصیت تھی اور ان دونوں میں بتقاضائے بشریت ایک طرح کی کشیدگی رہا کرتی تھی حضرت عائشہؓ

کا حال یہ تھا کہ پیغمبر صاحب نے بیبیوں کی باری باندھ رکھی تھی لیکن دل پر تو کسی کا قابو نہیں چلتا
لوگوں کو میلانِ طبع معلوم تھا۔ اُم المومنین سودہؓ نے تو اپنی باری تک بطوعِ خاطر عائشہؓ کو
دے دی تھی۔ اور میل ملاپ والوں میں کسی کو کچھ تحفہ تحائف بھیجنا ہوتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا
انتظار کرتے۔ جانتے تھے کہ پیغمبر صاحب کی اصلی بی بی وہی ہیں! رہیں حضرت فاطمہؓ تھیں تو بیٹی۔ مگر جب
والدِ بزرگوار کی خدمت میں تشریف لاتیں تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ بیٹھنے کو اپنی ردا بچھا دیتے
گھنٹوں تخلیہ کرتے۔ ان دونوں کا رشتہ ہی ایک دوسرے سے کشیدہ رہتا۔ سیرت پیغمبر میں ان لوگوں کے حالات
پڑھو تو وہ لوگ بھی ہم ہی جیسے آدمی تھے ہم ہی جیسی طبیعتیں۔ اسلام نے ان کے معتقدات کو بدلا تھا ان کے معاملات
کی اصلاح کی تھی نہ اُن سے انسانیت اور بشریت سلب کر لی تھی۔ لا تبدیل لخلق اللہ۔ پیغمبر صاحب
کی ازواجِ طاہرات میں قریب قریب اسی طرح کے محاسدات تھے جیسے اس زمانے کی سوکنوں
میں ہوتے ہیں۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اگر زندہ ہوتیں اور پیغمبر صاحب اُن کی زندگی میں عائشہؓ کے
ساتھ نکاح کر بیٹھتے تو دونوں میں سوکناپے کا رشتہ ہوتا۔ اب حضرت فاطمہؓ اپنی ماں کی قائم مقام
تھیں اور عائشہؓ سے اُنکی رکاوٹ بڑی ہی بات تھی بس اب آپ ہی سے فیصلہ کرا لو کہ ان دونوں
کی رکاوٹ اور کشیدگی کو خود ان دونوں کے اسلام میں پیغمبر صاحب کی پیغمبری میں ہم امتیوں کے دین
و مذہب میں کیا دخل ہے۔ اگر ایسی ایسی باتوں سے اسلام جانے لگا تو دنیا میں نہ کبھی کوئی مسلمان تھا
نہ کوئی اب ہے اور نہ کوئی آئندہ ہو گا۔ مسلماں در گور و مسلمانی در کتاب اور اچھا فرض کیا اسلام جاتا
تو کس کا انھیں کا جو ایک دوسرے سے کشیدہ رہے۔ پیغمبر تک اس کا اثر کیوں متعدی ہونے اور پھر گیہوں کے لپیٹے
ہم بیچارے اُمتیوں کا گھن کیوں پیسا جانے لگا۔ غضب خدا کا خدا کو ایک مانیں پیغمبر اور قرآن اور آخرت سب کو
برحق۔ نمازیں پڑھیں روزے رکھیں حج کریں زکوٰۃ دیں اور پھر دوزخی کے دوزخی کیوں اس لیے
کہ عائشہؓ اور فاطمہؓ ایک دوسرے سے روٹھی رہتی تھیں۔ اچھا پھر ہم کیا کریں ہمارے اختیار کی بات ہے
ہم نے ان کو لڑوایا۔ یا اب ہم ان کا ملاپ کرا سکتے ہیں پیغمبر صاحب نے ان کو ملانا چاہا تب تو ملیں ہی
نہیں عائشہؓ تو فاطمہؓ کا کیا کر سکتی تھیں کیونکہ فاطمہؓ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ نسبت جزئیہ تھی۔ مگر ہاں

اور ایک عائشہ رضی کے حق پر فاطمہ کے شوہر حضرت علی رض نے پیغمبر صاحب کو عائشہ رض کے چھوڑ دینے کی ضرور صلاح دی تھی عورت کو گھر کے اجڑنے کا بڑا صدمہ ہوتا ہے اور پھر گھر بھی عائشہ رض کا سا گھر کہ دین کی پیغمبری اور دنیا کی بادشاہت عائشہ رضی عنہا تھیں تو پیغمبر صاحب کی بی بی مگر پھر بھی تھیں تو آدمی ممکن نہیں کہ ان کو حضرت علی رض کی صلاح کی خبر نہ ملی ہو۔ اور خبر ملے پیچھے جیسا کچھ ملال ان کو علی رض کی طرف سے ہوا ہوگا اور رہا ہوگا ظاہر پھر اس سے انکار ہو نہیں سکتا کہ حضرت علی رض خلافت کے دعویدار ضرور تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے پیغمبر صاحب کے تو داماد کہو بیٹا کہو بھائی کہو یہی تھے اور چند در چند قرابتوں کے علاوہ علم و فضل و شجاعت میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ اور سبب استحقاق ایک طرف اور فاطمہ رض کا موجود ہونا ایک طرف۔ کوئی یہ چاہتے استحقاق کے ہوتے سلطنت جیسی چیز کو چھوڑ بیٹھے۔ اور یہ نہ صرف علی رض کا خیال تھا بلکہ سیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صاحب کے تمام قرابت [illegible] کا یہی خیال تھا۔ دوسرے دعویدار بھی کہیں رستہ چلتے نہیں آ گئے تھے۔ ان کو بھی پیغمبر صاحب کے ساتھ طرح طرح کی خصوصیتیں تھیں اور سب سے فائق یہ کہ اس وقت کا رنگ دیکھ کر اپنی کامیابی کا یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ کامیاب ہوئے بھی شاہجہان بادشاہ کے چار بیٹے چھوڑ کر مرا تھا۔ کوئی محلاتِ شاہی کی طرفداری پر نازاں تھا۔ کوئی ارکانِ سلطنت سے ملا ہوا تھا کسی کو اس بات کا گھمنڈ تھا کہ عین وقت پر بادشاہ کے پاس ہوں۔ اور آسانی سے خزانہ اور قلعہ اور لوازم شاہی پر قبضہ کر سکتا ہوں۔ کوئی اپنی تدبیر اور حکمت عملی پر بھروسا رکھتا تھا یہی سب سے چھوٹا عالمگیر اور آخر کار اسکے سامنے کسی کی بھی نہ چلی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ خلافتِ اسلامی کا بھی یہی حال ہوا۔ اُٹھے وہ جو اسکے لئے اُٹھنے کی تدبیر کر سکتے تھے اور ان کے بعد کی کارروائیوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اسکے اہل بھی تھے۔ اس بات کو تو عقل قبول نہیں کر سکتی کہ پیغمبر صاحب نے کسی کو بتعیین و تخصیص اپنا جانشین کیا ہو۔ جو شخص ایک نیا مذہب چلا کر لوگوں سے سینکڑوں ہزاروں برس کے معبودوں کی پرستش ان کے عزیز ان کے مال و اسباب ان کے وطن چھڑا دے جو شخص تمام جزیرۂ عرب بلکہ تمام دنیا میں ایک تہلکہ مچا دے جو شخص ہزاروں لاکھوں خون کرا دے اُس کو اپنے جانشین کا تسلیم کرا دینا کیا مشکل تھا اسکو اپنے اتباع پر وہ اقتدار حاصل تھا جو کسی بادشاہ کو [illegible] ایسی جابر اور زبردست کیوں نہ ہو نہ کبھی

حاصل ہوا اور نہ کبھی حاصل ہو سکتا ہے وہ لوگوں کی نہ صرف اس چند روزہ زندگی پر حکومت کرتا تھا۔ انما تقضی ہذہ الحیوۃ الدنیا بلکہ اس آنے والی ابدی لازوال زندگی پر بھی۔ وہ نہ فقط جسموں کے ہلاک کر دینے پر قادر تھا بلکہ روحوں کے تباہ کر دینے پر بھی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ پیغمبر صاحب آدمی تھے کثیر العلائق (میں نے آدمی بھی ڈرتے ہی ڈرتے کہا ہے) بہتیروں کے ساتھ طرح طرح کی خصوصیتیں رکھتے تھے اور کبھی کبھی اظہار احسان مندی یا دلدہی کے طور پر تحسین اور شاباش کی ضرورت واقع ہوتی تھی اس کو کسی نے جانشینی کی بشارت سمجھ لیا ہو تو اس کی خوشی۔ جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ فاطمہؓ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے اور باپ بھی کیسے باپ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا اس پر حضرت علیؓ کا خلافت سے محروم رہنا اور نمک بر جراحت ترکہ پدری باغ فدک کا دعوی کرنا اور مقدمے کا ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا مگر ان کے صبر و ضبط ان ہی کے ساتھ تھے پھر بھی ان ہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینے کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنھوں نے ان کو رنج دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی بھی مناہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہو تاہم ان کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؓ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے علیؓ کو اگر وہ اہل نہ بھی تھے برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیتا تھا۔ مگر باغ فدک کے دے دینے میں ایسی کونسی قباحت تھی۔ غایت ما فی الباب حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ کے خلاف ہو تو ہو۔ گناہ اگر ہوتا تو فاطمہؓ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتیں سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اس میں ضعف آگیا۔ اور رفتہ رفتہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں نمونہ دکھانے کے قابل نہیں ہے۔ ہم کو تو اس واقعے کا خیال کر کے

وہ پیغمبر کا قول تقتلون انبیاء اللہ ان کنتم مؤمنین یاد آجاتا ہے۔ کیا بات کا بتنگڑ بن گیا کہ کچھ کہتے نہیں بن پڑتی عیسائی اور بڑے شد و مد کے ساتھ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر پردے کی قید لگا کر اور مردوں کو متعدد نکاحوں کی اجازت دے کر عورتوں کے حقوق کو بالکل پامال کر دیا۔ اور مسلمانوں کی بیبیاں بہو بیٹیاں لونڈیوں سے بدتر ہوئیں نہ ہوئی برابر۔ مگر ایسی ہوئی نہ ہوئی برابر ہیں کہ ان عورتوں ہی کی وجہ سے مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہو رہے ہیں ایک دوسرے کے مخالف۔

سوال۔ اچھا پھر آپ سنی ہیں یا شیعہ۔

جواب۔ نرا مسلمان۔ نہ سنی نہ شیعہ۔ سنی شیعہ بننے کا اب وقت نہیں رہا۔ آج کو وہ لوگ زندہ ہوتے جو اصل میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے تو میں تمکو دکھاتا کہ سنی ہوں یا شیعہ۔

سوال۔ وہ تو اب کیا زندہ ہو سکتے ہیں مگر فرض کیجئے کہ آپ اس زمانے میں ہوتے تو آپ کیا ہوتے۔

جواب۔ جو شخص واقعات کو مذہب میں آنے دے وہ مفروضات کو مذہب میں کیوں دخل دینے لگا۔

سوال۔ یہ تو ٹالنے کی سی باتیں ہیں۔

جواب۔ میں ٹالتا تو نہیں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں ایسے فضول بکھیڑوں کو مذہب سے متعلق نہیں سمجھتا۔

سوال۔ تو یوں کہیے کہ آپ کی رائے سنی شیعہ کسی سے نہیں ملتی۔

جواب۔ پوری پوری تو سنی شیعہ کسی کی رائے سے بھی نہیں ملتی۔

سوال۔ مہربانی فرما کر اس کی ذرا صراحت کیجیے۔

جواب۔ دنیا کے اعتبار سے تو میں شیعہ ہوں یعنی اگر میرے ہوتے وہ واقعات پیش آئے ہوتے تو میں غالباً اہل بیت کا ساتھ دیتا نہیں معلوم اسوقت میری یہ رائے ہوتی یا نہ ہوتی۔ مگر جہاں تک ان جھگڑوں کے حالات مجکو معلوم ہوئے ہیں اگر بس یہی ہیں تو میں تو مر جاتا اور حضرت فاطمہؓ کی آنکھ پر میل نہ آنے دیتا اور جو کچھ وہ فرماتیں بجا لائے جاتا سر ہو اس میں فرق نہ کرتا۔ اسلامی سلطنت رہتی یا جاتی اور جاتی ہی کیوں۔

سوال۔ بھلا آپ کی شیعیت تو معلوم ہوئی اب یہ فرمائیے کہ آپ سنی کیوں کر ہیں۔

جواب۔ ہاں سنی اس طرح پر ہوں کہ جو لوگ خلافت پر قابو پا گئے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے

ان کو بھی اسلام کا خیرخواہ ہوں نہ صرف خیرخواہ بلکہ محسن سمجھتا ہوں ان کی کسی طرح کی ہتک یا ان کی طرف کچھ منسوب نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا

سوال - تو آپ کٹے سنی ہیں پھر آپ اپنے تئیں کس بات میں مستثنیٰ کرنا چاہتے تھے -

جواب - اس بات میں کہ سنی ان جھگڑوں کو جزو دین قرار دیتے ہیں اور مجبور ہو کر ان کو واقعات سے انکار کرنا پڑتا ہے - وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں کسی طرح رنجش اور کشیدگی اور رکاوٹ تھی ہی نہیں لیکن میرے نزدیک یہ انکار بداہت ہے - میں کہتا ہوں تھی اور ضرور تھی اور ہونی چاہیے تھی - اور آخرکار وہ ظاہر ہوئی پر ہوئی - اور بڑی طرح پر ہوئی - لیکن اس کو دین سے کچھ سروکار نہیں نہ ہمارے دین سے اور نہ خود ان کے دین سے - لوگوں نے خدا میں اور رسول میں اور دین میں اور دنیا میں عجیب خلط مبحث کر رکھا ہے پیغمبر میں وہ تقدس چاہتے ہیں جو خدا کے ساتھ خاص ہے - فرشتوں کو بھی اس کی ہوا نہیں لگی اور نہ صرف تقدس بلکہ ایک طرح کی خدائی - خدا اور رسول کو تو ایسا گڈمڈ کیا ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے - وہی بچہ دادا ہر عیسائیوں کا سا رنگ ہے کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کو اتنا بڑھایا اتنا بڑھایا کہ بیٹا بنا کر خدا کی گود میں جا بٹھایا مسلمانوں نے بھی باوجودیکہ سارے قرآن میں توحید پڑی بکھر رہی ہے اور پیغمبر صاحب نے بھی اس کی رخنہ بندیوں میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا - قبر شریف کی نسبت بتاکید فرماتے رہے کہ خبردار جو میری قبر کو مسجد بنایا ہوگا - ان کو کیا خبر تھی کہ ان کی امت کے کتنے بزرگوں کی قبریں مسجد بنائی جائیں گی - لوگ مرے ہوئے بزرگوں کو سجدے کریں گے - ان سے حاجتیں مانگیں گے - صحابہ میں بعض لوگ ملک فارس کے بادشاہوں کا ادب قاعدہ دیکھ کر آئے تھے چاہا کہ اسی طرح کی تعظیم پیغمبر صاحب کی کریں - یہاں تعظیم کے لیے لوگوں کا سروقد کھڑا ہونا تک ناگوار تھا کہ کہیں تعظیم کی عبادت نہ بن جائے - کسی بات کی نسبت ایک شخص کے منہ سے نکلا اگر خدا اور اس کا رسول چاہے (اور یہ کلام اب ہم لوگوں کا روزمرہ ہے) آپ نے سخت ناخوش ہو کر فرمایا کہ تم مجھکو خدا کا شریک بناتے ہو - غرض باوجودے کہ سارے قرآن میں توحید پڑی بکھر رہی ہے اور پیغمبر صاحب نے بھی اس کی رخنہ بندیوں میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس پر بھی مسلمان احمد بلا میم تک تو کہہ گزرے کہ یہ ابن اللہ سے بھی بڑھا ہوا ہے پیغمبر صاحب سچ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانو تم بچے بچے اہل کتاب کے قدم بقدم چل کر رہو گے سو ہو رہا ہے - ادھر تو خدا اور رسول کے ایک ذات کر دینے کے پیچھے پڑے

ہیں اور اُدھر دنیا اور دین میں ایسا بیر ڈال رکھا ہے کہ کسی طرح دونوں میں التیام نہیں ہوسکتا ایسے ایسے بکھیڑے دین کو لازم کیے جائینگے تو وہ دین اختلاف سے محفوظ رہ نہیں سکتا۔ دین کی نسبت میں نے جو اپنا خیال ظاہر کیا تمھاری تسکین کے لیے اس کی سند میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں کہ جنگِ اُحد تو سُنی ہوگی۔ اُس لڑائی میں مسلمانوں کے پانوں اکھڑ گئے تھے۔ یہ گرے لوٹ پڑے کفار نے کمین میں سے نکل ان پر تیروں کی ایسی رو برسائی کہ بھاگتے ہی بن پڑی۔ اور بھاگے بھی تو ایسے بدحواس ہوکر کہ پیغمبر صاحب کی بھی خبر نہ لی اُسی گھبراہٹ میں کسی دشمن نے یہ بھی اُڑا دی کہ خدانخواستہ پیغمبر صاحب تو شہید ہوئے۔ اس سے مسلمانوں کو اور بھی بے دلی ہوئی کہ اب کہاں کا دین اور کیسا اسلام ناحق اپنے لوگوں سے بھی کیوں بگڑے۔ اُدھر پیغمبر صاحب شہید تو نہیں مگر ہاں زخمی ہوئے تھے اور گو لشکر منتشر ہو گیا تھا مگر پھر بھی کچھ آدمی پیغمبر صاحب کے ساتھ لڑنے مرنے کو طیار موجود تھے۔ آخر پیغمبر صاحب کے چچا حضرت عباس رضؓ نے کہ وہ بڑے جہیر الصوت آدمی تھے خوب زور سے للکارا کہ لوگو کدھر بھاگے جاتے ہو پیغمبر صاحب تو یہ موجود ہیں ادھر آؤ۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ سارے مسلمان سمٹ آئے سب نے مل کر کفار پر حملہ کیا اور مار ہٹایا۔ اس لڑائی کا قرآن میں کسی جگہ مذکور ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علے اعقابکم ومن ینقلب علے عقبیه فلن یضر الله شیٔا یعنی محمدؐ بس یہی نسبت ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں تو اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اُلٹے پانو اُسی شرک و بت پرستی کی طرف پھر لوٹ جاؤ گے اور جو اُلٹے پانو شرک و بت پرستی کی طرف پھر لوٹ جائیگا تو وہ خدا کا کیا بگاڑے گا اس سے یہ بات نکلی کہ دین خدا کا ہے اور پیغمبر صاحب کو خدا نے دین کی تعلیم کے لیے مامور فرما دیا تھا اگر وہ دنیا میں نہ بھی ہوں جیسا کہ سخت افسوس ہے کہ وہ تیرہ سو برس سے نہیں ہیں تاہم اُنکے نہ ہونے سے دین میں کسی طرح کا خلل واقع نہیں ہونا چاہیئے۔ بس اب تم آپ انصاف کرلو کہ پیغمبر صاحب کے حواریوں اور شاگردوں اور رفیقوں اور عزیزوں کی باہمی شکر رنجیوں اور کشیدگیوں کو دین میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ پیغمبر صاحب کے

بعد دین کے بیے کسی نائب یا خلیفہ یا امام کی بھی ضرورت ہے یا نہیں۔

صادقہ کا مذہبی خواب فرقہ صوفیہ

سوال۔ یہ تو بڑا بھاری جھگڑا تھا اور آپ نے بڑی ہی آسانی سے اسکو طے کیا میرے دل کو تسکین ہو گئی جزاک اللہ خیرا اسی طرح کوئی بیان شافی صوفیوں اور مشائخوں کے بارے میں بھی فرما دیجئے تو میں شاید آپ کو زیادہ تکلیف نہ دوں ہر چند سنی شیعوں کا سا تو اختلاف نہیں مگر خدا ایک رسول ایک قرآن ایک پھر یہ الگ الگ فرقے کیسے

جواب۔ لوگ تو مولویوں کے ڈر کے مارے اپنے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں مضایقہ کیا کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کفر کا فتویٰ جاری کر دیں اور تم چاہتے ہو کہ صرف مولوی نہیں بلکہ تمام اسلامی فرقے اور ہندو اور عیسائی اور یہود غرض ساری دنیا مجکو کافر بنائے کیونکہ میری مت کسی سے نہیں ملتی۔ میری مت تو یہ ہے کہ میرے سوائے کسی کا مذہب ٹھیک نہیں اور سب کا ٹھیک ہے۔

سوال۔ یہ تو عجیب بات ہے۔

جواب۔ بے شک عجیب ہے۔ مگر اسی وقت تک کہ تم نے اس کو سمجھا نہیں سمجھے پیچھے کچھ بھی عجیب نہیں

سوال۔ تو میں سمجھ بھی چکا۔

جواب۔ ابھی تم سمجھو اور تمہارا اچھا سمجھے۔ بات معقول ہو اور بیان کرنے والا سمجھا پر قادر نہ ہو تو کیوں نہ سمجھے

سوال۔ بھلا فرمایئے تو سہی۔

جواب۔ میرے نزدیک مذہب شخصی چیز ہے۔ یعنی ہر شخص اپنا مذہب رکھتا ہے نفسی نفسی زدوازدہ وفد را اخری یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرء منھم یومئذ شان یغنیہ ان باتوں سے کیا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا عقیدہ یا عمل سکے سوائے کسی سر کے کام کا نہیں۔ میرا مذہب میرے لیئے ٹھیک ہے اس لیئے کہ اس سے مجکو اطمینان ہے اور میں اس کے ذریعے سے نجات آخرت کی امید رکھتا ہوں رہے دوسرے لوگ مجکو ان کے مذہب سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور چونکہ ان کے مذہب میرے کام نہیں آ سکتے ہیں انکو اپنے لیئے کیونکر ٹھیک کہہ دوں۔ کانپور میں ایک شخص نے کسی پلٹن کے موزوں کا ٹھیکہ لیا۔ وہاں چمڑے کا کام نہایت عمدہ

ہوتا ہے۔ جو سب تیار ہو گئے تو وہ انگلینڈ کے سارجنٹ پاس لے گئے جس کی پسند پر موزوں کا پاس ہونا موقوف تھا۔ وہ سارجنٹ تھا ذرا خوش مزاج سا آدمی۔ ٹھیکہ دار صاحب نے پوچھا کیوں صاحب سب ٹھیک؟ سارجنٹ نے کہا سوائے اس ایک کے جو تم میرے لئے بنوا کر لائے ہو کوئی بھی ٹھیک نہیں ہے۔ سن کر وہ ٹھیکہ دار بہت سٹ پٹایا آخر کو سارجنٹ نے کہہ دیا کہ اور سب موزوں کو نادرست بتانے سے اس کا کیا مطلب تھا۔ جیسے میں نے تم کو سمجھا دیا کہ میں دوسرے مذہبوں کو کسی غرض سے کہتا ہوں کہ ٹھیک نہیں۔

سوال - بات تو معقول ہے۔ اچھا آپ نے سب کو ٹھیک کیونکر کہا۔

جواب - یہ بھی بتا ہی دوں۔ سب کو ٹھیک کہا کل حزب بما لدیھم فرحون کے لحاظ سے ہر شخص عقل رکھتا ہے اور جتنی اور جیسی جس کی عقل ہے۔ وتنی ہی اُس سے باز پرس ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا ان اللہ لا یظلم الناس شیئا۔

سوال - خیر یہ بات تو ذہن میں جمتی ہی جمے گی۔ صوفیوں اور مشائخوں کے بارے میں تو اپنی رائے بیان کیجئے کہ مسلمانوں میں ان کا بھی ایک بڑا گروہ ہے۔

جواب - میں تم سے کتنی بار کہوں اور کیونکر کہوں کہ میں اپنے نفس کے سوائے کسی کے مذہب کی نسبت بُری یا بھلی رائے نہیں دینی چاہتا۔ نہ اس کی مجھکو کوئی ضرورت اور نہ اس کا مجھکو کوئی حق۔ مذہب ایک معاملہ ہے بین العبد و بین اللہ۔ جس میں کسی دوسرے کو کچھ دخل نہیں۔ مذہب کا سارا مدار ہے نیت پر اور خدا کے سوائے کوئی کسی کی نیت سے آگاہ ہو نہیں سکتا ؎ بر آستانہ میخانہ گر سرے بینی ٭ مزن بپائے کہ معلوم نیست نیت او ٭

سوال - یہ سچ ہے ولکن لیطمئن قلبی۔

جواب - مذہب کے سارے اختلافات پیدا ہوئے ہیں انسان کی خاص طرح کی بناوٹ سے اور اس میں جو مصلحت ہے اُس کا سمجھنا مقدور بشر نہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن یا ایک جسم اور ایک روح۔ دونوں میں جو تعلق ہے وہ بھی اسرار الٰہی میں سے ایک بھید ہے جو کسی پر منکشف نہیں قل الروح من امر ربی۔ بہرکیف شارع نے انسان کے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور قرآن جیسے نماز روزے کی

تاکید کرتا کہ یہ اعمال ظاہر ہیں ویسے ہی حسد کی غیبت کی مردم آزاری کی بخل کی طمع کی حرص کی بے صبری کی خود غرضی کی بے حیائی کی باتوں کی سخت مذمت کرتا اور اسکو جس میں یہ عادتیں ہوں مستوجب عذاب الٰہی قرار دیتا۔ اسلام صرف اس کا نام ہے کہ آدمی اپنا ظاہر درست کرے بلکہ باطن بھی خدا نے یہاں تک تو فرمایا ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ[1] اور واقع میں پہلے دل میں ارادہ پیدا ہوتا ہے تب اسی کے مطابق افعال سرزد ہوتے ہیں باطن کی اصلاح کے بدون ظاہر کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی اگر کسی خبیث درخت کو دور کرنا چاہتے ہو تو اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو ورنہ ٹہنیوں کے قلم کر دینے سے تو پھر کونپلیں پھوٹیں گی اور شاید زیادہ زور سے پس اسلام کو چاہیے تھا کہ ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کو ساتھ ساتھ لے چلتے بلکہ اصلاح باطن کا زیادہ اہتمام کرتے۔ لیکن ایک تو اصلاح باطن نفوس پر زیادہ شاق ہے۔ اور دوسرے خبث باطن پر کسی کو آگہی ہو نہیں سکتی کہ لوگوں کی ملامت یا حاکم کی سزا کا ڈر ہو۔ پس لوگوں نے آسان بات پکڑ لی اور ہمتیں صرف اصلاح ظاہر میں مقصور ہو کر رہ گئیں۔ مولوی لوگ جو وعظ و احتساب کی خدمتیں لیکر بیٹھے تھے ان کی نظریں بھی لوگوں کے ٹخنوں پر پڑ کر رہ گئیں کہیں ڈھکے ہوئے تو نہیں یا بڑی بلند پروازی کی تو ڈاڑھی مونچھوں کی تراش خراش کو دیکھا یا ایسا ہی کسی کے سر پر شیطان سوار ہوا تو اس کے گردے کو تاڑ لیا۔ دین کی دیکھ بھال جانچ پڑتال ہو چکی لیکن بعض اللہ کے ولی ایسے بھی تھے جو افسوس کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ دین کے جزو ضروری یعنی اصلاح باطن سے بالکل قطع نظر کیا جا رہا ہے۔ اُنھوں نے صوفیہ کرام کا سلسلہ جاری کر کے دین میں جو ایک بڑا رخنہ پڑ گیا تھا اسکو بند کرنا چاہا یعنی ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ تھے حقیقت میں اسلام کے سچے ریفارمر لیکن حضرت انسان میں بے پیندی کے بدھنے ان سے ایک وضع پر کب رہا جاتا ہے اصلاح باطن کی آڑ پکڑ کر شرع ظاہر کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اب مولویوں یعنی علمائے ظاہر میں اتنی خرابیاں نہیں جتنی کہ ان مشائخ مدعیان صوفیہ میں ہیں ع بدنام کنندہ نکو نامے چند ہ اُنھوں نے تو کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ جس سے اسلام ہی بیخ و بن سے متزلزل ہوا جاتا ہے یعنی موافق اور مخالف ساری دنیا جانتی ہے کہ خدا کو دین و مذہب

[1] اور جو تمھارے دل میں ہے چاہے اسکو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے ہی گا ۱۲

متعلق جو کچھ اپنے پیغمبر کی زبان سے کہلوانا منظور تھا وہ بجنسہ حرف بحرف قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے۔ پس قرآن مجید مسلمانوں کا مذہبی کوڈ یعنی مجموعۂ قوانین ہے۔ رہی حدیث تفسیر فقہ یہ بمنزلہ تشریحات اور نظائر کے ہیں پیغمبر صاحب نہیں بھیجے گئے تھے کسی گروہ خاص کی طرف بلکہ روئے زمین کے تمام آدمیوں کی طرف جہاں تک ان کا بلاوا پہنچے وما ارسلناک الا کافۃ للناس اور ان کی تعلیم بھی عام تھی جیسی اپنوں کو ویسی غیروں کو جیسی شہری کو ویسی دیہاتی کو جیسی پڑھے لکھوں کو ویسی ان پڑھوں کو جیسی مردوں کو ویسی عورتوں کو اور بالیقین معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب کو جو حکم ہوتا تھا بے کم وکاست ہو بہو سنا دیتے تھے لکھوا دیتے تھے۔ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ بعض مقامات میں تادیب کے طور پر پیغمبر صاحب کو زجر ہے۔ جیسے عبس وتولی ان جاءہ الاعمیٰ بعض جگہ ان کے ایسے حالات کا بیان ہے جن کو آدمی ظاہر اور مشتہر کرنے میں مضائقہ کرتا ہے جیسے قصۂ افک عائشہؓ اور نکاح زینبؓ۔ کونسا ایسا بے انصاف ہٹ دھرم ہوگا جو ان واقعات کے ہوتے ایک لمحے کے لیے تبلیغ وحی کے بارے میں پیغمبر صاحب کو متہم کر سکے۔ وہ خود فرماتے ہیں لن اجد من دونہ ملتحدا الا بلاغا من اللہ ورسالاتہ۔

اچھا پھر ان مشائخین نے یہ کیا طرز تعلیم اختیار کیا ہے جس کی فری میسنوں کی طرح پردہ داری ہے اس تعلیم کو کہتے ہیں کہ سینہ بسینہ چلی آتی ہے۔ بہر کیف قرآن حدیث سے خارج ہوئی۔ اور خارج ہوئی تو داخل اسلام کیوں مانی جاسے۔

ہم تو اصول مذہب کی رو سے بدعت کے سوا اس کا کوئی اور نام رکھ نہیں سکتے۔ اگر اصلاح ظاہر بے اصلاح باطن ریاکاری ہے تو اصلاح باطن بے اصلاح ظاہر کھلی ہوئی بغاوت ہے یہ بالکل سچ ہے کہ علمائے ظاہر یعنی مولوی لوگ اگرچہ جیسا چاہیئے اصلاح باطن پر زور نہیں دیتے جیسا چاہیئے اس کا اہتمام نہیں کرتے اور اسی لیئے وہ لوگ جو ظاہر شرع کے پابند ہیں ان کے معاملات جیسے چاہئیں درست نہیں ہوتے تاہم ان ظاہر پرستوں کو اصلاح باطن سے انکار تو نہیں۔ پوچھا جائے تو کیا مجال اصلاح باطن کی شان توہین کا ایک حرف ان کے مونہ سے نکلے اور کیونکر نکل سکتا ہے جب کہ قرآن میں حدیث میں ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح اس طرح ساتھ چلتی ہے جیسے گاڑی کے پہیئے۔ وہ بہت کرینگے تو حیل شرعی

ایجاد کر بیٹھے۔ جیسے تم نے سُنے ہونگے کہ ایک صاحب بڑے مالدار تھے اور زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ سوچ رکھا تھا کہ میاں بی بی ٹھٹھیر ابدلائی کیا کرتے تھے یعنی جب دیکھا کہ برس پورا ہونے پر آیا۔ سب اپنا سارا مال و متاع بی بی کے نام زبانی ہبہ کر دیا۔ بی بی جو نو مہینے سے زیادہ پیٹ میں بچے کے رکھنے کی روادار نہ تھیں مال کو برس دن اپنے پاس کیا ٹھہرنے دیتیں۔ غرض وہی مثل تھی کہ گھی کہاں گیا کھچڑی میں۔ زکوٰۃ بھی نہ دینی آئی اور ظاہر شرع کے صدقے جائیے کہ خدا رسول کے بھی شرمندہ نہ ہونا پڑا۔ منظور یہ ہے کہ لوگوں کی چار آنکھیں کیجئے ورنہ پھر قرآن ہی مولویوں کی جوتیوں کا صدقہ ایسے ایسے مسئلے معلوم ہیں کہ نہ نماز پڑھو نہ روزہ رکھو نہ زکوٰۃ دو نہ حج کو جاؤ جس کا چاہو مال مار دو جس پر چاہیں ظلم کرو اور پھر دیندار کے دیندار بہشت کے مستحق رضائے الٰہی کے امیدوار۔ خیر تو مولوی لوگ بہت کریں گے تو حیل شرعی ایجاد کریں گے مگر اصلاح باطن کے سامنے سپر ڈالے ہوئے اور سر نگوں ہے ہر وہ ان کو رحمت نہیں آتی۔ لیکن ان باطن والوں کا ظاہر یعنی شریعت کے ساتھ کیا حال ہے۔ رسول شاہی ستھرے شاہی وغیرہ وغیرہ کتنے گروہ کے گروہ تو ایسے ہیں جنہوں نے شریعت کی مخالفت کو اپنا شعار بنا رکھا ہے نماز نہ پڑھیں روزہ نہ رکھیں مسلمانوں کی صورت نہ بنائیں نہ نہائیں نہ دھوئیں کھلے خزانے بھنگ پئیں چرس کے دم لگائیں۔ غرض شریعت کے جتنے احکام ہیں سب سے مستثنیٰ۔ اور طرہ یہ ہے کہ نادم نہیں احکام شریعت کی نسبت پکارے کہتے ہیں کہ یہ پابندیاں عوام الناس کے لئے ہیں یہود کی طرح کہ وہ اپنے تئیں اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ سمجھا کرتے تھے۔ اور اس کو پیغمبر زادگی کا بڑا گھمنڈ تھا یہ لوگ بھی خدا کے ساتھ ایک اور عالی خصوصیت جتاتے ہیں۔ دنیا بھر کے آوارہ اور کاہل اور مکار اسی گروہ میں جا کر کھپتے ہیں۔ اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ دین اور مذہب کو تو سمجھتے بوجھتے خاک نہیں ان فقیروں کے گرد لٹو ہو رہے ہیں جسکے حقیقت میں یہ معنی ہیں کہ ان کو خدا رسول کے کہنے کا اعتبار نہیں۔ دلوں میں وہم بیٹھے ہوئے ہیں کہ باطن کا حال کون جانے ع خاکساران جہاں را بحقارت منگر۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد۔ کیا خبر ہے کہ کون کس مصلحت سے کس حال میں ہے چھپا بیٹھا ہے کاش صرف اسی قدر ہو کہ دوسرے کے دل کا حال معلوم نہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ ظاہر کے خراب ہونے کو باطن کے آباد ہونے کی شرط قرار دے

رکھا ہے حقیقت میں خدا کی رزاقیاں ہیں کہ ان مچھروں کو بھی رزق پہنچانا منظور ہے سچ ہے چو حق در جہان باقیست
مفلس کس نمیاند۔ اگر سب ہمارے ہی سے خیال کے ہو جائیں تو ایک دن لاکھوں بندگان خدا بھوکے
مرنے لگیں۔ مگر یہ کیا ستم ہے کہ ان کا وزن نہ شکم پرور کے بیٹے سا ایک بچے کا مرا جاتا ہے۔ ملک کی دولتی
کے جو اور اسباب ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ الحمد للہ ہم کو اس سے پیٹ ہی جاتے ہیں۔ ہم سمجھے
کہ فقرا یا مشائخ کے گروہ میں سے کیا ایک رنگ نہیں رہا۔ ان میں ایسے بھی ہیں اور سے ہی خلفا مشائخ کے
ایسا بھی ہیں جو شریعت کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ہم جو دیکھتے ہیں تو نفس اسلام کو جو لوگوں کی
اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ مشائخوں سے۔ پہلے یہ تو دیکھو کہ اسلام میں ایسا کونسا امر خیال کیا پر لگا ہے جس کا اتنا اسلام
عمل ہے۔ کوئی ایک عمل ظاہر یا باطن کا بتاؤ جو یہی یا ان ہی فرق کے ساتھ ویسا ہی دوسرے دینوں میں
نہ ہو اور فرق ہوگا بھی تو اعمال ظاہر میں ہوگا۔ جہاں تک دین کا باطن سے تعلق ہے بلا تفاوت سب دین
ایک ہی طرح کے دکھائی دیتے ہیں۔ جھوٹ کو سب برا کہتے ہیں۔ مردم آزاری کسی کے یہاں جائز نہیں
وقس علی ہذا۔ پس کوئی تو خصوصیت ہونی ضرور ہے کہ اسلام اس پر ناز کرتا ہے اپنی بھلائی۔ یہ پہلی چیز
میں پتا نہیں اچھی کیا تو کی شیخی مارنے لگوں مگر ہاں اتنی بات ضرور کہہ دوں گا کہ لگا اور بس یہ بچا توحید
اور یہی بانی کے مرنے کی جگہ ہے۔ وہ خصوصیت جس پر خصوصاً اسلام کو ناز ہے اسلام کے ہر ایک نام لیوا کو فخر
کرنا چاہیے توحید ہے اور بس۔ کہ خدا کے بارے میں لوگوں کے عقائد بہت ہی نازک حالت میں آ گئے تھے اور اب بھی گئے
سب کے پچھلا مذہب اسلام تھا خدا کا قائم کیا ہوا ... بالا رہے گا۔ اور رہے گا جب تک سب حیات توحید
تمام آلائشوں کے ... کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اجی جہاں تک عالم ظاہر میں تعلق رکھنے والے ہیں جہاں تک انسان ... پڑتا تو
سب معاملات سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ ہم تو کسی مذہب میں کسی طرح کا کسر نہیں دیکھتے۔ کیا انصاف کی
بات تو یہ ہی کہ بعض بعض دوسرے مذہب والوں میں ہم اپنے سے بہتر پاتے ہیں مثلاً ہندو بھائی کو لو کہ
ان بیچاروں کا مذہب سب سے زیادہ بودا اور بھیڑ سا ہے اور خدا کی مرضی نہیں ہوئی کہ ہمارا ان کا چولی دامن کا
ساتھ ہو۔ اگر ہم ہٹ دھرمی نہ کریں تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ رحم جیسا ان میں پایا جاتا ہے کم سے کم ہم میں
ہم میں نہیں۔ آدمی تو بڑی چیز ہے جانوروں پر رحم و شفقت کا مادہ ان کے یہاں ... دیکھنے میں نہیں آتا۔

یہ لوگ گوشت کو چھوتے تک نہیں گائے بیل کی کیسی خدمت کرتے ہیں۔ سانپ جیسے موذی جانور کو
بھی تو مارنا نہیں چاہتے یہی حال ہے درختوں کی حفاظت کا کہ ہرے درخت کی کوئی ٹہنی تک تو توڑتے یہ
ناحق کا پاپ کہیں۔ بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہندوؤں نے پیے ہوئے چیونٹیوں کے واسطے کھانڈ بکھیرتے
پڑے پھرتے ہیں۔ ایسا کونسا بازار ہوگا جس میں ہندوؤں کی طرف سے بارہ مہینے پانی پلانے کی پونہ بیٹھی
رہتی ہو۔ جانوروں کے لیے جابجا پانی کی نادیں گڑی رکھتے ہیں۔ سدابرت بھی جاری ہیں اور یوں
بہتیرا ہی دان پن ہوتا رہتا ہے۔ غرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں دیا ہم سے
کہیں بڑھ کر ہے اور اگر نفس کشی کے لحاظ سے دیکھا جاوے تو عبادتوں میں سب سے زیادہ روزہ ہے تک
گرمی کے پہاڑ دنوں میں کامل ایک مہینے دن دن بھر بھوکا پیاسا رہنا کچھ آسان کام نہیں صد
آفریں ہے مسلمانوں کو کہ ایسی محنتِ شاقہ خوش دلی کے ساتھ انگیز کرتے ہیں لیکن کوئی کوئی برت
ہندوؤں میں بھی ایسا کٹھن ہے کہ آدمی کو لتہ کر دیتا ہے اور یوں اور بہت سی ریاضتیں ہیں کہ کرنا تو کرنا
دیکھنے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کتنے ہندو جوگی نظر پڑے کسی نے تو اٹھائے اٹھائے ہاتھ
سکھا دیا ہے کوئی درخت میں الٹا پڑا لٹک رہا ہے۔ ایک کو دیکھا خیر نشتر نہیں تو اچھی خاصی نوکدار کیلیں تختے
میں جڑ رکھی ہیں۔ اور اُن ہی پر لیٹتا بیٹھتا ہے۔ اور ایسے تو بہت جو شاید دن رات میں گھڑی دو گھڑی
بیٹھ جاتے ہوں تو بیٹھ جاتے ہوں ورنہ جب دیکھو کھونٹے کی طرح زمین میں جمے کھڑے ہیں۔ بیجھور میں ایک
گوسائیں جی تھے جو ہر روز اشنان کرتے وقت ساری انتڑیاں منہ کے رستے باہر نکال کر گنگا جلی میں
دھوتے اور پھر پیٹ میں اُتار لیتے۔ غرض بدن کو ستانے اور ایذا دینے کا کوئی پیرایہ نہیں جسے ہندو
فقیروں نے اختیار نہ کیا ہو۔ انگریزوں سے ہمارا ایسا میل جول نہیں۔ مگر ریاضت کے طریقے اِن میں بھی
ہیں۔ ہزارہا عورتیں ہیں جو نن کہلاتی ہیں وہ ساری عمر اپنا بیاہ ہی نہیں کرتیں۔ پادریوں میں بھی
ایک قسم کے پادری ہیں جن کو زندگی بھر مجرد رہنا پڑتا ہے۔ اب ایک مکتی فوج نکلی ہے۔ یہ لوگ بالکل ہندو
سنیاسیوں کی طرح بڑی ہی مصیبت مند زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک عورت کو دیکھ کر ایسا ترس آیا کہ
کہا نہیں جاتا۔ اس کی عمر ایسی کوئی تئیس برس کے لگ بھگ ہی ہو گی۔ اصل ولایت زاد۔ رنگت ایسی کہ چاندنی پڑنے

[redacted]

سے میلی ہو پچاری مذہب کے خبط میں آکر گائے کے گوبر کی روٹی کھاتے ساری بانہیں گھٹنے تک دبانے پانو سے سو کچکی ہوئی چلی جارہی تھی۔ فتحپوری کے سامنے شام کیوقت نہر کی پٹری پر ہر روز بلاناغہ ایک ایک پادری ضرور وعظ کرتا ہوتا ہی۔ اور میں بھی چلتے چلتے اوبدا کر تھوڑی دیر کے لیے اُسکے پاس ٹھٹک جاتا ہوں وہ وعظ کہتا اور لوگ اسکے ساتھ بحث کرتے ہوتے ہیں اور میں اُس پادری کے حلم اور انکسار کو کھڑا دیکھا کرتا ہوں۔ بازاری لوگ بے تمیزی سے اُسکو بڑی سخت سخت باتیں کہہ گزرتے ہیں اور اِس مرد خدا کی آنکھ پر میل بھی تو نہیں آتا۔

سوال - یہ تو آپ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ آدمی اسلام کی طرف سے بدعقیدت نہ ہوتا ہو تو ہو۔

جواب - بس اتنے ہی پانی میں تھے۔ اجی یہ دوسرے مذہب والے ریاضت نہیں اپنی بوٹیاں بھی نوڑ نوڑ کر چیل کوؤں کو کھلادیں تب بھی تو اسلام کی گرد کو نہیں پا سکتے۔

سوال - کس بات میں۔

جواب - ہر ایک بات میں جب پر ان کو گھمنڈ ہو۔

سوال - ابھی ہندوؤں اور عیسائیوں کی دیا اور نفس کشی اور حلم کی مثالیں آپ نے بیان کیں یہ نیکیاں مسلمانوں میں ہیں تو سہی مگر نہ ایسے درجے کی۔

جواب - تم نے یہ بھی خیال کیا کہ نیکی حد سے گزر جاتی ہو تو نیکی نیکی نہیں باقی رہتی بلکہ وہ بدی سمجھی جاتی ہو اخلاق کی کتابوں میں تو پڑھا ہوگا مگر اسوقت خیال نہیں ہا کہ کوئی سی بھی صفت ہو وہ جب تک اعتدال کے درجے میں ہو صفت ہو اور اعتدال سے ذرا بڑھی ذرا گھٹی عیب ہوئی مثلاً ہم ایک غصے ہی کو لیتے ہیں کہ خدا نے جتنے جاندار دنیا میں پیدا کیے ہیں ان کی حفاظت کا سامان بھی اُنکے ساتھ موجود ہو کسی کو تو قوت پرواز دی ہو کہ کوئی اُسکو پکڑ نہیں سکتا۔ قرآن میں اس بات کو کیسی اچھی طرح بیان کیا ہو یا ایہا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ و ان یسلبہم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ قوی عزیز فرماتے ہیں لوگو ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں اُسکو کان لگا کر سنو کہ خدا کے سوائے جن معبودوں کو تم حاجت پڑے پر پکارتے اور اُن سے دعائیں مانگتے ہو اُن کی بے بسی کا تو یہ حال ہو کہ اگر

سارے مل کر بھی ایک مکھی کو پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے - اور پیدا کرنا تو خیر بڑا کام ہے اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لیجائے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے - کیا تو مکھی اور کیا مکھی کی بساط اور کیا تمھارے معبودوں کی کہ ایک مکھی ان سے پکڑے نہ پکڑی جائے - افسوس ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ جانی اللہ تو بڑا زبردست ہے سب پر غالب - خیر تو غرض یہ ہے کہ ہر جاندار کی حفاظت کا سامان اسکے ساتھ موجود ہے کسی کو تو قوت پرواز دے دی ہے کہ کوئی اسکو پکڑ نہیں سکتا - کوئی پانی میں روپوش ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا اور نظر آتا بھی ہے تو کس کی بلا کو غرض پڑی ہے کہ پانی میں غوطہ لگائے - کوئی ایسا غضب کا بھاگنے والا ہے کہ دو چار چھلانگوں میں یہ جا وہ جا نظر سے غائب کسی کے دانت ہیں کسی کے پنجے ہیں - یہاں تک کہ مینہ بوندی اور سردی سے بچنے کے لیئے پروں اور بالوں اور ان کا قدرتی واٹر پروف بھی تو جلد بدن کے ساتھ سیا ہوا موجود ہے کہ وقت پر ڈھونڈنا نہ پڑے - مگر حضرت انسان ہیں کہ ہیں چھوئی موئی سے زیادہ نازک مزاج اور دیکھنے میں بے سامان محض - تو ان کو سب سامانوں کے بدلے عقل دی اور عقل کے ساتھ غصے کا ہتھیار کہ یہ سان پر چڑھا ہو تو اس کی کاٹ غضب کی کاٹ ہے - ادھر تو بے غصے کام نہیں چلتا کہ یہ نہ ہو تو دنیا میں کوئی جینے بھی نہ دے اور ادھر ویسا ہی خطرناک ہے آئے تو کہاں جانے تا جی سے کوئی جائے جب تک اسے غصہ نہیں آتا نہیں آتا پر حکیم تو اسکو نوع من الجنون بتلاتے ہیں اور ہے بھی یوں ہی کہ آدمی کو غصہ آتا ہے تو پھر اسکو [illegible] سوجھتا آدمی اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے یعنی جتنی دیر غصہ رہے انسان انسان نہیں رہتا بلکہ حیوان بن جاتا ہے اور حیوان بھی مرکھنا موذی - پھر اس جادو کا توڑ اس زہر کا تریاق کچھ ہے تو عقل ہے کہ وہ غصے کو بالکل سلب تو نہیں کر سکتی مگر ہاں حد سے بڑھنے بھی نہیں دیتی عقل مندوں نے اسکے فرو کرنے کی تدبیریں نکالی ہیں کہ غصہ آئے تو آدمی سامنے سے ٹل جائے کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پیاس بھی ہو تو پانی پیئے یعنی طبیعت کو دوسری طرف مصروف کرے - اور مذہب فرماتا ہے والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کہ غصے کو ضبط کرنا سب ریاضتوں سے بڑھ کر ہے - انسان میں جتنی عادتیں خلقی ہیں جانے والی تو ان میں ایک بھی نہیں - اور ان کو عادت نہیں بلکہ خاصیت سمجھنا چاہیئے جیسے پانی کی خاصیت ہے کہ وہ نشیب کی طرف کو بہتا ہے بلکہ جیسے ہر ایک جسم کی خاصیت ہے کہ روک نہ ہو تو زمین پر گر پڑے - اسی طرح

آدمی ہوگا تو غصہ بھی رکھے ہی گا ایسا کون ہے جس میں پتا نہیں ۔ پس مذہب جس نے انسان کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے اس کے کھوٹے کھرے کی بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ انسان کی طبعی خاصیتوں کے سلب کرنے کے درپے ہے یا ان کے معتدل کرنے کے اگر سلب کرنے کے درپے ہے تو جان لو کہ وہ مذہب ایسا دعائے محال کرتا ہے ۔ اور اپنے ارادے میں کبھی کامیاب ہوا اور نہ آئندہ کامیاب ہوا ایسے مذہب والے اپنے نزدیک ایک ایسا انسان فرض کر لیتے ہیں کہ اس طرح کا آدمی خدا نے کبھی پیدا ہی نہیں کیا اور پھر ایسے فرضی اور خیالی انسان کا نمونہ دکھا کر لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایسے بنو ۔ ارے بھائی کیسے بنیں ۔ پیٹ کو کاٹ کر پھینک دیں ۔ آنکھیں پھوڑ لیں ۔ کانوں میں روئی ٹھونسے رہیں ۔ خدا نے جو ضرورتیں ہمارے پیچھے لگا دی ہیں ان کو جا کر کہاں پھینک آئیں ۔ پیٹ ہے تو بھوک لگے ہی گی اور بھوک لگے گی تو چار و ناچار کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑے ہی گا ۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کی ریاضتیں سن کر جو تم اسلام کی طرف سے بدعقیدت ہوئے وہ اسی قسم کی ریاضتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ انسانی خاصیتوں کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی تدبیریں لگے ہیں ۔ سو بڑا ہی چھٹا چاہیں یہ بوجھ تو مرنے ہی سے اترے گا اس زندگی میں تو اترتا نہیں اور جو دعوے کرتا ہے کہ میں اتار سکتا ہوں جھک مارتا ہے ۔ اس میں ایک پہلو اور بھی برے ہیں ایک تو صریحاً اس میں اعتراض ہے خدا پر کہ اس نے انسان کو ایسا کیوں بنایا کسی پا کیا کیا وہ بنایا آتا ہے اس نے بنایا جیسا چاہا یخلق ما یشاء ہم اس میں چون و چرا کرنے والے کون ۔ دوسرے یہ تعلیم و پردہ لوگوں کو نفاق اور ریا کی تعلیم ہے ۔ اس قدر پر میں ایک تازی مسئلہ بیان کرتا ہوں اس سے تم میرے مطلب کو خوب سمجھ گئے ہو جو شراب افیون گانجا چرس بھنگ نشے کی چیزیں ہیں اور معلوم ہے کہ ہزاروں گھر اور لاکھوں آدمی ان کی وجہ سے برباد اور تباہ ہوتے ہیں سرکار کا دلی منشا تو یہ ہے کہ ملک سے ان کا رواج بالکل اٹھ جائے اور کوئی آدمی ان کا نام بھی نہ لے ۔ لیکن بہت لوگوں نے ان کو زندگی کی ضرورتوں میں داخل کر لیا ہے کہ بدون ان کے ان سے طلق میسر نہیں ہو سکتا ۔ ننگے پھریں بھوکے مریں غرض ایسے طرح کی تکلیفوں کو سہار بھی جائیں مگر عمل کا وقت نہ ٹلنے دیں ۔ تو اب سرکار کیا کرتی ہے کہ محصول کے پیچ کو کستی اور کڑا کرتی چلی جاتی ہے ۔ اور ان ہاتھوں کی آمدنی پہلے سے اضعافاً مضاعفۃ بڑھ گئی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ مگر سرکار نہیں کرتی کیونکہ

قطعی بندی اور ممانعت کر دے یا ایک دم سے ایسا بھاری محصول لگا دے کہ وہ بندی اور ممانعت کا کام دے کیونکہ ایسا کرے تو لوگ مجبور ہو کر کھلم کھلا بغاوت نہ بھی کریں تو ہزار جتن کریں کہ سرکار کے اچھے سے بھی ان کا انسداد نہ ہو سکے اور اس کا ضروری نتیجہ یہ ہو کہ محصول بڑھنے کی جگہ اُلٹا گھٹ جائے اور چپکے چپکے ان چیزوں کا استعمال بھی جاری رہے بعینہٖ یہی حال ہے مذہبی احکام کا۔ کہ ان کو حد سے زیادہ سخت کر دیا جائے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگ انکی تعمیل سے بچنے کے لیے بہانے ڈھونڈیں حیلے تصنیف کریں دل میں تو تعمیل کرنے کی ہے نہیں مگر چونکہ انکار کرتے بن نہیں پڑتا۔ حکم کو مانتے ہیں لیکن وہی یہودیوں کا سا ماننا سمعنا وعصینا؟ تو پھر یہ نفاق اور ریا نہیں تو کیا ہے۔ اور نفاق اور ریا بھی خدا کے ساتھ۔ اگر اسی کا نام ریفارم اور اصلاح ہے تو ہم بے اصلاح ہی بھلے۔ اور یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جو ریاضتیں ہندو جوگی اور عیسائی راہب کرتے ہیں اگر شرط دینداری ہوں اور نجات ان پر موقوف ہو تو کتنے آدمی ان شرطوں کو بجالا سکتے ہیں اور خود ہندوؤں اور عیسائیوں ہی میں کتنے آدمی ان کو بجالاتے ہیں۔ شاید لاکھ میں دو چار۔ تو لاکھ میں دو چار کے بجالانے سے بشرطیکہ واقع میں خلوص سے بجالاتے بھی ہوں حکم سخت ممکن التعمیل نہیں کہلایا جا سکتا۔ دنیا جس طرز پر چلی آئی ہے اسی طرز پر چلے گی لکھنے کے لیے جو چاہو کتاب میں لکھ لو۔ یہ صفت ایک اسلام ہی میں پاتے ہیں کہ وہ آدمی کو آدمی تسلیم کرتا اور وہ اس پر اسی قدر بوجھ رکھنا چاہتا ہے جس کو وہ آسانی کے ساتھ سہار سکے اور یوں دوسرے دل کی دیکھنا کبھی مسلمان ایک پہاڑ اپنے سر لادنا چاہیں تو ان کی خوشی۔ اسلام بے چارے کا اس میں کیا دوش۔

سوال۔ یہ تو آپنے دل کو لگتی ہوئی کہی مگر وہ بات رہ گئی کہ آپ فرما رہے تھے کہ اسلام میں ایسی کونسی انوکھی تعلیم ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں۔

جواب۔ ہاں تو وہ انوکھی تعلیم توحید ہے۔ اب تو لوگ مسلمانوں کے غل غپاڑا مچانے سے کچھ کچھ تاویلیں بھی کرنے لگے ہیں اور بتکلف موحد بننا چاہتے ہیں ورنہ اسلام کی تشریف آوری کے وقت تو اہلِ کتاب تک توحید میں یہ سمجھتے تھے کہ ان میں اور بت پرستوں میں صرف نام کا فرق باقی رہ گیا تھا یضاھئون قول الذین کفروا من قبل

سوال۔ اچھا پھر اسلام نے توحید کا کیا ثبوت دیا۔

جواب۔ وہی ثبوت جو خدا کے ہونے کا دیا تھا وہی خدا کے ایک ہونے کا بھی دیا یعنی جس طرح عقل

انسانی گواہی دیتی ہے کہ خدا ہے اسی طرح روحِ عقلِ انسانی یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ وہ ایک ہے۔ اگر دنیا زبان حال سے پکار رہی ہے کہ اس کا بنانے والا ہے تو دنیا کا انتظام زبان حال سے پکار رہا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا لگاؤ نہیں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک ارادے سے ہو رہا ہے۔

سوال۔ اچھا پھر۔

جواب۔ بات تو اس پہلی تھی کہ اسلام کو مولویوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا ان مشائخ کے گروہ نے اور اس کی صدیوں میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یوں تو دنیا میں بہتیرے اچھے مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب کا مقصد اصلی یہ ہے انسان کی اصلاح گو وقتی اور مقامی خصوصیتوں کی وجہ سے اصلاح کے اصول میں کچھ اختلافات بھی ہیں۔ غرض انسانی اصلاح کے اعتبار سے اسلام کو دوسرے مذہبوں پر کچھ ایسی فوقیت نہیں اگر فوقیت ہے تو توحید میں ہے اور اسی میں ان حضرت مشائخ نے ایسا گول مال لگایا ہے کہ اسلام کے سارے فخر کو ملیامیٹ کر دیا ہے سچ پوچھو تو مسلمانوں کا منہ نہیں کہ اہل کتاب یا بت پرستوں کی توحید کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں مثلاً عیسائیوں کی تثلیث میں بھی ہوا کیا ہے یہ نہ کہ وہ خدا اور حضرت مسیح اور روح القدس کو تین طور سے خدا مانتے ہیں یا ہر ایک خدا اور پھر ایک خدا یا مثلاً ہندو ایک دیوتاؤں اور اوتاروں کو بھی خدا کہتے ہیں [illegible] دلیل کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں مگر یہ سب باتیں ہمارے صوفیوں کے وحدت کے آگے تو ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔

سوال۔ کیوں صاحب یہ اتنی موٹی بات ان صوفیوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی اور کیوں نہیں آتی۔

جواب۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جس وجہ سے مثلاً عیسائیوں یا ہندوؤں کی سمجھ میں نہیں آتی اسی وجہ سے صوفیوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔

سوال۔ نہیں میں صوفیوں کی نسبت اس بات کا تعجب کرتا ہوں کہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں میں بھی پہنچے ہوئے مسلمان کہ [illegible] قرآن کیا توحید کے مسئلے پر ان کی نظر نہ پڑی ہو گی قرآن کا [illegible] توحید [illegible] عیسائی اور ہندوؤں کی [illegible] جس کے یہ لوگ معتقد ہیں۔

جواب۔ بس تم ہر چند منٹ کے بعد ایک نہ ایک بات ایسی کہہ دیتے ہو کہ مجکو تمھاری طرف سے سخت نا اُمیدی ہوجاتی ہے۔

سوال۔ وہ ایسی کون سی بات میرے مُونہ سے نکلی۔

جواب۔ تمھاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سمجھتے ہو توحید مذہب نے تعلیم کی۔

سوال۔ کیا نہیں ہی۔

جواب۔ تو تم نے ابھی مذہب ہی کو نہیں سمجھا کہ مذہب ہے کیا چیز اور کہاں سے اسکی ابتدا ہوئی مذہب کی مثال صرف و نحو کی سی ہے۔ صرف و نحو نے زبان کو نہیں بنایا۔ بلکہ لوگوں نے زبان سے صرف و نحو کو بنایا ہے۔ یعنی اہل زبان کو ایک طرح پر بولتے سُنا اُس طور کو قاعدے کے طور پر منضبط کر لیا۔ صرف و نحو بن گئی۔ قاعدے زبان میں پہلے سے موجود تھے۔ مگر لوگوں کو آگہی نہ تھی۔ کہ ہم بولنے میں اس قاعدے کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جب کسی کا ذہن منتقل ہوا اور اُسکو قاعدہ سوجھ پڑا۔ تب خبر ہوئی اور یوں بولنے کو تو ذرے ذرے سے لڑکے اپنی مادری زبان ایسی پٹر پٹر بولتے ہیں کہ صرف و نحو کا علّامہ بیٹھا ان کا مُونہ تکا کرے اگرچہ لڑکے قاعدے کے نام سے بھی واقف نہیں میں نے مذہب کو اپنے نزدیک ایسا ہی سمجھ رکھا ہے کہ مذہب کے اصل لوگوں کے ذہنوں میں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ مذہب نے ان ہی کو قواعد کے طور پر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

سوال۔ اگر ایسا تھا تو مذہب میں اختلاف کیوں ہوا۔

جواب۔ ہاں تو اختلاف اس طرح پر ہوا کہ مثلاً ایک زبان اُردو کو لو۔ اگرچہ اُردو کی صرف و نحو اسوقت تک منضبط نہیں اور یہ جو سکولوں اور مکتبوں میں لعنت پڑے ہیچ دو چار رسالے دکھائی دیتے ہیں یہ سب لغو اور جہل جلا دینے کی لائق ہیں۔ لوگوں کو قواعد کے بنانے کا تو مادہ نہیں اور اس ملنے کے پڑھے لکھوں میں شاید کوئی سر تصنیف کے جنوں سے خالی ہو۔ ذرا شُدبُد آئی اور تصنیف کا خبط پیدا ہوا دیکھا کہ اب اُردو ہی بڑی معراج الکمال رہ گئی ہے۔ اور زبان کے سلسلے میں پہلی چیز صرف و نحو انھوں نے بھی لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہا۔ یہ بات پہلے سے کان میں پڑی ہوئی تھی کہ عربی میں صرف و نحو کا بڑا ذخیرہ ہے عقل کے دشمن نے یہ تو سمجھا نہیں کہ عربی میں صرف و نحو کا بڑا ذخیرہ ہے تو زبان عربی کے لیئے ہے نہ

اردو کے لیئے اور اگر ایک ہی صرف و نحو سب زبانوں کے لیئے کافی ہو تو عربی اور سنسکرت اور لیٹن اور گریک سب نمازوں کو ایک ہی وضو سے پڑھا دیا جا سکتا ہے۔ بہر کیف فکر ہر کس بقدر ہمت اوست لیئے مائۃ عامل اور شرح مائۃ عامل اور صرف و نحو کا فتوا لکھنا منظور ہوا تو نحو میر ہم پہنچا ان ہی میں کاٹ چھانٹ شروع کی۔ ماشاء اللہ قلم میں زور طبیعت میں جولانی اپنی زبان کے کونے کھدرے معلوم ایک ہفتہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ اچھا خاصہ رسالہ بن کر تیار ہو گیا۔ ہم جیسے کم سواد آدمی زیر زبر کو اردو میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو کہیں پتہ نہیں ملتا۔ غرض اردو کی صرف و نحو تو اس وقت تک منضبط نہیں ہوئی مگر فرض کرو کہ ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ کہاں کی اردو کے لیئے ہے یوں کہنے کو تو اردو سارے ہندوستان کی زبان ہے مگر اردو میں فرق ہے۔ اردو دلی لکھنؤ کی۔ اردو دیہات کی۔ اردو مارواڑ اردو پورب کی اردو پنجاب کی اردو دکن کی۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں ایک دلی میں قلعے کی اردو اور شہر کی اردو اور ایسی ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کی اردو میں فرق ہے مسلمانوں میں پنجابیوں کا محاورہ جدا بہاریوں کا جدا لیکن خیر اردو کی صرف و نحو جوڑ توڑ جیسی کچھ لکھی گئی ہے اسی اردو کی لکھی گئی جو سند ہے اور یہی حال ہے عربی انگریزی سب زبانوں کی صرف و نحو کا۔ یعنی ہر ایک زبان کی صرف و نحو الگ ہے۔ اسی طرح جیسے جیسے لوگوں کے خیالات ہیں ویسے ویسے ان کے مذہب ہیں جیسے بعض زبانوں کی صرف و نحو نہیں ویسے ہی بعض لوگوں کے پاس مذہبی کتاب نہیں اور جس طرح زبان کی صرف و نحو منضبط نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اس میں قواعد نہیں اسی طرح کسی مذہب کی کتاب نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ مذہب نہیں جن مذہبوں کی کتابیں ہیں میں ان کو ایسا سمجھتا ہوں کہ گویا ایک ہی زبان کے مختلف لہجوں کی صرف و نحو ہیں۔ اور اسلام وہ مذہبی صرف و نحو ہے جو سب سے زیادہ فصیح سب سے زیادہ عمدہ لہجے کے لیئے بنائی گئی ہے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ سا بیچ میں آگیا اور ہم نے اس پر خاص کر اس لیئے زور دیا تا کہ تم کو معلوم رہے کہ جن کو خدا نے سلیم طبیعتیں عطا فرمائی ہیں ان کے خیالات اور معتقدات اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہی تو اسلام کے برحق ہونے کی بڑی دلیل ہے کہ عقل سلیم اس کو طوعاً قبول کرتی ہے کرہاً نہیں۔ اصل میں شکوہ یہ تھا کہ اسلام کو توحید پر بڑا فخر ہے اور اسی میں حضرات مشائخ نے ایسا گول مال لگا رکھا ہے کہ اسلام کی توحید بھی دوسرے مذہبوں

کی طرح ننھی ننھی اور گدلی گدلی دکھائی دیتی ہے۔

سوال - یہی تو میں پوچھتا تھا کہ ان صوفیوں کی توحید میں فتور پڑا تو کیسے پڑا۔

جواب - فتور پڑنے کی پوچھتے ہو تو فتور پڑا بزرگوں کی تعظیم مفرط سے۔ انھوں نے پیروں کا ادب کیا اور بجا کیا باپ ہو استاد ہو پیر ہو بڑوں کا ادب کرنا ہی چاہیے۔ مگر وہی بات کہ ہر چیز میں اعتدال شرط ہے ادب کی بھی ایک حد ہے مریدوں نے ادب کو حد سے بڑھا دیا یہاں تک کہ تعظیم اور عبادت میں فرق باقی نہ رہا اپنی تعظیم سے کس کو خوشی نہیں ہوتی۔ پیر جی صاحب کچھ پیغمبر تو نہ تھے کہ مریدوں کو روکتے منع کرتے اور مرید خود امیدوار خلافت تھے۔ پیر جی بادشاہ تھے تو یہ ولیعہد۔ یہ گدی کے ادب کو کیوں کم ہونے دینے لگے تھے۔ یوں تعظیم مفرط کا دستور پڑ گیا۔ دین کا استاد کہ اس کو بھی شیخ ہی کہتے ہیں پیر سے رتبے میں کم نہیں۔ مگر وہی بے چارہ مولوی ڈھونک پھونک پھونک کر پاؤں دھرنے والے کہ کہیں شرع کے خلاف نہ ہو جائے شاگرد کو سر پر آ کر مری ہوئی زبان سے السلام علیکم کہتے ہوئے سن کر خوش ہو لیتے ہیں ہم کسی مسلمان پر کیوں بدگمانی کریں مریدوں نے ادب ہی سمجھ کر پیر جی کا ادب کیا ہوگا مگر اول تو ان کو ادب نا مشروع کرنا ہی کیا ضرور تھا کہ پیغمبر صاحب تو اپنی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا بھی روا نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ دوسرے عوام کے حال پر بھی کچھ رحم فرمایا ہوتا کہ ان شامت کے ماروں کو تو بگڑنے کو ٹھیلتے کا بہانہ ملتا ہے دیوانہ را ہوئے بس است۔ اب کیا حال ہے کہ خدا کو تو بالائے طاق بٹھا دیا ہے سیکڑوں کوس سے ہزارہا آدمی مرد اور عورت قبریں پوجنے چلے آتے ہیں ان ہی کی منتیں مانیں ان ہی کو نذریں چڑھائیں ان ہی سے حاجتیں مانگیں اور کہنے کو مسلمان نبی موحد کی امت مشرک نہیں بت پرست نہیں۔ ان سب کا وبال کس پر۔ ان ہی پر جنھوں نے یہ دستور نکالا جو اس دستور کو جاری رکھتے جو اس دستور کو رونق دیتے۔ جو اس دستور کی کمائی کھاتے بعض بعض مولوی ایسے ہو گزرے ہیں اور اب بھی ہیں۔ اگرچہ کم ہیں اور نیک بخت ہر زمانے میں کم ہی ہوتے ہیں۔ قرآن کا حافظ و حفظ عالم فقیہ محدث کہ جن کے دیکھنے سے ہم کو تو پیغمبر صاحب کے صحابہ یاد آ جاتے ہیں۔ صورت پر نور برس رہا ہے اور دیکھنے کو جی چاہتا ہے

متواضع منکسر صوم صلوٰۃ کے پابند نہ کسی کی غیبت نہ کسی کی بدی کوئی آ گیا اُس کو پڑھا دیا نہیں بیٹھے بیٹھے اللہ اللہ کیا کیے۔ ہم نہیں جانتے کہ نیک کے سر میں اور کیا سینگ لگے ہوتے ہیں ایسے لوگ مر گئے کل من علیہا فان کے حکم سے داخل دفتر کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ کب مرے اور کہاں دفن ہوئے۔ ان فقیروں میں ایک تو کھلی کرامت دیکھی جاتی ہے کہ بے ستر ہوں تو بے شرع ہوں تو نشہ باز ہوں تو بیہودہ بکواس کرتے ہوں تو آج مرے اور کل سے ان کے ڈھیر کی پرستش ہونے لگی چہلم نہیں ہونے پایا کہ ڈھیر کا اچھا خاصہ عالی شان گنبد بن گیا۔ قبر شریف پر مکلف غلاف پڑا ہے غلاف پر پھولوں کی چادر سرہانے اگر کی بتی روشن ہے اور پائنتی خدام اور زوار سر جھکائے دو زانو مودب بیٹھے جھوم رہے ہیں پہلے ہی عرس پر سارے میلوں پر اُس پڑ گئی۔ شاہ صاحب مرجع خلائق تو بحالت حیات بھی تھے مگر انتقال کے بعد تو ان کے مریدوں اور جانشینوں اور معتقدوں کے برتاؤ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ساری خدائی کا چارج ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ایسا کونسا سنگ دل ہوگا جسکو مردے کے حال پر ترس آتا ہو دیکھتا ہے کہ ایک اپنے ہی جیسا آدمی کھاتا پیتا چلتا پھرتا جو کبھی مکھی اپنے اوپر نہیں بیٹھنے دیتا تھا مردہ بدست زندہ کیسا عاجز پڑا ہے کہ کروٹ تک نہیں بدل سکتا۔ مگر سب مردے ان فقیروں کے سے مردے ہوں تو ترس کیسا ایسی موت پر امیروں اور بادشاہوں کو بھی رشک ہو تو بجا ہے۔ ہم تو زندہ امیروں اور بادشاہوں کے ساتھ بھی بعض مزاروں کا سا تزک اور احتشام نہیں دیکھتے پھر ایک اور بڑی خطرناک بات ہے کہ ہر چند ہر ایک مسلمان کی نسبت نیک گمان رکھنے کا حکم ہے اور چاہیے بھی یوں ہی کہ جتنے مسلمان بھائی خدا کے یہاں جا چکے ہیں گو اپنی زندگی میں کچھ ہی کرتے رہے ہوں مگر آخر تھے تو مسلمان ہمکو خدا کی ذات سے یہی امید رکھنی چاہیے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ اُس نے اپنے فضل و کرم سے اُن کو بخش ہی دیا ہوگا مگر جیسا وہ غفور و رحیم ہے ویسا ہی بے نیاز بھی ہے ؎ خدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن ؛ رہے ہے خوف مجھے اُس کی بے نیازی کا ؛ اور یہی بے نیازی ہے کہ بڑے بڑے [illegible] یہاں تک کہ جن کو پیغمبر صاحب نے خدا کی طرف سے اور اُس کے حکم سے جنت کی خوشخبری سنا دی تھی وہ تک تو اپنی نجات اور مغفرت کی طرف سے مطمئن نہ تھے اور جیسا خود پیغمبر صاحب جن کے اگلے پچھلے سب گناہ خدا نے معاف کر دیئے تھے لیغفر لک اللہ

ما تقدم من ذنبك وما تاخر وما ادری ما یفعل بی ولا بکم فرمائیں تو دوسرے کس گنتی میں ہیں۔ ذرا اصحاب کا حال پڑھو کہ بڑے سے بڑے عابد وزاہد کی ساری عمر کی عبادت ان کی ایک پل کی خدمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ باایں ہمہ حضرت ابوبکر صدیق فرماتے تھے کہ اے کاش میں گھاس پات ہوتا کوئی جانور مجکو چر جاتا اور گوبر کرکے نکال پھینکتا اور مجکو خدا کے حضور میں جواب ہی نہ کرنی پڑتی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کسی بڑے بزرگ صحابی نے بارہ برس بعد خواب میں دیکھا کہ پیشانی پر سے پسینا پوچھتے ہوئے چلے آتے ہیں پوچھا حضرت آپکا کیا حال ہے فرمایا بھائی اب محاسبے سے نجات ملی ہے وہ بھی خدا نے بڑی ہی رعایت کی کہ میں بال بال نکل آیا۔ اور جتنے بزرگ گذرے ہیں اُن کی کتابیں ہیں۔ دعائیں ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کو خطر عاقبت کی طرف سے تا دم مرگ اطمینان نہ تھا تو ادھر حسن ظن اور اُدھر خدا کی بے نیازی ان دو باتوں کا نتیجہ کیا ہے کہ ہم کسی کے مقبول و مغفور ہونے کا قطعی طور پر حکم نہیں لگا سکتے اور جب کہ ابھی مغفرت ہی میں کلام ہے تو یہ ساری ہو بھگت ایک طرح خدائی میں دخل دینا ہے ایک بزرگ کا تو حال ہمکو معلوم ہے کہ وہ شیخ الامرا تھے یعنے شہر کے اکثر رودار لوگ اُن کے مرید تھے۔ اور کیوں مرید تھے اس کا سبب بیان کریں تو کسی کسی اُن بزرگ کا پتہ لگ جائے اور وہ ہمیں منظور نہیں۔ امیروں کے دین کا بھی عجب حال ہے کہ جہاں اور مشغلے ہیں اُنھوں نے دین کو بھی ایک مشغلہ سمجھا ہے۔ آپ خود جیسے دیندار ہیں جو اُن کو جانتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی جانتے ہیں کہ دین سے ان کو مس نہیں اس پر مسخرہ پن یہ ہے کہ آپ دین میں بھی اپنے اختیارات جمانے چاہتے ہیں فغفور چین کو سنا ہے کہ وہ دنیا کا بادشاہ اور دین کا پیغمبر دونو مانا جاتا ہے تو چینیوں کے مذہب پر ہمکو تعجب ہوا تھا اگر اپنے امیروں اور بادشاہوں کو دیکھا تو ان کو بھی اسی خبط میں گرفتار پایا ان کے ناموں اور خطابوں سے تو خیر فرعونیت ٹپکتی ہی تھی مرے بعد جو خطاب خلد آرام گاہ جنت آشیان عرش مکان اپنے بزرگوں کو عطا فرماتے ہیں ان کو کیا کہا جائے کیا جنت اپنی جاگیر کر پائی ہے کہ اندھا بانٹے ریوڑی ہر پھر اپنوں ہی کو دے لگے بے دریغ بانٹنے ع بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را ۔ خیر تو وہ بیچارے شیخ الامرا ۔۔ل میں جو کچھ رہے ہوں ظاہر میں تو ان میں مقیری کی صرف یہ بات تھی کہ گیروا لباس زیب تن فرماتے تھے مگر کپڑا موٹا تھا

شیخی اور یوں بھی ان کی گزران امیرانہ تھی اور امیروں کے پیر تھے تو کیوں نہ امیروں کی عقیدت تو کچھ کہنا نہیں ان کے یہاں جہاں موروثی داروغہ موروثی تھا پھر موروثی ایک موروثی ڈھونگ تھے اسی فہرست میں شیخ الامرار صاحب بھی تھے مگر گو اچھے کرامت کے ... پھر ان کے قائل نہ تھے بلکہ کسی مجمع میں ان کا ذکر بھی آگیا تو وہ وضعدار تھے انھوں نے سکوت کیا اور جو منہ کے پھوہڑ تھے انھوں نے غیبت کر دی کہ ریاکار ہیں فقیری کو بدنام کر رکھا ہے۔ آخر وہ بزرگ ایسے بیمار پڑے کہ گھڑی گھڑی ان کے مرنے کی خبر اڑنے لگی اور خبر کے ساتھ ان کی کرامتیں اور خوارقِ عادات بھی کہ وصال ہو چکا ہے اور لطائف جاری ہیں سب دکھائی دیتے ہیں سن پڑتے ہیں غسل دیتے ہیں تہمد ورا کی ذرا کھٹکے پہ سے کھسک گیا تھا خدا کے سپرد ہو تو یقین کر کے مانا حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے نیچا کر لیا۔ ہاتھ پاؤں جیسے ریشم۔ جنازہ اٹھایا تو ہلکا پھول۔ آخر مشہور ہوا کہ قبر کی مٹی عجیب خوشبودار نکلی ہے کہ سارا جنگل پڑا مہکتا ہے۔ شہر کی خلقت کا اگلی گھڑی کرو تو سیکڑوں آدمی جمع ہو جائیں ہزاروں آدمی امنڈ پڑے اور تبرک کے لیے چٹکی چٹکی مٹی لینی شروع کی۔ کھودتے کھودتے قبر ننگی ہو گئی یا دلی کتنے ہی عورتوں اور بچوں کے گلے میں تعویذ کی جگہ اس مٹی کی پوٹلیاں لٹک گئیں۔ پھر وہ دن اور آج کا دن کرامتوں کی فہرست ماشاء اللہ بڑھتی ہی چلی جاتی
اللہم زد فزد۔

سوال۔ واقع میں یہ کیا بات ہے کہ مرنے پیچھے درویش لوگ زیادہ پجنے لگتے ہیں۔

جواب۔ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔ اور جیتے جی ایسے لمبے چوڑے دعوے کیے جائیں تو ابراہیمؑ کی سی تحدی ہو کر قلعی نہ کھل جائے۔

سوال۔ ابراہیمؑ کی تحدی کیسی۔

جواب۔ قرآن میں اس تحدی کا نہایت عمدہ مذکور ہے۔ خدا سمجھنے کو جتنے شبہے آدمی کے ذہن میں گزرتے ہیں صراحتاً یا کنایۃً سبھی کا جواب قرآن میں موجود ہے۔ ابراہیمؑ کی تحدی یہ تھی کہ ان وقتوں کا بادشاہ خدا کو نہیں مانتا تھا۔ اسی بات پر اس میں اور ابراہیم علیہ السلام میں ہو پڑی۔ بادشاہ نے کہا کہ تم جس خدا کی طرف سے پیغمبر بن کر آئے ہو اور چاہتے ہو کہ ساری دنیا اسی کی پرستش کرے آخر یہ بتاؤ کہ وہ

بندوں پر کس طرح کا اختیار رکھتا ہے - ابراہیم علیہ السلام نے کہا ایک اختیار تو اُس کا یہی ہے کہ بندوں کا جینا
مرنا اُسی کے ہاتھ میں ہے - بادشاہ نے کہا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں یہ کہہ کر اُس نے ایک خونی کو چھوڑ دیا
اور ایک بے گناہ کو ناحق بیٹھے بٹھائے مروا ڈالا - ابراہیم نے کہا خیر یہ تو آپ نے کیا مگر آفتاب جو
پورب سے نکل کر پچھم میں غروب ہوتا ہے یہ تو آپ کے حکم سے نہیں کیونکہ آپ سے پہلے بھی تھا آپ اگر خدائی
کے اختیارات رکھتے ہیں تو اسکو حکم دیجیے کہ پچھم سے نکلے اور پورب میں غروب ہو - اسپر بادشاہ
لاجواب ہو گیا تو اگر دنیا میں کوئی بھی ایسا دعوے کرے اُس کا قائل کر دینا کیا مشکل ہے - آئے دن
اسکی درماندگی ظاہر ہوتی ہے یہ وجہ ہے کہ درویش اور مشائخ مرے پیچھے زیادہ پُجنے لگتے ہیں -
سوال - کیوں صاحب جو لوگ توحید کے بھی قائل ہیں اور پھر اُس میں رخنے بھی پیدا کرتے ہیں جیسے
مسلمان ہو کر ہمہ اوست کہنے والے یا مثلاً عیسائی وہ اپنے معتقدات کی کیا تاویل کرتے ہیں -
جواب - ہمہ اوست کہنے والوں اور عیسائیوں کی تخصیص کیوں کر و ایسا کوئی آدمی نہیں جو خدا کا
قائل ہو - اور جو خدا کا قائل ہے وہ ضرور اُسکو وحدہٗ لاشریک لہٗ بھی جانتا ہے اور جس قدر توحید سے بھٹکا
ہوا ہے وہ اپنے زعم میں اس کی کچھ تاویل کرتا ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ اصل میں توحید کا معتقد ہے
اور توحید کے خلاف جو باتیں اُس سے سرزد ہوتی ہیں اُن کی تاویل کرتا ہے تاکہ توحید میں خلل
نہ آئے مسلمانوں کی توحید بھی ویسی ہی اور خالص توحید نہیں جیسی واقع میں ہے اور جیسی اسلام چاہتا تھا
کہ مسلمانوں سے بھی ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جن سے ان کی توحید کا تزلزل ظاہر ہوتا ہے یہ لوگ
بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے لوگ کافر اور مشرک اور بت
پرست کہلائے تو جو تاویل مسلمان کرتے ہیں وہی یا ویسی ہی قسم کی دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں کہ جن کو تم
سمجھتے ہو ہم شریک خدائی گردانتے ہیں خدا نہیں ہیں بلکہ خدا نے اپنی خاص خاص صفتوں کو ان
کے رنگ میں ظاہر کیا ہے یا یہ لوگ خدا کی سرکار میں ہمارے وسیلے ہیں - یا ہمنے خیال جمانے کے
لیے ایک حیلہ بنا رکھا ہے - یا چونکہ ہر چیز میں خدا کی قدرتیں نمایاں ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ان ہی میں خدا ہے
غرض آدمی بات بنانے پر آئے تو اس کے ہتیرے رستے ہیں - ایک پادری نے تثلیث کی ایک تاویل کی تھی ایسی

ذرا کم سوجھتی ہے۔ کھڑا ہوا وعظ کہہ رہا تھا اور اسی تثلیث کا ذکر تھا اس کی تمام تقریر کا حاصل یہ تھا کہ تثلیث ایک راز ہے خدا کی ذات سے متعلق ہم سب لوگ مانتے ہیں کہ خدا ہر جگہ موجود ہے جیسا یہاں اس جگہ ویسا امریکا میں ویسا زمین کے کونے کونے میں ویسا آسمان میں۔ وہ سوتا نہیں تھکتا نہیں دلوں کے منصوبے تک جانتا اور جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے اسکو سب معلوم ہے لیکن یہ ایسی باتیں ہیں کہ مطلقاً ہماری سمجھ میں نہیں آتیں کہ کیونکر کوئی شخص ان صفتوں کا جامع ہو سکتا ہے ایسا شخص نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی کسی نے دیکھا اور نہ کوئی اس کی طرف خیال دوڑا سکتا ہے۔ غرض خدا خود بھید ہے اس کی ہر ایک بات بھید ہے اور دنیا میں اور بھی بہت سے بھید ہیں تو ایک تثلیث کے بھید سے لوگ کیوں اس قدر گھبراتے اور کیوں اس قدر اس کے پیچھے پڑے ہیں۔

سوال۔ بات تو معقول کہی۔

جواب معقول نہ معقول۔ کیا خاک معقول کہی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ عقل انسانی خدا کی ذات اور صفات پر احاطہ نہیں کر سکتی ہم نہیں جانتے اور نہیں جان سکتے کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ خدا کے بارے میں ہم عقل سے بالکل کام نہ لیں عقل ہمکو اور زیادہ نہ بتا سکے تاہم اتنا تو بتاتی ہے کہ خدا ہے اور عقلی گواہی کے سوائے خدا کے ہونے کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں تو جب ہم نے خدا کو مانا عقل کا کسی قدر احاطہ تو تسلیم کرنا پڑا اور جس طرح عقل گواہی دیتی ہے کہ خدا ہے اسی طرح یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ ایک ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم عقل کی ایک بات کو مانیں اور ایک بات کو نہ مانیں رہ گئیں خدا کی صفتیں ہماری عقل اتنا تو بتاتی ہے کہ خدا میں یہ صفتیں ہیں اور انتظام دنیا گواہی دے رہا ہے کہ اس میں یہ صفتیں ہونی چاہئیں اس سے آگے عقل گم ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے اور اندھے خدا سے دنیا نہیں سنبھل سکتی مگر یہ کہ اس کی آنکھیں ہیں یا نہیں اور ہیں تو کیسی ہیں اور نہیں تو کیسے دیکھتا ہے یہاں ہم دم نہیں مار سکتے اور یہی حال ہے اس کی دوسری صفتوں کا۔ اگر عقل یہ کہتی کہ خدا تو ہے مگر نہیں معلوم ایک ہی یا تین ہیں یا ایسا ایک ہے کہ وہی تین ہیں اور ایسے تین ہیں کہ وہی ایک ہے تو پادری صاحب سچے تھے مگر عقل تو صاف پکارے کہہ رہی ہے کہ ہے اور ایک ہے تو اب عقل کے خلاف کیسے مان لیں

ایک کو تین اور تین کو ایک منوانا طلبِ محال ہے۔ اور میں نے مذہب کا اُصول ٹھیرا لیا ہے کہ جو مذہب طلبِ محال کرے وہ سچا اور خدائی مذہب نہیں ہو سکتا اس وجہ سے میں عیسائی مذہب کو مذہب حق نہیں سمجھتا اور عیسائیوں کی کیا تخصیص ہے۔ میں نے توحید میں تنزل دیکھا اور جتنے سے اکثر اور اسی توحید کے کارن تو میں مشائخ کے پاس ہو کر نہیں پھٹکتا ورنہ اصلاحِ باطن کے لحاظ سے تو اس گروہ کا بہتیرا ہی ادب میرے دل میں ہے اور میں اس گروہ کی بڑی ہی ضرورت سمجھتا ہوں گو تنہا بڑی ضرورت ہے ویسی ہی مکر کی بڑی گنجائش ہے خصوصاً جس حالت میں کہ شریعت کی روک اٹھا دی گئی ہو جیسے کہ اٹھا دی گئی ہے۔ پھر ایک بات یہ ہو کہ مسلمانوں کے طرزِ عبادت سے اُن کے تیوہاروں سے اُن کی ظاہری وضع سے جس سے مسلمان پہچان پڑتا ہے اُن کے احکامِ شریعت سے اغراض کا تو پتہ لگتا ہے کہ اسلام کے خرّاد پر اُترے پیچھے مسلمان کو کیا اور کیسا ہونا چاہیئے۔ اسکو ہونا چاہیئے نمونہ پر اللہ کا نور یعنی نیچی ڈاڑھی نہ چڑھی ہوئی نہ منڈی ہوئی اور نہ خشخاسی کتری ہوئی۔ لبیں لی ہوئی۔ سر منڈا ہوا نہیں تو سارے سر پر بال پٹّے نہیں گرد نہیں چھٹے مانسوں کا سا لباس نہ ایسا باریک کہ اندر سے بدن پڑا جھلکے کہ اسکو پیغمبر صاحبؐ نے فاسقوں کا لباس فرمایا نہ تنگ کہ اُس سے اگر ظاہر ہو۔ اور نہ بے ضرورت ڈھیلا کہ وہ اسراف اور شیخی میں داخل ہے۔ ریشمی نہیں عورتوں کی طرح رنگین نہیں۔ سر سے پانؤ تک بناؤ سنگار کا کہیں نام نہیں کہ زیب و زینت عورتوں کا شیوہ ہے۔ نیچی چولی ٹخنوں سے اونچا پاجامہ۔ زیور کے نام بدن پر چھلا تک نہیں کہ یہ سب بانکپن ہے۔ گوٹا نہیں ٹھپّہ نہیں۔ یہ تو مسلمان کی وضع ہوئی اگر چلتا پھرتا کہیں نظر پڑ جائے تو نیچی آنکھیں کیے پانؤں اپنے رستے لگا چلا جا رہا ہے اینٹھتا نہیں اتراتا نہیں جب دیکھو گھر میں یا کام کے سر یا پانچوں وقت مسجد میں۔ گنجفہ چوسر تاش شطرنج جتنے کھیل ہیں ان میں سے اسکو ایک بھی نہیں آتا کبھی کھیلے ہوں تو جانے۔ نہ پتنگ اُڑاتا نہ مرغ یا بٹیر لڑاتا نہ جانوروں میں کشتی کراتا۔ برسوں سے محلے میں رہتا نہ کبھی کسی سے لڑا نہ جھگڑا۔ گلی کی لڑکیاں دن رات اس گھر سے اُس گھر میں اور اُس گھر سے اس گھر میں دوڑتی دوڑی پڑی پھرتیں اُس نے کبھی کسی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھا ہو تو پہچانے۔ پاس پڑوس والوں کا کچھ کام ہو تو بے بلائے موجود بازار سے لوگوں کے سودے سلف یہ لا کر دے۔ کوئی بیمار پڑے تو حکیم کے یہاں دونوں وقت یہ جائے نسخہ عطار کے یہاں سے یہ بندھوا کر لائے۔

اپنے گھر میں کبھی بڑوں کو جواب۔ یا نہ کبھی چھوٹوں پر سختی کی۔ کسی سے معاملہ پڑا تو نیت کا درست
بات کا پورا۔ وعدے کا سچا۔ شہر میں ایسا کون ہے جو اس کی ساکھ نہیں مانتا۔ ناچ رنگ کے جلسوں
میں شریک ہونا تو درکنار نام لے دو تو پسینے پسینے ہو جائے۔ غریب مسکین متواضع منکسر علاوہ ازیں خلیق۔
ملنسار۔ راست باز۔ دیانت دار۔ غیور۔ بردبار۔ حریص نہیں لالچی نہیں۔ سیدھا سادہ۔ نیچی نگاہ۔ آنکھوں
میں شرم لحاظ۔ نیک شرع کا پابند۔ یہ ہے مسلمان کا مختصر سا حلیہ اور جو پرہیزگار ہیں وہ تو ایسے مہذب اور
شائستہ اور باوقار ہیں کہ بھول کر بھی ان سے کوئی سخیف اور خفیف حرکت سرزد نہیں ہوتی۔ ہمکو بھی
ایسے دو چار بزرگوں کی زیارت کا اتفاق ہوا ہے تو ان کی متانت کا کچھ ایسا رعب پڑتا تھا کہ ان کے سامنے
بات نہیں کی جاتی تھی۔ دل میں تو یہ خیال بیٹھے ہوئے تھے اور جانا ہوا ایک بزرگ کے عرس میں ہزاروں
مخلوق تھی مگر مجبوری کہنا پڑتا ہے کہ ایک بھی تو اپنی نگاہ میں نہ جچا۔ بازاری اور عوام اور دوسرے غنڈوں
لوگوں کو چھوڑ کر قوالی کا جو مقدس جلسہ تھا وہی خود کیا تھا مقدس کے تو پرچے ہیں مجھ جیسے نالائق
نابکار عار اسلام گنہگار کو بھی تو اس مجمع میں بیٹھنے سے شرم آئی۔ یوں ناچ کا جلسہ ہوتا تو میں ایسا بے حیا ہوں
کہ شاید کچھ بھی شرم نہ کرتا۔ جان لیتا کہ چند بے غیرت مسلمان اسلام کو بدنام اور اپنے تئیں فضیحت کرنے
کے لئے جمع ہوئے ہیں اور ان میں ایک میں بھی ہوں لیکن افسوس تو یہ تھا کہ اس جلسہ قوالی کو ایسے
ادب سے دیکھا جاتا تھا گویا مجلس وعظ ہے اور اس میں خدا رسول کا تذکرہ ہو رہا ہے اور قوالی نہیں بلکہ ایک قسم
کی عبادت ہو رہی ہے۔ بیٹھے لوگ تھے سب سنجیدگی سے دو زانو ادب سے بیٹھے ہوئے تھے کہ یہی مجالس میں تو
لوگ ایسا کرتے بھی نہیں۔ عزاداری کی مجلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے مولود کی محفلوں میں شریک
ہوا ہوں سچ ہے تو کہیں ایسا ادب باقاعدہ دیکھا نہیں۔ لوگ گانے کے مزے لے رہے تھے اور کچھ سے

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں	شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

خدا جانے کیا سمجھ کر عجیب عجیب حرکات کرتے تھے کہ ہم جیسے بیہودہ ان کو حرکات مجنونانہ کے سوائے اور کچھ
کہہ بھی نہیں سکتے ہاں آسمان میں فرشتے ذکر الٰہی کے وجد میں آ کر ایسے بے تال بے سُرے ناچتے ہوں تو خبر نہیں لیکن اگر
بہشت میں جانا نصیب ہوا اور ظاہر میں تو کچھ سامان ہے نہیں لیکن اگر ہوا اور ایسا ناچ ناچنا پڑا تو ہم سے

کیا بن پڑے گا۔ بہر کیف اگر وہ اپنے اپنے خیال میں تھے اور میں سمجھا سوچ رہا تھا کہ آخر یہ قبر کوئی بڑے بزرگ ہی کی ہو مگر ہو تو قبر اور حدیثوں میں تو پیغمبر صاحب نے کل قبروں کی نسبت ایسا حکم دیا ہے کہ زمین دوز کر دی جائیں اور جس مصلحت سے یہ حکم دیا گیا ہے ہو نہ ہو وہ یہی مصلحت تھی کہ جو معاملہ ہم لوگ بیٹھے کر رہے ہیں کسی کی قبر کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہونے پائے۔ کیونکہ خدا نے کل من علیہا فان کا فتویٰ جو جاری فرما دیا ہے وہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ گنبد بنائیں تو اور مقبرے بنائیں تو۔ علاوہ بریں زیارت قبور سے مقصود تو یہی عبرت اور عبرت تبھی ہوگی کہ قبروں کو خستہ حال دیکھو اور اب تو شامیانہ اور روشنی اور سامان اور زواروں کا ہجوم اور یہ جلسۂ قوالی دیکھ کر عبرت کی جگہ عظمت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور قلب پر الٹی غفلت طاری ہوئی جاتی ہے۔ آخر شب کا وقت تھا اور میلے کے غل غپاڑے کی وجہ سے آنکھ کچھ سات رہے سے کھل گئی تھی اس ارادے سے چلا تھا کہ نور ظہور کا وقت ہے چلوں موقع ہوا تو ان بزرگ کے مزار کے پاس بیٹھ کر کچھ قرآن پڑھوں گا۔ یہاں جو آیا تو قوالی کا مجمع دیکھا۔ قرآن پڑھا جا کیا خاک۔ جلسے میں رہا تو سہی مگر جب تک بیٹھا رہا یہی سوچتا رہا کہ یا تو مجکو اسلام سے تعلق نہیں یا اسلام کو ان باتوں سے تعلق نہیں۔ یہ خیالات ہیں جو مجکو ان باطن والوں کی طرف رخ نہیں کرنے دیتے۔ ورنہ میں تو ان کے پانوں دھو دھو کر پیوں۔ اور میں تو ان سے ایسا برگشتہ ہوا کہ مجکو شبہ ہوتا ہے کہ کہیں ان لوگوں میں من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کی طرح کی سازش نہ ہو یا ایک حمام میں سب ننگے ایک دوسرے کی پردہ داری نہ کرتے ہوں ورنہ جیسے کسی کو اپنی لمبی چوڑی تعظیم کرتے دیکھا تھا اس سے بگڑ کر کہہ دیا ہوتا کہ کیا تو مجکو بناتا ہے اگر میں عبادت ریاضت مجاہدہ کچھ کرتا بھی ہوں تو تجکو کیا۔ میری محنت تیرے کام نہیں آ سکتی۔ تو اپنی آپ کر۔ اور اگر تو نے مجکو خدا کا مقرب سمجھ رکھا ہے تو یہ تیری غلطی ہے میں بھی ایک ناچیز سا بندہ ہوں اور اپنے عیب مجھی کو معلوم ہیں میں اپنی نجات سے تو مطمئن نہیں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں پیر خود درماندہ کرا شفاعت کند۔ اگر شروع میں ایسا روکھا پن اختیار کر لیا جائے تو کوئی پاس بھی تو آ کر نہ پھٹکے۔ اور ایک دم سے ان تمام خرابیوں کا انسداد ہو جائے جو اس گروہ کے سبب سے اسلام میں پھیل گئی ہیں۔ قرآن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی

اپنے آپ پاکیزہ و مقدس نہ ٹھیراؤ (اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کام نہیں چلتا) خدا ہی کو خبر ہے
کہ کون پاکیزہ و مقدس ہے۔ اگر ایسا سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو کوئی کیوں کسی سے بیعت لے
کیوں کسی کو مرید کرے کیوں کسی سے ہاتھ چموائے کیوں کسی سے پیر چھوائے کیوں لوگوں سے تعظیم و تکریم کا طلبگار ہو
سوال۔ کہوں صاحب ایک بات کا کئی دفعہ خیال آیا اور باتوں کے سلسلے میں ذہن سے اتر گئی جو لوگ
توحید میں پورے نہیں ظاہر ہے کہ وہ اسلام میں تو آ ہی نہیں سکتے اور ہم ان کو بہت سے اعمال
نیک کرتے دیکھتے ہیں۔ تو کیا ان کی یہ نیکیاں برباد اور اکارت ہیں۔
جواب۔ میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں میں نے تمکو بار بار منع نہیں کیا کہ تم دوسروں کے معاملات میں دخل نہ دو۔
سوال۔ لیکن طبیعت میں خود بخود ایک خدشہ پیدا ہو تو کیا کیا جائے۔
جواب۔ طبیعت تمہارے بس کی ہے یا تم طبیعت کے بس میں ہو۔ اگر ایسی اختیاری ہے تو تم مذہب
کی طرف سے مطمئن ہو چکے۔ طبیعت تمکو دنیا اور دین دونوں میں خوار کرے گی۔ اس طبیعت کا آدمی دنیا میں
امن سے رہ نہیں سکتا۔ اور اس طبیعت کے نتیجے ہیں کہ لوگ آئے دن آپس میں جوتی پیزار کرتے رہتے ہیں
کوئی ایک مذہب دوسرے مذہب کو دیکھ نہیں سکتا۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو جو شخص جس
مذہب کا زیادہ تعصب رکھتا اور دوسرے کے ہر ایک فعل کو اس کی توہین کا موجب سمجھتا ہے وہ خود بھی
اس الزام سے بری نہیں مثلاً ایک ہندو ہماری مسجد کا ادب نہیں رکھتا تو وہ معذور ہے کہ سرے سے
اسکو عبادت گاہ ہی نہیں جانتا۔ لیکن ہم جو مسلمان ہو کر مسجد کا بڑا ادب رکھتے ہیں یہی کہ اس میں
جوتیاں پہن کر نہیں جاتے مگر اندر جا کر غیبت ہم کرتے جھوٹ ہم بولتے لڑتے جھگڑتے بیہودہ
بکواس بکتے۔ دنیا کا وہ کونسا کام ہے جو خانہ خدا میں نہیں ہوتا۔ کیا اس سے مسجد کی توہین نہیں ہوتی
ہمارے نزدیک اس سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے کہ دوسرے مذہب کا آدمی جوتیاں پہن کر اندر چلا جائے مگر
لوگوں نے مذہب کا تو حیلہ بنا رکھا ہے۔ دلوں میں خباثتیں بھری ہیں مذہب کی آڑ میں ان خباثتوں
سے کام لیا جاتا ہے اور دین کے اعتبار سے تو میں دوسرے مذہب سے متعرض ہونے ہی کو برا سمجھتا ہوں
کہ ہمکو دوسرے کے دین و مذہب سے غرض نہیں تعلق نہیں وہ جانے اس کا کام جانے ہر کسے مصلحت

خولیش نکوی واند۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ۔ اور میں دوسرے کے مذہب سے متعرض ہونے کو ما لا یعنی میں داخل سمجھتا ہوں۔ اور ایک پہلو تو اس کا بہت ہی بُرا ہے کہ دوسرے کے مذہب سے متعرض ہونا خدا کے اختیارات میں دخل دینا ہے۔ یہ خدا کا کام ہے کہ وہ اپنے بندوں کی نیکی بدی کو تولے اور اُن کو اُن کے کیئے کی جزا یا سزا دے۔ ہم سے وہ لوگوں کے بارے میں پوچھتا نہیں تو ہمارا دخل در معقولات داخل سوء ادب ہے۔ دنیا میں ہمارے لوگوں سے اتنا ہی تعلق ہے کہ ہماری حاجتیں اُن سے اور اُن کی حاجتیں ہم سے متعلق ہوتی ہیں اور بس اگر ہم سے مثلاً کسی نے قرض لیا ہے اور وہ ہم کو وقت پر ادا کر دیتا یا ہم کو کسی نے قرض دیا ہے اور ہم سے ناحق ناروا زیادہ نہیں لینا چاہتا تو ہم کو جیسا مسلمان ویسا ہندو ویسا عیسائی ویسا بُت پرست ویسا مشرک ویسا کافر۔ ہم مُسلمان ہیں تو اپنے واسطے وہ مسلمان نہیں ہے تو اپنے واسطے ۵۱ آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است ؛ با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا ؛ دوست دشمن کا تفرقہ بھی شاعر نے کیا ہے ہم کو تو سب دوست ہی دوست دکھائی دیتے ہیں۔ دشمن اگر ہے تو اپنا نفس ہے انّ ۵۲ النفس لامارۃ بالسوء۔

سوال۔ یہ رائے تو آپ نے اب قرار دی ہے لیکن جن دنوں آپ میری طرح دین کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کی فکر میں تھے اُس وقت کفّار کے اعمال نیک کی نسبت آپ کیا خیال کرتے تھے۔

جواب۔ لگے مجھسے بھی طالب العلمانہ داؤ چلنے۔ میں جو کچھ رائے رکھتا تھا اب میں نے اُس کو بدل دیا ہے

سوال۔ تاہم اُس کے سننے سے مجکو تسکین ہوگی۔

جواب۔ تسکین تو اُس سے ہوگی کہ اپنی ہنڈیا کی خیر مناؤ۔ مگر تم اصرار کرتے ہو تو ایک حکایت کے طور پر تم سے بیان کیئے دیتا ہوں۔ مجکو ایک مثال سوجھ گئی تھی کہ جیسے ایک شخص کسی مرضِ سخت میں مبتلا تھا وہ گیا ایک حکیم حاذق کے پاس اُس نے بڑی توجہ سے اُس کا علاج کیا اور مریض اچھا ہو گیا شرط انسانیت

---

۵۱ آدمی کے ایمان کی خوبیوں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جو چیز اسے درکار نہو اُس سے سروکار نہ رکھے ۱۲

۵۲ آدمی کا نفس تو بدی ہی کے بڑے حکم چلاتا ہے ۱۲

یہ پہ کہ وہ حکیم کا شکریہ ادا کرے لیکن وہ حکیم کو چھوڑ عطار اس دوڑا گیا۔ اسی طرح خدا نے ہر ایک آدمی کو اتنی عقل دی ہے کہ خدا کو پہچانے اگر وہ پہچاننے کی کوشش نہیں کرتا تو جو اعمال نیک وہ اس غرض سے کرتا ہے کہ خدا سے اس کو تقرب ہو وہ ایسا ہی غلطی میں ہے جیسے وہ بیمار عطار کا شکریہ ادا کرنے گیا تھا۔
مگر اس کے بعد جو تم نے اس طرح کی بات پوچھی تو مجھ سے زیادہ برا کوئی نہیں کیونکہ بحث و مناظرہ میری سمجھ [illegible] ۔ آپ ناخوش نہ ہوجیئے میں نے بحث کے طور پر آپ سے کچھ نہیں پوچھا بلکہ استفادہ کے طور پر۔ اور آپ کے بیان سے میری پوری تسلی ہوگئی ہے اور کسی طرح کا خدشہ میرے دل میں باقی نہیں ہے۔ ہاں طبیعت ان خیالات سے آشنا نہیں اب ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً غور و فکر کرکے میں ان خیالات کو راسخ کروں گا۔

[illegible]

لیکن میں ان نیچریوں کی نسبت بھی آپ کے خیالات معلوم کرنے چاہتا ہوں کہ آج کل ان لوگوں نے بھی بڑی ادھم مچا رکھی ہے۔

جواب - نیچری ابن الوقت ہیں یعنی اس زمانے کی پیداوار۔ زمانے کا رنگ تو دیکھ کیا سے کیا ہوگیا ہے تمام ہندوستان میں انگریزی عملداری ہے مطمئن کہ ایسا امن کبھی ہندوستان کو نصیب نہیں ہوا اسی امن کا دوسرا نام ہے آزادی۔ ہر شخص فاعل مختار ہے جو چاہے سو کرے بشرطیکہ دوسروں کی عافیت میں خلل انداز نہ ہو۔ سرکار ایک کو دوسرے کی آزادی میں کیوں خلل انداز ہونے دے گی جب کہ رعایا کی آزادی میں اپنا خلل انداز ہونا بھی جائز نہیں رکھتی۔ آزادی کے بیئے پیرائے ہیں ان میں سے بڑا ضروری پیرایہ آزادی رائے کا بھی ہے جس سے ہم کو بحث ہے۔ سرکار کسی کی رائے میں دخل نہیں دیتی - مگر جس چیز سے رائے کے قائم کرنے کی لیاقت پیدا ہوتی ہے یعنی تعلیم اس کے پیچھے ستو باندھ کر پڑی ہے۔ اس واسطے کہ دنیا کے کام بے تعلیم کے چل نہیں سکتے۔ ہر چند تعلیم دنیاوی چیزوں میں دی جاتی ہے اور کسی مذہب کا نام زبان پر نہیں آنے پاتا مگر ہندوستانی تو مذہب کے بدون ٹکڑا نہیں توڑتے۔ ان کی عادت ہے کہ پوشاک ہو تو کیا انگیا ہو تو میز کرسی ہو تو برتن بھانڈا ہو تو ہر چیز کو مذہب میں لے دوڑتے ہیں۔ تعلیم کو کیا بخشتے۔ مدتوں لوگ اسی خبط میں مبتلا رہے کہ تعلیم کا اصلی مقصود عیسائی بنانا ہے مگر جھوٹ کے

پاؤں کٹیا اور اور عمر پڑی پیٹ کی مار اور یہ بھی دیکھا کہ تعلیم کی بھٹی میں تو سوکھا اور گیلا سبھی جلا چلا جاتا ہے ہندو مسلمان عیسائی یہودی کون ہے جو اس کی آنچ سے بچا ہو۔ بارے وہ اگلی سی وحشت تو نہیں گو انس بھی نہیں۔ بہت سی دوائیں ہیں کہ فائدے کے اعتبار سے اکسیر کا حکم رکھتی ہیں جیسے کونین ہوئی یا کاڈ لور آئل ہوا۔ مگر کوئی تو اس بلا کی کڑوی ہے کہ زبان پر نہیں رکھی جاتی۔ کسی میں ہیک ہے کہ حلق سے نہیں اترتی۔ اور جب طبیعت دوا کو قبول نہ کرے تو فائدہ کیا خاک ہو۔ اس لئے لوگوں نے کونین کی تلخی دور کرنے کے لئے گولیاں نکالیں کونین اوپر کوئی اور چیز خوش مزہ یا بدمزہ نہیں بے مزہ۔ کاڈ لور آئل میں چونے کا نشاستہ یا اور دوائیں ملا دیں کہ کاڈ لور آئل کی ہیک بھی دب گئی اور اس کے اثر کو بھی تائید پہنچی۔ یہی حال تعلیم کا ہے کہ اسکے آگے اکسیر کی کچھ حقیقت نہیں۔ مگر نہ ہی خلط والوں کو پچتی بھی نہیں کیا مشکل میں جان ہے کہ مفلسی جیسا تو مہلک مرض اور دوائی یہ ایک تعلیم نہ پینے بن پڑتی ہے اور نہ بے پیئے رہا جاتا ہے۔ نیچریوں نے تاویل کی ایک ترکیب نکالی ہے کہ اس سے مذہبی مذاق کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ پھر تعلیم کی وہ مطلق ناگوار نہیں معلوم ہوتی۔ بس ان کی دوا میں یہی ایک عیب ہے کہ مذہبی مذاق کو معطل کر دیتی ہے جیسے مخدر دوائیں کہ جہاں لگا وہ وتنا ٹکڑا سن پڑ جاتا ہے۔ ورنہ نیچریوں کے مسلمان ہونے میں اور ان کی نیت کے بخیر ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔

سوال۔ لیکن مذاق مذہبی جو بڑی ضروری اور بکار آمد قوت ہے وہ جو باطل ہوئی جاتی ہے۔

جواب۔ کیا کیا جائے مقام مجبوری ہے۔

سوال۔ ایسی کاہے کی مجبوری ہے۔

جواب۔ مجبوری یہ ہے کہ تعلیم بھی تو اپنی حالت پر قائم نہیں رہی۔ انگریزی عملداری سے پہلے ہمارے یہاں کی تعلیم تھی کیا۔ لفاظی اور منطق و فلسفے کے خیالی ڈھکوسلے سو وہ سارا دفتر گاؤ خورد ہو گیا۔ اب تو ہندسہ اور ریاضی اور طبیعات ایسے علوم کی قدر ہے جن کا مدار بدیہیات اور مشاہدات پر ہے اور ایسے علوم دنیا میں کام بھی آتے ہیں۔ ایسے ہی علوم سے ریلیں چل پڑیں تار دوڑنے لگے ہزارہا قسم کی

تقلید ایجاد ہو گئی تھی۔ ان علوم کو پڑھتے پڑھتے آدمی کی طبیعت کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ بے مشاہدہ اُس کو کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا۔ وہ ہر جگہ ڈھونڈتا ہے اقلیدس کا سا ثبوت یا حساب اور جبر و مقابلے کا عمل۔ مذہب کے اعتبار سے یہ پہلا خلل ہے جس سے آج کل کا کوئی تعلیم یافتہ دماغ محفوظ نہیں طبیعت تو واقع ہوئی ایسی اور مذہب کی جڑ بنیاد خدا کی شناخت جسکو نہ کسی نے دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے تو ایسی طبیعتوں میں اور مذہب میں کیونکر التیام ہو۔ اگر مذہب ہی مشاہدے کی چیز ہوتی تو جوتیوں میں دال ہی کیوں بٹتی۔ سب کی ایک مت ہوتی۔ نہ کوئی کسی کو کافر بناتا نہ کوئی کسی کو جہنم میں دھکیلتا اندھے کو بھی صبر کرنے کی جگہ ہے کہ اسکو کچھ نہیں سوجھتا الیاس احدی الراحتین بڑی مصیبت تو اسکی ہے جو اندھا بھی نہیں کہ صبر کرے اور اسکو نور کی جھلک سی بھی دکھائی دیتی ہے۔ نہیں دیکھتا تو دل نہیں مانتا اور دیکھتا ہے تو صاف نظر نہیں آتا۔ بعینہ یہی حال ہے انسان کا مذہب کے بارے میں اسکا دل گواہی دیتا ہے کہ خدا ہے اس واسطے کہ وہ اسکی آواز سنتا اور اسکی آہٹ پاتا ہے۔ مگر نہ دکھائی دیتا اور نہ پکڑائی دیتا۔ پھر اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ گو میں دنیا سے کوچ کر جاؤں اور میری لاش کو جلا کر راکھ کر دیں اور راکھ کو دریا میں بہا دیں یا قبر کھود کر گاڑ دیں اور میرے بدن کو کیڑے کھا ڈالیں مگر میں کسی نہ کسی شکل میں ہوں رہونگا ضرور۔ پھر اسکا دل گواہی دیتا ہے کہ میں دنیا میں اچھے کام بھی کر سکتا ہوں اور برے بھی کر سکتا ہوں۔ اچھا کروں تو مجھکو شاباش ملے گی اور برا کروں تو میری شامت آئے گی پس مذہب کے بارے میں عقل انسانی کی پرواز ہو چکی گو وہ انسان افلاطون یا افلاطون کا باوا ہی کیوں نہ ہو۔ اور کوڑھ میں کھاج عقل کی نارسائی پر اس قدر کرید یہ کہ سب کچھ جان لوں اور خدا ہو جاؤں اور یہ ساری آفت کاہے کی ہے اسی کرید کی۔ کہ حضرت آدمؑ سے صبر نہ ہو سکا اور جس درخت کے کھانے کی مناہی تھی اسکو کھایا پر کھایا۔ انھوں نے کھایا اور اسی کے مزے ہم بڑے چکھ رہے ہیں طبیعت کی کرید دیکھ کر خدا نے پیغمبر بھیجے کہ جہاں تک انسان کا ظرف متحمل ہو سکے اُس کو وہ بات بتا دی ہے جس کی ٹوہ میں لگا ہے پیغمبروں نے بتایا سمجھایا۔ مگر ع بے نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے۔ وہ کرید نہ گئی نہ گئی کہ دنیا کی چیزوں کی طرح خدا کو دیکھوں اُس سے خود میری باتیں ہوں اسکا منشا معلوم کروں۔ دنیا سے گئے پیچھے

جو جو کچھ پیش آتی ہے سب پر حاوی ہو جاؤں۔ یہ گو یہ تھوڑی بہت سبھی میں ہے اور آج کل کے تعلیم یافتوں میں کو جنون کی حد کو پہنچ گئی تھی۔ اور قریب تھا کہ یہ لوگ قید اسلام سے آزاد ہو کر [illegible] ہو جائیں۔ اِن کی روک تھام کے لیئے نیچری کھڑے ہوئے۔ سو وہ شورش تو فرو ہو گئی اور رہی سہی اور فرو ہوتی جاتی ہے کہ اب کوئی انگریزی پڑھا ہوا مسلمان چاہے وہ ایم اے اور ایل ایل ڈی یا بارسٹر ہی کیوں نہ ہو احاطۂ اسلام سے بھاگنے کا نام نہیں لیتا۔ مگر ہر ٹرک تو جاتے ہی جائے گی۔

سوال۔ اگر یہ ہے تو نیچری ہم مسلمانوں کی بڑی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔

جواب۔ خیر اگر شکر گزاری کے مستحق نہ بھی ہوں تو لعنت اور گالیوں کی بوچھاڑ کے بھی سزاوار نہیں جو ان پر چاروں طرف سے پڑ رہی برس رہی ہے۔ یہ تہ دل سے اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ ان کو خود بڑی مشکل درپیش ہے۔ کیونکہ مرض ہے سخت کہ اگر اسکو جنون سمجھا جائے تو وہ ایسا خطرناک جنون ہے کہ مجنون شاید اپنے تئیں یا کسی دوسرے کے تئیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔ اور پھر جنون بھی ہے تو نئی قسم کا جنون ہے اس کے لیئے علاج بھی نیا تجویز کرنا پڑتا ہے اور نئے علاج میں کچھ غلطی بھی ہو تو چنداں لحاظ کے قابل نہیں۔

سوال۔ آپنے نیچریوں کے اصول تو خوب دریافت کیئے مگر یہ فرمایئے کہ اسلام اور تعلیم میں التیام کا اُنھوں نے کیا طریق نکالا۔

جواب۔ اُنھوں نے طریق یہ نکالا کہ جہاں تک ہو سکا اسلام ہی کو دبایا۔ اور بات بات میں تعلیم اور عقل کی جانب داری کی۔

سوال۔ یہ تو یک طرفہ فیصلہ ہوا۔

جواب۔ اس میں شک کیا ہے اور اسی سبب سے تو میں ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا۔

سوال۔ اچھا اگر تعلیم اور عقل کی جانب داری نکرتے تو کرتے کیا تعلیم یافتہ تو کسی طرح دبنے والے تھے نہیں۔

جواب۔ میں بتاؤں کیا کرتے عقل اور مذہب دونوں میں حد بندی کر دیتے جیسے اِن دونوں

ہماری سرکار روس اور افغانستان کے مقابلے میں کر رہی ہے مگر عقل اور مذہب کے مقابلے میں جو حدبندی کی جاتی اُس میں الگ الگ تین طرح کی حدبندی ہوتی - ایک تو وہ علاقہ جس میں مذہب ہی مذہب ہے اور عقل کو قطعی ممانعت کر دی جاتی کہ اپنے قدوم نحوست لزوم اس علاقے میں نہ لائے - دوسرے خالص عقل کا علاقہ کہ حضرت مذہب وہاں جانے کی تکلیف نہ فرمائیں - تیسرا علاقہ مشترک کہ اُس میں عقل و مذہب دونوں یکساں دخیل ہوں - عام مسلمان تو بیچارے بھولے بھالے سیدھے سادے یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اور عقل دونوں جوڑواں بھائی بھائی ہیں ان میں لڑائی کا کیا بانٹیا - لیکن جن کو عقل دامن ہلانے کی عقل ہے وہ جانتے ہیں کہ عقل اور مذہب میں سدا سے کھٹ پھٹ ہوتی چلی آئی ہے اور دونوں میں نہ کبھی بنی اور نہ کبھی بنے - عام مسلمانوں نے تو ایک کان کیا گونگا ایک کان کیا بہرا ان کو عقل و مذہب کی لڑائی کی خبر ہی نہیں اور نہ ان کے بئے حدبندی کی ضرورت - جن کو عقل کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں ان ہی کو حدبندی کی بڑی ضرورت بھی ہے ہم نہیں کہتے کہ نیچریوں نے مذہب اور عقل کے خلاف کو یا حدبندی کی ضرورت کو نہیں سمجھا - سمجھا اور خوب سمجھا - مگر علاقہ نمبر (۱) کو توڑ کر علاقہ نمبر (۲) میں شامل کر دیا اور یہ بڑی غلطی کی کہ ہمیشہ ہمیشہ کو جھگڑا قائم کا قائم رہا -

سوال - ذرا علاقوں اور اُن کی حدبندی کی صراحت تو کیجئے -

جواب - لو میں اکثر مذہبی باتوں کو علاقہ نمبر (۱) قرار دیتا ہوں کہ اُس میں مذہب ہی مذہب ہو اور عقل کا دخل نہو - میں تم سے بیان کر چکا ہوں کہ مذہب کا سارا دار مدار خداشناسی پر ہے - خدا کو مانا اپنے تئیں نیک و بد کا ذمہ دار سمجھا - اور مرے بعد اپنے باقی رہنے کا یقین کیا - تو ان سب خیالات کے جمع ہونے سے مذہب پیدا ہوا - اور خداشناسی میں جہاں تک ہمکو ملکہ ہے وہ بھی بیان کر چکا ہوں - تو سرے سے مذہب کی بنیاد ہی نامفہوم چیز پر ہے تو ایسا علاقہ نکلا یا نکلا جہاں مذہب ہی مذہب ہے اور عقل کا دخل نہیں - میں اکثر مذہبی باتوں کو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ ان میں عقل کو دخل دینا وضع الشئ فی غیر محلہ ہے - مثلاً خدا کی ذات و صفات میں عقل دوڑانی لاحاصل ہونے کے علاوہ داخل حمق ہے - اسی طرح بعد مرگ

جو جو حالتیں پیش آئیں گی اُن میں رائے زنی کرنا داخل حمق ہے۔ تمام جزئیات شرعیہ کی مصلحتوں کے معلوم کرنے کی کوشش کرنا داخل حمق ہے۔ حروف مقطعات کی پہیلی کے پیچھے پڑنا داخل حمق ہے یا روح کی ماہیت کے درپے ہونا داخل حمق ہے اور اسی طرح سیکڑوں باتیں نکلیں گی جہاں عقل کے پر جلتے ہیں تو کیوں ایسا علاقہ قائم نہ کیا جائے جہاں عقل کا مطلق دخل نہ ہو۔ علاقہ نمبر (۲) دنیا کے دھندے ہیں کھیت میں چنے بوئیں یا مٹر جوتی سلیم شاہی پہنیں یا گول پنجے کی یا بوٹ یا گرگابی کہ ایسی باتوں سے مذہب کو کچھ سروکار نہیں۔ علاقہ نمبر (۳) میں تمام اخلاقی باتیں ہیں کہ عقل اور مذہب دونوں کا اُن پر اجماع ہے۔

سوال۔ یہ آپ نے عقل اور مذہب میں حد بندی اور علاقوں کی تقسیم تو خوب نکالی ہے۔

جواب۔ جی ہاں ایسا نہ کریں تو مذہب کی طرف سے اطمینان کیونکر ہو۔ یہ میں سمجھوتیاں برسوں کی غور کے نتیجے ہیں اور برسوں ہی کے غور میں ذہن نشین بھی ہوتے ہیں۔

سوال۔ تو آپ کے نزدیک نیچریوں نے کیا غلطی کی ذرا پھر فرمائیے گا۔

جواب۔ اصل غلطی تو یہ ہے کہ عقل سے اس کی بساط سے بہت زیادہ کام لینا چاہتے ہیں۔ اور غلطی کا قاعدہ ہے کہ بڑی جلدی انڈے بچے دیتی ہے جہاں ایک بڑی غلطی کی اور اُس سے دوسری غلطیاں پیدا ہوئیں۔ اکثر تو ان لوگوں کو غیر ضروری باتوں میں بہت وقت ضائع کرنا پڑتا ہے اور پھر عقل کی نارسائی کے تسلیم کرنے کی تو کھائی ہے قسم ایسی ایسی مکروہ غلطیاں کرتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی ہے۔ اور اصل مطلب فوت ہوتا ہے سو الگ۔ حدیث تفسیر فقہ کو تو بالائے طاق رکھ ہی دیا تھا صرف ایک قرآن بچا تھا وہ بھی اس لیے کہ اس پر انا لہ لحافظون کا پہرا کھڑا تھا تو اسکو بھی مارے تاویلوں کے ایسا تو کیا ہے کہ اسکی فصاحت بلاغت پر پانی پھرا تو پھر ظاہر عبارت پر سے بھی اعتماد اُٹھ گیا چلے تھے لوگوں کو مسلمان بنانے ان کو اصل دین یعنی قرآن میں بھی شک پڑ گئے۔ میں ایسے چوتروں سے کان کاٹنے پر آؤں اور قرآن اور پدماوت کو ایک نہ کر دکھاؤں تبھی کہنا۔

سوال۔ مجکو تو کوئی خاص مثال دے کر ان نیچریوں کی غلطی سمجھائیے تب میری تسکین ہو۔

جواب۔ مثالوں کو لیکر کیا کرو گے وہی کلیہ قاعدے کیوں نہیں یاد رکھتے جو میں تم کو بتا دیئے ہیں

کہ عقلِ انسانی قاصر و محدود ہے اُسکو اُس کی حد سے باہر مت ہونے دو۔ اور دین میں سینکڑوں ہزاروں باتیں ہیں سب پر مقدم اپنے نفس کی اصلاح۔ اور معلوم ہے کہ آدمی تا مرگ اصلاحِ نفس سے فارغ نہیں ہو سکتا پس ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری باتوں میں مشغول ہونا وقت جیسی قیمتی چیز کا ضائع کرنا ہے جسکی باز پرس ہونی ہے تو جب کوئی مذہبی بات تمھارے سامنے پیش آئے سب سے پہلے دیکھو کہ اصلاحِ نفس سے متعلق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں یا عقلِ انسانی کی رسائی سے باہر ہے اور جھگڑے کی ساری باتیں اسی قسم کی ہیں۔ تو اِس کان سنو اور اُس کان نکال دو۔ شیطان کے بہکانے بھٹکانے کے ہزاروں رستے ہیں اُن میں کثیر الوقوع یہ بھی ہے کہ آدمی دین سمجھ کر ایک کام میں لگا رہتا اور اُس شغل کو کارِ نیک سمجھ کر اُسکے اجر اور ثواب کی توقع رکھتا حالانکہ وہ کام نیک ہو یا نہ ہو اُسکے نہ کرنے سے اُسپر کسی طرح کا الزام نہیں اور سیکڑوں ضروری کام ہیں جن کی باز پرس ہونی ہے وہ رہے جاتے ہیں اور آدمی اُن کے سرانجام میں غفلت کرتا ہے۔ یہ آفت اکثر پڑھے لکھوں میں ہوتی ہے کچھ لوگ انکی لیاقت اور ذہانت کی تعریفیں کرتے ہیں اور یہ سُن سُن کر پھولے نہیں سماتے۔ شاید اتنی نیکی بھی کی ہو کہ دوسروں کو غلطی اور گمرہی سے بچایا مگر عُجب اور خود پسندی سے اپنے تئیں تو تباہ کر لیا وھم[1] یحسبون انھم یحسنون صنعا دوسرے لوگوں کے جھگڑے تو یہ لے پڑے گئے ہیں اب کوئی اِن کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور یہ مقلدوں غیر مقلدوں کی نزاعیں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ تمام سمجھ دار آدمی اِن پر ہنستے ہیں۔ مگر ہاں نیچری فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے اور اِس میں لوگ بھی بڑے بڑے ذہین اور لائق ہیں سو یہ بھی آخر کار کسر و انکسار ہو کر ایک نہ ایک دن اپنے ٹھکانے سے لگ رہیں گے۔ اِن کی کونسی خاص بات بیان کروں دعا اور قدرت اور وحی اور معجزات اور ملائکہ اور شیطان اور جنت اور دوزخ اور آسمان ایک چیز بھی انھوں نے نہیں چھوڑی جس میں عقلی ٹکّے نہ چلائے ہوں۔ انھوں نے اپنا اصول ہی ٹھیرا رکھا ہے کہ بل کذّبوا بما لم یحیطوا بعلمہ جو بات سمجھ میں نہ آئی اُس سے انکار۔ اور میں اِن سب کو غیر ضروری اور ادراکِ انسان سے بالاتر سمجھتا ہوں۔

[1] اور اِن کو خیال یہ ہے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں ۱۲

صادقہ کا مذہبی خواب - دُعا

سوال - اگر آپ دعا وغیرہ اِن ہی چند باتوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر فرمائیں تو میں نہایت درجہ ممنون ہوں گا - اور شاید میں اس سے زیادہ آپ کو تکلیف بھی نہ دوں -

جواب - دعا کا حال یہ ہے کہ میرے نزدیک کوئی فردِ بشر اس سے منکر نہیں یعنی کوئی بندہ بشر نہیں جو مصیبت میں دعا نہ مانگتا ہو اور دعا نہیں مانگتا دل کی خالی خولی تسلّی کے لیئے بلکہ اُس تسلّی کے لیئے جو حصول مدعا سے ہوتی ہے یعنی ہر فرد بشر کو کامل یقین ہے کہ کوئی اسکے دُکھ درد سُننے والا ہے اور ایسا سننے والا کہ وہ اسکی مدد کر سکتا ہے اور اسکو پورا بھروسا ہے کہ کرے گا تو یہ انسان کی ایک خلقی بات ہوئی اور دعا سے انکار کرنا اصول نیچر کے خلاف ہوا - فلاسفہ میں سے ایک گروہ سوفسطائیوں کا ہے وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کچھ ہے ہی نہیں یہ سب وہم کا کارخانہ ہے ایک چیز جسکو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں خارج میں کہیں اس کا وجود نہیں ہمارے وہم نے اسکو موجود مان لیا ہے - وہ لوگ خوشی اور رنج اور راحت اور درد کسی کے قائل نہیں - مگر باایں ہمہ دنیا بھی ہے اور اس میں بے شمار مخلوق بھی ہے خوشی اور رنج بھی ہے راحت و درد بھی ہے - کیوں ہے؟ اس لیئے کہ ہم دیکھتے اور احساس کرتے ہیں - غرض ہمارا دیکھنا اور احساس کرنا ہی چیزوں کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور دلیل نہیں اور نہ کسی اور دلیل کی حاجت اسی طرح دعا بھی ہے - کیوں ہے؟ اس لیئے کہ ہمکو خود بخود اسکے ہونے کا یقین ہے - جو شخص دعا کا منکر ہو اُسکو چاہیئے کہ دعوئے اسلام سے دست بردار ہو کر سوفسطائیوں میں جا ملے - مگر نیچری ہونا اور انسان کے نیچر کو نہ ماننا اور سوفسطائیوں کی سی باتیں کرنا اور اسلام کا دعوی یہ تو کوئی معقول بات نہیں - رہی یہ بات کہ کیوں ہر طرح کی دعا قبول نہیں ہوتی اور کیوں ہمیشہ قبول نہیں ہوتی اس سے تو دعا کو اور تقویت پہنچتی ہے کہ باوجودے کہ ہر طرح کی دعا قبول نہیں ہوتی اور ہمیشہ قبول نہیں پھر بھی لوگ دعا کیے ہی جاتے ہیں اس واسطے کہ دعا اُن کی فطرت میں داخل ہے - دعا کا تو نام ہے اصل تکرار اس بات کی ہے کہ خدا کی قدرت محدود ہے یا نامحدود میرے روبرو یہ مسئلہ پیش کیا جاے تو میں فوراً اس بحث کو بند کروں کہ خدا کی ذات اور صفات میں زیادہ غور و خوض کرنا ہماری عقل کی رسائی سے باہر بات ہے - لیکن

لوگوں کے سروں میں بیرا دماغ نہیں دماغوں میں میرے خیالات نہیں نیچری خدا کو قادر مطلق تو مانتے ہیں مگر اس طرح پر کہ اُس نے اپنی مرضی سے ایک قاعدے پر دنیا کے انتظام کو چلا دیا اب وہ قاعدہ ٹوٹ نہیں سکتا نہ اس واسطے کہ خدا اسکو توڑ نہیں سکتا بلکہ اس واسطے کہ وہ اسکو توڑنا نہیں چاہتا۔

سوال۔ کمبخت بات تو مغز سے ایسی اُتار کر لاتے ہیں کہ کسی کے اُٹھائے نہ اُٹھے۔

جواب۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کا انتظام ایک نسق پر چل رہا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ نسق ناقابل تبدیل بھی معلوم ہوتا ہے مگر ہماری معلومات اس قدر ناقص ہے کہ اول تو ہم یقینی طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ وہ نسق ہے کیا۔ ہم ایک واقعے کو دیکھتے ہیں اور اپنے نزدیک اس کا ایک سبب ٹھہرا لیتے ہیں ممکن ہے کہ جسکو ہم نے سبب سمجھا ہو وہ سبب کافی نہ ہو اس میں کچھ شرائط ہوں یا اُسکے ساتھ دوسرے اسباب ہوں اور وہ ہمکو معلوم نہ ہوئے ہوں۔ یہ ریلیں اور تار برقی اور ہزارہا قسم کی کلیں جو چل پڑی ہیں اُنکے معنی کیا ہیں کہ نئے نئے اسباب انسان کو دریافت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے زمانہ گذشتہ کے حالات بھی تو مبہم ہیں کوئی شخص وثوق کے ساتھ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ شروع دنیا سے فلاں واقعے کے خلاف کبھی نہیں ہوا۔ ہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے علم میں اسکے خلاف نہیں ہوا لیکن کیا وہ اور کیا اُس کا علم یہ حشرات الارض جو برسات کا پانی پڑنے سے زمین میں کودنے اُچھلنے اور رینگنے لگتے ہیں ان کو کیا خبر کہ دنیا میں گرمی اور جاڑے کے موسم میں کیا ہوا کرتا ہے زمانے کے امتداد پر نظر کرو اور پھر انسان کی ہستی کو دیکھو تو آدمی حشرات الارض سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ باوجودیکہ ہم دنیا کے انتظام کو ایک نسق پر چلتا ہوا دیکھتے ہیں ساتھ ہی ہم اسکو قابل تبدیل بھی سمجھتے ہیں ورنہ دعا ہی کیوں کرتے۔ رہی یہ بات کہ دنیا کے انتظام کو ہم کیوں قابل تبدیل سمجھتے ہیں اس کا وہی جواب ہے کہ ہماری فطرت ہی اسی طرح کی واقع ہوئی ہے۔ مزہ تو اسی میں ہے کہ نیچری کو نیچر قائل کرے۔ نیچریوں نے اپنی اس رائے کے نتائج پر نظر نہیں کی ورنہ ایسی بات اُن کو مونہہ سے نکالنی بھی مناسب نہ تھی ؎ تو برائے وصل کردن آمدی ٭ نے برائے فصل کردن آمدی ٭ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اگرچہ دنیا کے امن و انتظام میں حکام ظاہر کو دخل ہے مگر نہ مذہب جتنا۔ آج دنیا کے تمام لوگوں کی دصرف معدودے چند نیچریوں کی نہیں اور

ہونے سے کہنے کی سند نہیں بلکہ واقع میں قول سے) یہ رائے ہونے دو کہ خدا نہیں پایا ہے اور جو کچھ اسکو کرنا تھا کر چکا۔ پھر دیکھو کہ دنیا کا کیا رنگ ہوتا ہے۔ فرانس اور اٹلی نے حکما مذہب کو انتظام دنیا سے خارج کر کے کیا پھل پایا۔ مردم شماری گھٹ گئی جرائم کی تعداد اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ ملک سے برکت سلب ہو گئی۔ تو ہار کر پھر چاہتے ہیں کہ حسب دستور سابق مذہب کو رواج دیں۔ مذہب سے علیحدہ ہو کر دنیا میں نیکی رہ ہی نہیں سکتی اور اس جگہ مذہب سے مراد ہے یہی خیال کہ خدا اپنی ذات سے دنیا میں تصرف کرتا ہے اور وہ اسباب کا محکوم یا محتاج نہیں۔

صادقہ کا مذہبی خواب۔ وحی اور معجزات

سوال۔ اچھا اب چلیئے وحی۔

جواب۔ یہ بحث جا پہنچتی ہے خدا کی صفات میں۔ جب ہم نے ایک شخص کو پیغمبر مانا اور تسلیم کر لیا کہ اس بندے کو خدا سے خاص طرح کا تقرب ہے۔ تو اب اس تقرب کی کیفیت میں ہم کلام کر نہیں سکتے وہ بندۂ مقرب اپنے تقرب کی نسبت جو کچھ بیان کرے ہمکو ماننا پڑے گا۔ اور اسکی زیادہ تفتیش کرنے سے ہمکو فائدہ ہی کیا ہے۔ تقرب ہے تو اس کو ہے نہ ہمکو۔ ہمکو اسکے تقرب سے کام ہے نہ تقرب کی کیفیت سے

سوال۔ اچھا معجزات۔

جواب۔ یہ قدرت کی بحث کا ضمیمہ ہے۔ بات ایک ہوتی ہے اور اس میں شاخ در شاخ بہت سی باتیں نکلتی چلی آتی ہیں اسپر بھی [illegible] قوموں کا اجماع ہے۔ وہ کونسا مذہبی گروہ ہے ذرا میرے سامنے تو آئے جو معجزات اور خوارق عادات اور کرامات اور استدراج کا قائل نہیں۔ اور قائل بھی ایسے ایسے لوگ ہیں کہ ایسے مقدس آدمی جھوٹ بولنے لگیں تو جانو کہ دنیا میں کہیں سچ کا نام نہیں۔ خدا کی قدرت نظر کرو تو معجزہ کچھ تعجب کی چیز نہیں۔ دنیا کا ہر واقعہ معجزہ ہے۔ فرق اگر ہے تو اسی قدر ہے کہ ایک چشمہ آئے دن واقع ہوتی رہتی ہے۔ ہم اس سے خوگر ہو گئے تعجب نہیں کرتے ایک چیز جو شاید معمولی چیزوں سے وقعت میں کم بھی ہو۔ شاذ و نادر واقع ہوتی ہے ہم کو تعجب ہوتا ہے۔

[1] ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون یہ بھی ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر کوئی واقعہ خلاف عادت واقع ہو تو گواہی کے سوائے اُس کا اور کیا ثبوت دیا جاسکتا ہے اور گواہی کو لوگ صرف اس وجہ سے متہم کریں کہ واقعہ خلاف عادت ہے تو یہ نری زبردستی اور ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے۔ علاوہ بریں میں تو معجزات کی کچھ ایسی بڑی وقعت بھی نہیں لگاتا۔ وہ کوئی اور ہونگے جن کو معجزات سے تسکین ہوتی ہوگی۔ ہمکو تو تسکین ہوتی ہے پیغمبر کی تعلیم سے۔ پیغمبر کے طرز زندگی سے۔

سوال۔ اب ملائکہ کا نمبر ہے۔

جواب۔ ملائکہ سے جو انکار کیا جاتا ہے تو صرف اتنی بات پر کہ دکھائی نہیں دیتے۔ سو خدا کرے کہ ابھی دکھائی دیں یوم یرون الملائکۃ لا بشری یومئذ للمجرمین و یقولون حجرا محجورا[2] تاویل یہ کرتے ہیں کہ ملائکہ سے مناسب مقام کالبیوں کی طرح کے قوی ہیکل لوگ یا اللہ کے نیک بندے یا انسان کی وہ روحانی قوتیں جو نیک کام کرنے کی داعی ہوتی ہیں مراد ہیں لیکن ہم فرشتوں کو اسی طرح کا مخلوق مانیں جیساکہ عام مسلمان مانتے ہیں۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کیا قباحت لازم آجائے گی۔ یوں بھی خدا اپنے تصرفات دوسری چیزوں کے ذریعے سے نافذ کرتا ہے وہ ذریعہ مثلاً آگ پانی ہوا نہوئے فرشتے ہوئے سہی اور فرشتوں کے نہ دیکھ سکنے کی کیا شکایت کریں جب کہ اپنی روح جسکو ساری عمر بغل میں پالا کیئے دیدار کے دکھانے کی روادار نہیں۔ ملائکہ کے متعلق ایک قصہ قرآن میں ہے کہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے زمین میں اس کو اپنا نائب بنانا چاہا تو فرشتے معترض ہوئے۔ خدا نے آدم اور فرشتوں سے سب چیزوں کے نام پوچھے۔ آدم اس امتحان میں پاس ہوا اور کل فرشتے فیل۔ تب خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کا ادب کریں

[1] بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ردوبدل میں اور کشتی میں جو لوگوں کے کام کی چیزیں لیکر دریا میں چلتی ہے اور مینہ میں جسے اللہ نے آسمان سے برسا کر زمین کو بعد مرے پیچھے جِلا اٹھایا اور ہر طرح کے چلنے پھرنے جانور اس میں پھیلادیئے اور ہوا کے اُلٹ پلٹ میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرا رہتا ہے سمجھنے والوں کے لیئے بہتیرے ہی قدرت کے نشان ہیں ۱۲ [2] جس دن فرشتے نظر آئیں گے گنہگاروں کے لیئے کوئی خوشی ہوگی اور کہیں گے دور کی جاوے کوئی اوٹ ۱۲

حضرت شیطان نے نافرمانی کی اور راندہ گیا یہاں فرشتوں سے نیکی کا رجحان اور شیطان سے بدی کا میلان مراد لیتے ہیں کہ خدا میں اور فرشتوں میں بحث کا ہونا سخت نامعقول بات ہے لیکن اگر خدا میں اور فرشتوں میں بحث کا ہونا نامعقول بات ہے تو خدا میں اور آدم کی نیکی کے رجحان اور بدی کے میلان میں بحث کا ہونا اس سے زیادہ تر نامعقول بات ہے۔ اور یوں ہنسی اُڑانے پر آؤ تو ہر ایک بات کی ہنسی اُڑائی جا سکتی ہے وکان الانسان اکثر شیء جدلا مجھکو تو اس ہنسی اُڑانے پر بے اختیار قرآن کی وہ آیت یاد آئی ان تقول نفس یا حسرتی علے ما فرطت فی جنب اللہ وان کنت لمن الساخرین اسی طرح ایک مسلمان کی ایک تحریر نظر پڑی۔ وہ عیسائیوں کی اُس دعا کیساتھ تمسخر کرتا ہے جو گرجاؤں میں مانگی جاتی ہے کہ "اے ہمارے آسمانی باپ تیرے نام کی تقدیس ہو تیری بادشاہت آئے تیری مرضی جیسی آسمان میں ہے ویسی ہی زمین پر بھی ہو ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے"۔ اس پر وہ مسلمان صاحب فرماتے ہیں کہ پیٹ بھرنے کی دعا تو گدھا بھی ہر روز مانگتا ہے یعنی یہ دعا خدا کی تعلیم کی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔ یہاں تک تو چنداں مضائقے کی بات نہیں کہ مسلمان توراۃ و انجیل کو محرف سمجھیں اتنی پرانی کتابوں کا ترجمہ در ترجمہ ہو کر تبدیل سے محفوظ رہنا قرین قیاس نہیں۔ کچھ بھی کرو ترجمے میں ہو بہو اصل کی شان تو باقی رہتی نہیں اور یہ آزمائی ہوئی بات ہے۔ اس پر وہ آفتیں جو یہودیوں اور عیسائیوں پر مخالف مذہب والوں کے ہاتھ سے نازل ہوتی رہیں۔ جلاوطن کر دیئے گئے اُن کی کتابیں چھین کر جلا دیں۔ اور اُس زمانے کی کتابیں ایسی بخشیں ہی کتنی۔ پھر ہر مذہب میں ایسے بدنفس بھی ہوتے رہے ہیں جو ضد بالاپچ میں آکر اور نہیں تو معنوں ہی کو الٹ پھیر کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن با ایں ہمہ اسلام نے توراۃ اور انجیل کا برابر ادب قائم رکھا ہے۔ پیغمبر صاحب ان ہی کتابوں سے استشہاد کرتے تھے مصدقا لما معکم انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی و نور وقفینا علے آثارھم بعیسی بن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ وآتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور و مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ و ھدی و موعظۃ للمتقین جن کتابوں کو خدا ہدی اور نور اور موعظہ فرمائے مسلمان کی یہ شان نہیں ہونی چاہیے کہ ان کی توہین کرے اور خدا کی تعلیم کی ہوئی دعا کو گدھے کے رینگنے سے بھی گئی گزری سمجھے۔ ہمارے خیال میں تو نہیں آتا کہ خدا کو

رب العالمین کہنا اور جیسے روٹی مانگنا دونوں میں کیا فرق ہوسکتا ہے۔ اگر لوگوں نے توریت اور انجیل میں تحریف کی اور ہم کہتے ہیں کہ کمی تو پیشین گوئیوں میں کی ہوگی احکام میں کی ہوگی دعاؤں میں تحریف کرنے کی ان کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ اسی خیال سے میں نے تم کو مباحثے اور مناظرے کی سخت ممانعت کی کہ اب مباحثے اور مناظرے کا یہ رنگ رہ گیا ہے اور یہ تو بڑا ہلکا رنگ ہے۔ لیکن کیا ایسی طرز سے تم عیسائیوں کو مسلمان کرنا چاہتے ہو۔ یوں کہو کہ اس طرز کو دیکھ کر مسلمان بھی مسلمان نہیں رہتے ہیں یا

سوال - اب ان فرقوں کو جانے دیجیے سن کر طبیعت کو بڑا رنج ہوتا ہے وہی نیچریوں کے خیالات بیان کیجیے کہ شیطان کے بارے میں ان لوگوں کی کیا رائے ہے۔

جواب - فرشتوں کے ذکر میں سن نہیں چکے اب اُسکے دہرانے کی کیا ضرورت ہے۔

سوال - ایک اعتراض تو نیچریوں کی طرف سے مجھکو بھی کرلینے دیجیے۔

جواب - بسم اللہ۔

سوال - بھلا یہ تو فرمائیے کہ شیطان کو ہمارے پیچھے لگا دینا کہ ہر وقت ہماری ابدی ہلاکت کے درپے رہے اور ہم اسکو دیکھ بھی نہ سکیں آپ کو بھی خدا کی شان اور اسکے انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے یا نہیں اس سے تو وہ بدی کا میلان ہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

جواب - اب تم لگے اسرار مصالح خالق عالم میں دخل دینے۔ اور یوں تو تمہارے نزدیک انسان کا پیدا کرنا اور اسکو مارنا بھی خدا کی شان اور اُس کے انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ شیطان کا پیدا کرنا اگر انصاف سے بعید ہے تو انسان میں بدی کا میلان پیدا کرنا کیوں انصاف سے بعید نہیں۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہے مگر ایک [illegible] بھی کیا کرو گے۔ بدی کو شیطان کی طرف منسوب کرنے میں [illegible] اس بات کی طرف ہے کہ گو آدم نے خدا کے حکم سے سرتابی کی اور جس درخت کی مناہی تھی کھا لیا اس پر بھی خدا نے اپنی مہربانی اُس پر کچھ کم نہیں کی کھایا آدم نے اور تھوپا گیا شیطان کے سر جرم کو رو در رو کہہ دینا کہ تیرا قصور ہے [illegible] ایک [illegible] پر رکھ کر اسکو الزام دینا دونوں میں بڑا فرق ہے شیطان کا پیدا کرنا جسکو ہم دیکھ بھی نہیں سکتے مطلع [illegible] اُسکا آگاہ نہ کر دیا [illegible] دنیا میں بہت سے انسان کی جان کے دشمن موجود ہیں

وہ پانی میں ڈوب جاتا۔ آگ اُس کو جلاتی۔ بجلی گرتی۔ سانپ کاٹتا۔ زہر سے مرتا اور پھر کتنے دشمنوں میں زندہ رہتا۔ اب کہیں سوالات کا سلسلہ ختم بھی کروگے جی تو اُکتا گیا۔

سوال۔ بس اب ختم ہی سمجھیے دو چار باتیں اَور رہ گئی ہیں۔ آپ کا جی تو بے شک اُکتا گیا۔ مگر میرے دل سے تو پوچھیے کہ میرے حق میں آپ کا ایک ایک لفظ آب حیات کا سا کام دے رہا ہے۔ اب جنت اور دوزخ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔

جواب۔ میں کیا فرماؤں گا نہ اسکو دیکھا نہ اسکو۔ ہاں اسی سے جو پیغمبر صاحب سے سنا دوزخ کا تو دیکھنا ایک بھی گوارا نہیں۔ جنت کی تمنا ہے۔ سو وہاں جانے کی جو شرائط ہیں ادا نہیں ہوتیں۔ غرض ذاتی معلومات تو جنت اور دوزخ کی نہ ہے اور نہ اس زندگی میں ہو سکتی ہے۔ مزے کی بات سو بات ہمارے یہاں ایک مسلمان کا لڑکا خدمتگار تھا۔ تھا کچھ احمق اور مسخرہ سا تو بچے اسکو چھیڑتے اور پوچھتے۔ کیوں بے فلانے تو بہشت میں جانا چاہتا ہے یا دوزخ میں۔ وہ کہتا میاں وہاں چل کر دیکھوں گا اور ادھر یا اُدھر ہو رہوں گا۔ میرے کان میں اس کی بات پڑتی تو کہتا ایسی بے خبری ہے تو یہ اب بھی بہشت ہی میں ہے۔ نیچری بیچارے تو جب مجبور ہوتے ہیں اور جواب بن نہیں آتا تو ناچار تاویل پر اتر پڑتے ہیں۔ اصل میں یہ اعتراض عیسائیوں کا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کے مزوں کو جمع کر کے ایک خیالی بہشت بنا رکھی ہے جو خدا کے تقدس کے بالکل خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں دنیا میں جو خدا نے یہ مزے پیدا کیے ہیں خدا کے تقدس میں ابھی کونسا فرق آگیا ہے کہ بہشت میں انکے ہونے سے آجائے گا۔ عیسائیوں کی تو باتیں میں رہبانیت ہے اور وہ نہ چلی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔ اگر انسان کی ایک خواہش کا پورا ہونا گناہ نہیں تو دوسری خواہش کا پورا ہونا کیوں گناہ ہو۔ خواہش ہونے میں سب خواہشیں برابر ہیں ہاں کیفیتیں مختلف ہوں۔ اگر وہ کھانا کھا سکتا ہے تو پانی کیوں نہ پیئے۔ اگر کھانا کھا سکتا اور پانی پی سکتا ہے تو سونے کو اُسے کس نے منع کیا۔ من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق دنیا کے کسی مزے میں گناہ نہیں گناہ ہے تو اس کے ناجائز طور پر فائدہ اُٹھانے میں ہے۔ ان مزوں میں پڑ کر خدا سے غافل ہو جانے میں ہے اور خدا کی ناشکری میں۔

سوال - اچھا پھر نیچری کیا کہتے ہیں -

جواب - نیچری کہتے ہیں لوگوں کے سمجھانے کو تمثیل کے طور پر جنت کے مزے اور دوزخ کی تکلیفیں بیان کر دی ہیں - رنج و راحت آخرت میں بھی ہے مگر ہم اُس کی کیفیت کے سمجھنے کے لائق نہیں - ناک اُسی جگہ ہے سامنے سے بتاؤ تو اور گدی کے پیچھے ہاتھ پھیرا کر بتاؤ تو ہم تو چھوٹتے ہی یہی جواب دیتے کہ دوزخ ہو یا جنت یہ وہ چیزیں ہیں جن کے مرنے پیچھے واسطہ پڑے گا - وحی کے سوائے ہمکو کوئی ذریعہ ان کی حقیقت دریافت کرنے کا نہیں اور جو کچھ وحی میں ہے ہم اس سے نہ ایک حرف کم کہہ سکتے ہیں اور نہ ایک حرف زیادہ اور نہ تاویل کرتے ہیں بلکہ سکوت اور زیادہ تفتیش کرنے کو اپنے حق میں بالکل غیر ضروری سمجھتے ہیں -

سوال - اب تو صرف ایک آسمان رہ گیا ہے اور بس -

جواب - اچھا تم نے میرے لفظوں کو یاد رکھا - اجی ان پر کیا موقوف ہے ایسی بیسیوں باتیں ہیں وہ جو گر تھا یئے تمکو سمجھا ہی دیا - آسمان کا بھی قرآن میں بہت ہی جگہ مذکور ہے - اول تو زمین میں اسکے تصرفات بکثرت ہیں - آسمان سے پانی برستا آسمان سے روشنی آتی آسمان سے سینک پہنچتی آسمان کے تعلق سے ہمارے موسم بدلتے آسمان کے تعلق سے ہماری روزی پیدا ہوتی پھر آسمان میں اجرام فلکی ہیں اور ان [illegible] جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان سے بھی ہمارے کام نکلتے ہیں ان کے علاوہ آسمان خدا کی قدرت کا بڑا عظیم الشان نمونہ ہے - یوں دیکھو تو ایک [illegible] اسر پوش زمین پر بڑا ڈھکا ہوا معلوم ہوتا ہے ایسا کہ دو تک کنکوا بڑھائیں تو شاید آسمان کو جا لگے - مگر جتنی دور آنکھ سے دکھائی دیتا ہے وتنی ہی دور بڑے سے بڑے پلے کی دوربین سے - غرض یوں دکھائی دیتا ہے تو کیا ہے اس کو بھی ایک اعتبار سے اُن ہی چیزوں میں سمجھو جو نظر نہیں آتیں جیسے فرشتے جنات بہشت دوزخ وغیرہ - آدمیوں کو اختلاف کرنے کے لیئے اتنا بس کرتا ہے - یہ حضرت عقل دوڑائے بدون رہنے کے نہیں - جو جس کی سمجھ میں آتا ہے کہتا ہے - اصل حقیقت خدا کو معلوم ہے - اپنی نارسائی کا تو حال یہ ہے کہ اپنے ہی تئیں نہ جانا کہ کیا ہیں - آسمان کے پیچھے کیا سر کھپائیں - مذہب کی رو سے جو تعلق ہمکو آسمان سے ہے وہ یہی ہے کہ ہم اُسکو دیکھیں اور اپنی بے حقیقتی اور خدا کی عظمت کے خیال کو دل میں جمائیں -

اور جو ان فکروں میں پڑے ہیں کہ وہ ہی بھی یا نہیں اور ہے تو کتنی دور ہی اور کاہے کا بنا ہی دنیا ان کی لیاقت اور ذہانت کی مدح کرے اور وہ اپنے جی میں خوش ہوں۔ مگر مذہب کو علاقہ نمبر (۲) کی باتوں سے کچھ سروکار نہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہی۔ ولقد جعلنا السماء سقفا محفوظا وھم عن آیاتھا معرضون[۱]۔ جس نظر سے علم ہیئت والے اجرام فلکی کے حالات کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں ہم تو اُن کو اس آیت کے الفاظ سے بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ آسمان کے متعلق اِن دنوں ایک نئی بحث چلی ہی۔ قرآن میں کئی جگہ اس کا مذکور ہی کہ خدا نے زمین و آسمان کو یعنی سارے جہان کو چھ دن میں بنایا۔ چھ دن نہ اس سے لگے کہ خدا اس سے کم میں بنا نہیں سکتا تھا۔ مگر اُس نے کسی مصلحت سے جو ہم پر منکشف نہیں چھ دن لگائے۔ کہتے ہیں کہ اس دیر کے لگانے سے ہم لوگوں کو دکھانا سکھانا منظور تھا کہ کوئی کام ہو آہستگی کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ خیر تو یہ واقعہ اُن وقتوں کا ہی کہ آدم خاکی کا وجود بھی نہ تھا۔ اور آدم کی نسل نے بھی پیدا ہوتے کے ساتھ ہی سب کمالات حاصل نہیں کر لیئے تھے۔ ہزاروں برس کے تجربے کے بعد تو ہم اس درجے کو پہنچے ہیں۔ سو جاننے والے اس کو بھی ترقی کی ابجد ہی بتاتے ہیں اور ہے بھی یوں ہی۔ آدمی نہ صرف آنے والے واقعات کے جاننے سے عاجز ہی بلکہ ایک مدت کے بعد اس کو گزشتہ واقعات کا پتہ ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہی مصر میں ہزارہا برس پہلے کے عجیب مینار موجود ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ آدمی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں کتبے لگے ہیں مگر پتہ نہیں چلتا کس نے بنائے کب بنائے کس غرض سے بنائے۔ کتبے پڑھے نہیں جاتے وہ خط معدوم ہو گئے۔ ان کے لکھنے والے معدوم ہو گئے۔ پڑھنے سمجھنے والے معدوم ہو گئے۔ اور ایسی کتنی چیزیں دنیا میں ہیں۔ جب ایسی ایسی مستحکم یادگاروں کا یہ حال ہی تو آدمی کیا جان سکتا ہی اور کیونکر جان سکتا ہی اُن وقتوں کی باتیں جو اس کی ہستی سے پہلے کی ہیں۔ کیفیت تو یہ ہی اور رائے زنی کی جاتی ہی اس میں کہ آسمان اور زمین کب بنے اور کیونکر بنے اسکو جنون نہ کہیں تو کیا کہیں۔ افراطِ عقل بھی کیا بُری چیز ہی انسان کو کیسے کیسے کوے جھکاتی ہی۔ زمین آسمان کے پیدا ہونے کی سب سے پہلی تحریری یادداشت دنیا میں

[۱] ہم نے آسمان کو بنایا چھت بے چھکوں اور لوگ ہماری قدرت کی نشانیوں سے جو اس میں ہیں بے پروا ہیں ۱۲

تورات ہے کہ اس کے پہلے باب میں اسی قسم کا بیان ہے۔ یا اب لوگوں نے عقلی تکے چلانے شروع کیے ہیں ان ہم الا یخرصون۔ انھوں نے دیکھے دنیا میں اس طرح کے تغیرات کہ جہاں پہاڑ ہیں وہاں کسی زمانے میں سمندر بہتا ہوگا۔ کیونکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر مچھلیوں کی ہڈیاں پائی گئیں اور معلوم ہے کہ مارے سردی کے کوئی جاندار وہاں جا نہیں سکتا۔ علاوہ بریں ہڈیاں نکلیں پتھروں کی تہوں میں دبی ہوئیں۔ پھر دیکھا کہ صحرائے افریقہ کے ریگستان کو کھودا جاتا ہے تو بہت نیچے جا کر ایسے درخت دبے [illegible] نکلے جیسے سمندر کے دوسری جگہ پیدا ہو نہیں سکتے ان کو چاہیئے شور پانی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہاں پہلے سمندر ہوگا۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ ہوا کے جھکولوں سے سمندر میں جھاگ اٹھتے ہیں اور جھاگ سورج کی گرمی پا کر کائی بن جاتے ہیں۔ کائی کی مٹی مٹی کے کنکر۔ کنکر کے پتھر۔ مگر یہ تغیرات کتنے ہزاروں برس میں جا کر واقع ہوتے ہیں۔ تو انھوں نے قیاس دوڑایا کہ ہو نہ ہو دنیا اسی قاعدے سے بنی ہوگی۔ ذرا اس کو دھیان میں رکھنا۔ اب انھوں نے فرض کر لیا کہ زمین آسمان سے پہلے خلا تھی اور خلا میں ایک قسم کے نہایت چھوٹے چھوٹے ذرے تھے جیسے کواڑوں کی درز میں آفتاب کی شعاع سے نظر آیا کرتے ہیں۔ ان ہی ذروں میں تغیر و انقلاب ہوتے ہوتے آکر دنیا بن گئی۔ بس اب کیا تھا ابتدائے آفرینش کا معما ایسا عمدہ طور پر حل ہو گیا کہ گویا آسمان اور زمین ان کے سامنے کے گودھلائے بچے ہیں۔ اب اس خیال کا مقابلہ ہے تورات کی کتاب آفرینش سے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے بننے میں کچھ نہ لگے ہوں گے تو لاکھوں کروڑوں برس اور تورات بتاتی ہے چھ دن صرف چھ دن۔ اگر کوئی شخص دہریہ ہو اور خدا کو نہ مانتا ہو اور وہ ایسا خیال کرے تو عجب نہیں کہ دنیا اسی طرح قدیم سے چلی آئی ہے اور آپ سے آپ بن گئی ہے۔ لیکن بیچارے نیچریوں کی مشکل ہے کہ ایک طرف تو قرآن ہے تورات کا ہم زبان اس کا مصدق اور دوسری طرف زمانۂ حال کے محقق [illegible] کر رکھے نہ قرآن ہی کو غلط کہتے بن پڑتی ہے اور نہ فلسفیوں ہی کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ موجود ہو جائے اور خدا الگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تماشا دیکھے۔ آخر انھوں نے آب و آتش کے یک جا کرنے کی یہ تدبیر نکالی۔ اور اس کے سوا نے نکالتے بھی کیا کہ وہ چھوٹے چھوٹے ذرے خدا نے پیدا کیے اور ان ذروں کا اجتماع اس طرح پر کہ ایک اجتماع سے پتھر بنا اور دوسرے سے

ہاتھی ایک سے آفتاب دوسرے سے ہوا ایک سے زمین دوسرے سے پانی یہ سب خدا کے حکم سے ہوا اگر ہوا ہی لاکھوں کروڑوں برس میں جیسا کہ فلاسفہ نے سمجھا۔ رہا قرآن وہ تو کچھ بات نہیں زمین اور آسمان کی پیدایش کے بارے میں یہودیوں کا ایسا ہی خیال تھا کہ خدا نے ان کو چھ دن میں بنایا ہے سو قرآن میں خدا کا یہ مقصود نہیں کہ ہم نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان جس کا چھ دن میں بن جانا تم کہتے ہو اسکے بنانے والے ہم (خدا) ہیں تورات جس میں پیدایش کا خاص پہلا باب قایم ہے ہم مسلمان اسکے ذمہ دار نہیں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ وحی آسمانی ہے یا یہودیوں کے ڈھکوسلے ہیں تاویلیں کی تو سہی مگر جس کی نظر قرآن پر ہے وہ کبھی اس بات کو تسلیم کر نہیں سکتا کہ کہ قرآن میں چھ دن کی تعیین پر زور نہیں دیا گیا۔ بے شک کچھ آیتیں ایسی بھی ہیں جن کا مخاطب بہ تکلف یہود کو بنایا جا سکتا ہے۔ مگر ایسی بھی آیتیں ہیں جن کا سیاق وسباق پڑا پکار رہا ہے کہ چھ دن پر زور ہے اور مخاطب بالتخصیص یہود کل افراد بشر ہیں جیسے سورۂ ق میں ولقد خلقنا السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب وما مسنا من لغوب کا اسکے سوائے اور کیا محل ہو سکتا ہے کہ قائل کا مطلب چھ دن پر زور دینا ہے۔ غرض اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے ہم کو تو اس تاویل کے تسلیم کرنے سے دنیا کا چھ دن میں پیدا ہونا مان لینا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور پھر جب خدا نے چھوٹے چھوٹے ذرّوں کو بنایا اس کے حکم سے ان کے اجتماعات ہوئے اتنا ماننے سے کیا قباحت لازم آجائے گی کہ موجودہ اجتماعات چھ ہی دن میں ہو گئے اور آگے کو یہ قاعدہ ٹھہرا کہ ہوں تو ہزاروں لاکھوں برس میں ہوں۔ اس سے خدا کی بڑی عظمت اور اس کی بے انتہا قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ جو کام ہزاروں لاکھوں برس میں ہونے کے تھے اس نے بے تکان چھ دن کے تھوڑے عرصے میں کر دکھائے۔ آدمی جو اب ایک طور پر پیدا ہوتا ہے ضرور ہے کہ سب سے پہلا آدمی اور طور سے بنا ہو تو اب ایک طور پر دنیا کا چلنا اس کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ یہی طور سدا سے چلا آیا ہے

اب تو تم نے نیچریوں کے اصول کو سمجھ لیا ہوگا۔ ان کا اصل مقصد ہے قرآن اور زمانہ حال کے فلسفہ کو ایک ذات کر دینا کہ دونوں میں کسی طرح کا تناقض اور اختلاف باقی نہ رہے۔ نیت اچھی ہے اور

بہت اچھی ہو ارادہ نیک ہے بہت نیک ہے۔ مگر ویسا ہی کام بھی مشکل ہے۔ اور کوئی آسان سمجھتا ہو تو کرکے دکھائے۔ بے شک نیچریوں سے غلطیاں ہوتی ہیں اور مسلمانوں کا کون سا فرقہ ہے جو ان سے بدتر غلطیاں نہیں کرتا۔ مگر سچ پوچھو تو نیچریوں کی غلطی سے مسلمانوں کو عاجلاً نقصان نہیں پہنچتا جب کہ دوسرے فرقوں کی غلطی سے مسلمانوں کی دنیا تباہ ہو رہی ہے اور دنیا کے ساتھ دین بھی۔

سوال۔ میں نے آپ کے عقائد کو خوب سمجھا اور اب میرے دل میں کسی طرح کا خدشہ باقی نہیں اور مجھکو ایسی تسلی اور خوشی ہے جو ساری عمر کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اور مجھکو امید ہے کہ اگر مرتے وقت بھی میرے ایسے ہی خیالات رہے تو میں بڑے اطمینان سے مروں گا۔ ان شاء اللہ میرا خاتمہ بخیر ہوگا اور آخرکار نجات۔

یوں صادقہ چاہتی تو وہ لکھنے میں بہر دست تھی کہ اپنے اس خواب کو بہت سے بہت ایک ہفتے میں لکھ کر صادق کے حوالے کر دیتی۔ مگر اس طرح کے لمبے لمبے خواب جن میں لفظوں اور عبارتوں کو دہرانا پڑتا تھا ان کے بیان کرنے میں اس کے دماغ کو ایسا سخت فشار ہوتا تھا کہ وہ گھنٹے سوا گھنٹے سے زیادہ اس تکلیف کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اسکو یاد تو ایک بار اپنے ماموں کے امتحان کے سوالات بتانے میں ایسی زحمت پیش آئی تھی مگر وہ بھی تھوڑی دیر کا کام تھا۔ البتہ ایک رسالے کا رسالہ اسکو لکھنا پڑا۔ وہ تو صادق ہی سری کا تھا جس کی خاطر اس نے یہ محنت گوارا کی۔ ادھر اسکو بتا دی ادھر اسکو جلدی۔ اس پر بھی صادقہ کا ایک چلّہ خرچ ہوا۔ تب کہیں جا کر پورا خواب قلمبند ہوا۔ اکثر تو ایسا ہی ہوتا تھا کہ صادقہ لکھتی جاتی تھی اور صادق جھکا ہوا دیکھ رہا ہے اور کبھی کبھی صادقہ کہہ بھی بیٹھتی تھی کہ تمہارے جھکنے سے مجھ پر بڑا بوجھ پڑتا ہے تو صادق ذرا الگ پرے ہٹ جاتا۔ پھر تھم کے سرکتے پاس آکر دیکھنے لگتا۔ غرض ادھر صادقہ کے قلم سے نکلا اور ادھر صادق نے پڑھا۔ پھر ایک دفعہ کے پڑھنے سے اسکو کیا سیری ہوتی۔ وہ بار بار پڑھتا اور سوچتا رہتا۔ خواب ختم ہونے کو آیا تو صادقہ کو اپنے خاص طرح کے حافظہ کی وجہ سے یاد تھا اور صادق کو بار بار پڑھنے سے۔

صادق کا دیوان خانہ تو ایک مدت سے مذہبی اکھاڑہ ہو رہا تھا اور ایسا کونسا دن تھا کہ دو ایک سے اس کی جھڑپ نہ ہوتی ہو۔ شروع شروع میں تو ہوتا تھا مناظرہ اور آخر آخر میں جا تی تھی عداوت کتنے آئے اور روٹھ روٹھ کر گھر بیٹھ رہے اور پھر کہیں رستے میں مٹھ بھیڑ ہو بھی گئی تو ایک نے ادھر کو مونہہ پھیر لیا دوسرا کترا کر نکل گیا۔ خواب کا مناظرہ بالکل اور ہی ڈھب کا تھا۔ اُس میں لفظوں پر بحث تھی نہ دوسرے کو چھیڑنے اور چڑانے سے مطلب۔ نہ خواہ مخواہ کی ضد نہ سخن پروری۔ بلکہ جس طرح بیمار طبیب سے اپنا حال بیان کرتا یا دوست دوست کو صلاح بتاتا اسی طرح نرمی سے آہستگی سے بات چیت ہو رہی تھی جیسے بھلے آدمی آپس میں ہنسا بولا کرتے ہیں۔ ابتدا ہی سے صادق کی طبیعت گداز ہونے لگی یہ کیسی کیسی وقت بونگی بے تکی بھی کہہ بیٹھتا تھا مگر اُدھر سے جب جواب ملا ایسا معقول کہ اسکو الٹ کر کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ پس حقیقت میں اسکو مناظرہ کہنا ہی ٹھیک نہیں۔ وہ خاصہ سبق تھا کہ صادق پڑھتا تھا اور وہ مرد بزرگ پڑھاتے جاتے تھے بیچ بیچ میں اسکو کہیں شبہہ ہوا انھوں نے تسلی کر دی۔ صادق اُن سے کیا جھگڑ سکتا تھا انھوں نے جھگڑے کا دڑ باہی پھونک دیا۔ صادق نے جتنے خواب پہلے دن لکھ دیا صادق کی آنکھیں تو اسی سے کھل گئیں کہ ہاں مذہب کی تحقیقات اور اس سے اطمینان حاصل کرنے کا یہ رستہ ہے۔ اسنے وہ لغو اور بیہودہ اور لاحاصل مباحثے جو آئے دن اسکے یہاں رہتے تھے یک قلم موقوف کر دیئے۔ بلکہ لوگوں کو تعجب بھی ہوا۔ کوئی کہتا تھا جواب سے عاجز آ گئے۔ کوئی سمجھتا تھا ان مدرسے والوں کی جمع پونجی ہی کیا خاص کر علیگڈھ کالج کے لڑکوں کی اور وہ بھی دینیات میں یہ بیچارے گنتی اور پہاڑوں کے سوا کیا جانیں سنی سنائی چند باتیں معلوم تھیں ہو چکیں اب کہیں تو کیا کہیں۔ ایک شخص جو صادق کے خانگی حالات سے بھی کسی قدر واقف تھا خدا جانے اسکو کیونکر معلوم ہو گیا کہ میاں بی بی دونوں کوئی مذہبی کتاب لکھ رہے ہیں اسکے ذریعے سے سارے بستے میں اس بات کا چرچا سا ہو گیا۔ تو لوگوں نے تقاضا شروع کیا کہ صاحب کچھ لکھ رہے ہو تو میدان میں لاؤ۔ یہ کیا کہ بی بی نے لکھا میاں نے داد دی میاں نے کہا بی بی نے تسلیم کر لیا۔ ان لوگوں میں ایک صاحب تو وہ تھے جنھوں نے مقلدوں غیر مقلدوں کی لڑائی میں یہ تجویز نکالی تھی کہ مسجد میں

تقسیم ہوجائیں مقلدوں کی الگ غیر مقلدوں کی الگ۔ ہر مسجد کے دروازے پر نوٹس لگا دیا جاسکتا کہ کوئی آن جان دوسرے فریق کی مسجد میں نہ گھس جائے۔ ایک حضرت وہ تھے جنہوں نے یہ فتوی دیا تھا کہ غیر مقلد امام کے پیچھے مقلد مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ امام کی اطاعت مقتدیوں پر لازم ہے۔ مقتدی تو سجدے سے اٹھ سیدھے کھڑے ہو گئے اور امام جلسۂ استراحت میں ہے تو اطاعت کہاں رہی۔ ایک اس درجے کے محتاط تھے جنہوں نے برسوں سے بی بی کو اس قصور پر اسکے میکے میں بٹھا رکھا تھا کہ وہ لوگ پھول والوں کی سیر میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک تھے جو کچہری کے عین دروازے کے سامنے یا دریا کے مقابلے میں لب سڑک وعظ فرماتے۔ مسجد میں نماز مغرب ہو رہی ہے اور ان کا وعظ جاری ہے کوئی جانا چاہتا تو اسکو روکتے کہ جماعت پر وعظ کو فضیلت ہے۔ ایک تھے تو شہر کے باہر پہاڑ گنج اور بالالتزام مغرب اور فجر کی نماز کھجور والی مسجد میں پڑھتے کہ ہندوؤں کا محلہ ہے نماز میں کسی کے بولنے کی آواز بھی کان میں پڑ جائے تو ثواب جہاد ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایک نے اپنی زندگی اسی میں وقف کر رکھی تھی کہ کچھ ولی موقوف نہیں کہیں بھی مذہبی تکرار سن پائیں عدالت میں پیروی کرنے کو جا موجود ہوں۔ ایک اس تدبیر میں لگے رہتے تھے کہ کوئی مندر نہ بننے پائے جسکی بغل میں مسجد ہو۔ ایک سنتو باندھ کر نیچریوں کے پیچھے پڑے تھے آپ تو کچھ لیاقت رکھتے نہ تھے مگر جو کچھ نیچریوں کی شان میں نثر یا نظم کسی اخبار یا رسالے میں کہیں پاس پایا اسکو چھوڑا نہیں چنانچہ انکے پاس رد نیچری کا نامہ ایک کتاب کا مجموعہ ہو گیا تھا اور اسی پر ان کو بڑا فخر تھا اور فخر کی بات ہی ہے۔ غرض سب کی غرض مشترک یہ تھی کہ نہ آپ چین سے رہئے اور نہ دوسروں کو چین سے بیٹھنے دیجئے یہ لوگ تلطفانہ بھی کرتے تاہم صادق سے خواب کا ضبط ہونا مشکل تھا۔ لوگوں کے تقاضے نے تو خواب کا پورا لکھا جانا بھی دشوار کر دیا۔ شاید ابھی آدھا بھی نہ لکھا جا چکا ہوگا کہ صادق نے جلسے میں سنانا شروع کر دیا۔ اگرچہ ایک ایک ایسے جھگڑالو تھے کہ کسی طرح مانتے ہی نہ تھے مگر ہم کو تو صداقت اور خلوص کی تاثیر کا اسی دن سے یقین آیا کہ صادق پڑھتا جاتا تھا اور یہ سب کے سب دم بخود بیٹھے سنتے تھے کسی نے کان تک بھی تو نہیں ہلایا۔ ان کی عمر دل میں یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ ان کو اس طرح کی دینداری اور نصیحت کی باتوں کے سننے کا اتفاق ہوا۔ اب لوگوں کو خیال آیا کہ اصل میں دینداری ہے کیا چیز۔ ہمکو کرنا چاہئے کیا اور ہم

کر رہے ہیں کہا۔ اس سے پہلے یہ لوگ مسلمان تھے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے تھے مسلمان
کہلاتے تھے۔ آج سے مسلمان ہوئے اس لئے کہ اسلام کی حقیقت کو سمجھا اسکی غرض وغایت کو
سمجھا اسکی صداقت کو سمجھا۔ کوئی ایسا ہی سنگدل ہوگا جو خواب کو سُن کر رو نہ دیا ہو۔ ایک دفعہ تو سب کے
دل بیٹھ سے گئے۔ پھر جو ایمان سے تسلی ہوئی تو سب نے اپنی اپنی اصلاح پر کمر ہمت چست کر لی۔ یا تو
جس وقت مباحثہ ہوتا تھا سارے محلے کو سر پر اُٹھا لیتے تھے یا اب غل غپاڑے کی جگہ ہوا
سکون اور برکت تو اہل محلہ کو امن ملا۔ اور خواب کی برکتوں کی بسم اللہ ہوئی۔ وہ صاحب جنہوں نے
مسجدوں کی تقسیم تجویز کی تھی اور اپنے محلے کی مسجد کے دروازے پر لکھوا بھی دیا تھا کہ غیر مقلد نہ آنے پائے
سب سے پہلے تو انھوں ہی نے اُس تحریر کو چھیلا اور کھرچا۔ اور جن کو غیر مقلد امام کے اقتدا سے انکار تھا وہ
شیخ المحدثین کی مسجد میں جا کر پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے لگے۔ اور جنھوں نے بی بی کو بٹھا رکھا تھا
ڈولی لے جا کر گھر والی کو سوار کرا لائے۔ واعظ صاحب نے وعظ تو بند نہیں کیا مگر کوئی نماز کے لئے
جانا چاہے تو اسکو روکتے ٹوکتے بھی نہیں۔ پہاڑ گنجی پہلوان مدتوں سے دکھائی نہیں دیتے
نماز تو کیا چھوڑی ہوگی جو نہوا اپنے محلے کی مسجد کا حق سمجھنے لگے۔ مقدمہ باز صاحب وعدہ کرتے ہیں جو مقدمات
دائر ہیں ان سے دست بردار ہونا تو بڑی مشکل کی بات ہے مگر آئندہ کوئی نیا مقدمہ نہیں لوں گا۔ جو اس کے
درپے تھے کہ ہر مندر کے پہلو میں مسجد ہو اب کہنے لگے ہیں کہ مندروں کو ڈھا پوجا کو روک ہم نہیں سکتے
خواہ مخواہ ان کی بغل میں گھس کر اپنی عبادت میں بھی کیوں خلل ڈالا۔ رد نیچری کا کتب خانہ ہے تو بدستور
مگر نئے خیالات اور رسالوں کا آنا بند اور نہ لوگوں کا اگلا سا جمگھٹا۔ اور جب لوگوں نے سمجھ لیا کہ اُن کا
ضروری اور مقدم فرض کیا ہے تو ان کو ایسی کیا پڑی تھی کہ دوسروں کے حالات سے تعرض کرتے پھریں
یوں امن اور صلح کاری نے رفتہ رفتہ ایک محلے سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں اپنی تاثیر
پیدا کرنی شروع کر دی۔ لیکن ابھی دن ہی کے ہوئے ہیں تاہم جن تہواروں اور تقریبوں میں پہلے اکثر
فساد ہوتے تھے ایسے چپ چپاتے گزر جاتے ہیں۔ کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور خدا کو منظور ہے تو وہ
دن بھی آیا سمجھو کہ ان تمام مذہبی مخالفتوں کا ایک افسانہ رہ جائے گا اور آنے والی نسلیں اُن باتوں کو

سُن سُن کر ہنسا کریں گی۔ کہ ہمارے بزرگ بھی کس قماش کے لوگ تھے جو اختلاف رائے پر لڑتے تھے۔
مذہب سدا سے ہے اور سدا کو رہے گا اور اختلاف بھی سدا سے ہے اور سدا کو رہے گا۔ مگر مذہب میں جو ایک
طرح کی کراہت ہے دبی ہو تو ہو بھی تعلیم اور آزادی آخرکار اسکو کھو کر رہے گی۔ لوگوں کے عقیدے
جدا جدا ہونگے مگر ایک جگہ کھائیں گے ایک جگہ پئیں گے ایک جگہ اُٹھیں بیٹھیں گے۔ ایک جگہ رہیں سہیں
گے۔ ایک طرح کا لباس ہوگا ایک طرح کا مذاق آپس میں دوستی اور اتحاد رکھیں گے اُس وقت
جاننا کہ آفتاب اسلام طلوع کرنے کو ہے۔ اور ابھی تو آدھی رات ہے یا شاید کچھ ڈھلی ہو تو ڈھلی ہو۔
وہ جو کہتے ہیں اوچھے نے کٹورا پایا پانی پی پی پیٹ پھلایا صادق کا تو کچھ اس طرح کا سا حال ہوگیا
تھا وہ اسکو خواب تھوڑا ہی سمجھتا تھا۔ بلکہ وحی یا الہام۔ وہ سارے سارے دن خواب پڑھ پڑھ کر
لوگوں کو سُناتا اور نہ سنا کر اُکتاتا تھا۔ جو شخص غیروں کے سر ہو ہو کر سنائے وہ اپنے کالج کے دوستوں کو کیوں
چھوڑنے لگا تھا۔ اُس نے خواب کی ایک بڑی عمدہ خوشخط نقل طیار کی اور اُسی خاص کمیٹی میں جس کا
یہ سکرٹری تھا اور جس کا مذکور شروع کتاب میں آچکا ہے اُس کو اس تمہید سے پیش کیا۔

دوستو۔ عزیزو ارشدکم اللہ تعالیٰ۔ آپ صاحبوں نے شروع سے اس کمیٹی اس
معزز کمیٹی کے سکرٹری ہونے کی عزت مجھکو دے رکھی ہے جس کی میں بے انتہا قدر کرتا ہوں اور میں نے
اگر سکرٹری ہونے کے فرض کو جیسا چاہیئے ادا نہیں کیا (سب طرف سے آواز آئی۔ نہیں ایسا
نہیں) تو اس کی اور جو کچھ وجہ ہو۔ مگر میں آپ سب صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اِس کی وجہ یہ
ہرگز نہیں ہے کہ مجھکو اس کمیٹی کے اغراض سے پوری دلچسپی نہیں یا میری توجہ اس کمیٹی کی طرف سے
کچھ کم ہو گئی ہے۔ آپ اس بات کو یاد رکھیئے گا۔ کہ جس شوق سے میں نے اس کمیٹی کے منعقد ہونے
کی تحریک کی تھی وہ شوق اگر زیادہ نہیں ہوا تو گھٹا بھی نہیں (بے شک بے شک) میں شروع شروع
میں کالج کے خلاف اپنی رائے کے ظاہر کرنے پر جرأت کی تھی لیکن میں کھلے دل سے
اقرار کرتا ہوں کہ جن صاحبوں نے میری اس رائے سے مخالفت کی اُن کی دلائل نہایت قوی تھیں
اور میں نے اُن دلائل کے سننے کے بعد ایک منٹ کے لیئے بھی اس رائے کو اپنے سر میں نہیں رہنے دیا

میری نظر میں صرف رائے کی کچھ بھی وقعت نہیں جب تک کہ صاحبِ رائے خود اُس پر عمل کرکے دوسروں کے لیئے نظیر نہ بنے۔ کیا آپ نے وہ اعتراضات نہیں سنے ہونگے۔ ضرور سُنے ہونگے۔ جو ایک بڑے ہندو ریفارمر پر چاروں طرف سے کیئے جا رہے تھے کہ وہ چھوٹی عمر کی شادی کے سخت مخالف تھے اور بواجب مخالف تھے مگر اُنھوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو جس کو بڑی عمدگی اور احتیاط کے ساتھ تعلیم دی جا رہی تھی بالکل چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیا اور وہ بیاہ اُس کی تعلیم کی گاڑی میں ایک روڑا تھا جس کو وہ ہٹا نہ سکے۔ مجکو اس کا تو خیال بھی نہیں آیا کہ اگر شادی نہ کرونگا تو لوگ مجھ پر معترض ہونگے کیونکہ میری معرفت کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔ نہ تو مجھ میں ریفارمر بننے کی صلاحیت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجکو شہرت کی آفتوں سے بھی بچایا ہے تو اگر مجھ پر اعتراض کرتے بھی تو شاید اتنے کہ اُن کو میں ایک ہاتھ کی اُنگلیوں پر گن سکتا لیکن میں نے دنیا کے حال پر نظر کی اور دیکھا کہ خدا کی یہی مرضی ہے کہ ایک وقت پر دنیا چلے تو اس سے اعراض کرنا قانونِ فطرت کو توڑنا ہے اور تمام قوانین میں قانونِ فطرت ہی ایسا زبردست قانون ہے جس کا توڑنے والا سزا سے محفوظ رہ نہیں سکتا۔ اور اسی واسطے اُس قانون کے سب سے بڑھ کر جاننے اور سمجھنے والے نے یعنی ہمارے پیغمبر صاحب صلوات اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین نے فرمایا النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی

میں نے نہ صرف نکاح کی ضرورت کو سمجھا بلکہ اُس کی ذمہ داریوں کو بھی۔ اور جب میں نے نکاح کا قصد کیا ہے تو آپ کی اسی کمیٹی کے طفیل سے اس تعلق کے اطراف و جوانب اور نتائج اور عواقب سے اس قدر واقف ہو چکا تھا کہ اتنی واقفیت کے بدون نکاح کا قصد کرنا میرے نزدیک داخلِ حمق ہے میں نے عموماً انسان کی اور خصوصاً اپنی رغبتوں کو جانچا اور اُن انقلابات کو بھی پیشِ نظر رکھا جو یقیناً یا غالباً میری حالت میں واقع ہونے والے ہیں۔ مثلاً میں یقیناً جانتا ہوں کہ اگر آفاتِ ناگہانی سے محفوظ رہا تو میری توانائی ایک حد پر پہنچ کر ٹھیرے گی اور پھر گھٹنی شروع ہوگی۔ میں نے اس غرض سے انگریزی پڑھی ہے کہ مجکو آسودگی ہو اور میں اس کالج کا خدا اس کو ابد الآباد تک قائم رکھے بہت نہایت ممنون اور شکر گزار ہوں کہ میں معاش کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں اول تو آپ صاحبوں کو

معلوم ہے کہ کتنی دفعہ مجھکو مستقل نوکریاں ملتی رہیں اور پیش ہوئیں اُن کو قبول نہیں کیا میں معاشی
آزادی کی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں اسی سبب میں نے قانون اور انجینیری دو چیزیں اختیار کی
ہیں جن کے ذریعے سے میں اُمید کرتا ہوں کہ نوکری پیشہ لوگوں سے زیادہ خوش حال رہوں گا۔
ایک چیز اور بھی ہے زبان انگریزی سو میں اپنے مضامین پایونیر اور انگلشمین اور مدراس میل اور
بمبئی ٹائمز یعنی ہندوستان کے تمام نامی انگریزی اخباروں میں بھیجکر دیکھ چکا ہوں سب میری
تحریر کو پسند کیا ہے۔ جو شخص اتنے وسائل رکھتا ہو اسکو معاش کی طرف سے بے اطمینانی کی کوئی وجہ
نہیں ہو سکتی۔ میری خاص حالت ایسی تھی کہ بزرگوں کا پس خوردہ بھی میرے لیئے کافی ہوتا۔ مگر وہ روح جو
اس کالج کی تعلیم نے میرے دل میں پھونکی ہے کسی طرح جائز نہیں رکھتی کہ میں دوسروں کا بارِ خاطر ہو کر رہوں
خدا کا شکر ہے کہ میں اندھا لنگڑا لولا اپاہج نہیں ہوں۔ اور جن چیزوں سے لوگوں نے عزتیں پیدا کیں وہ لیئیں
کمائیں وہ سب سامان میرے لیئے بھی مہیا ہے اگر میں اس سے کام لینا چاہوں اور میں نے لیا ہے
اور دلوں گا سخت دون ہمتی کی بات ہوگی۔ کہ میں دوسروں کا سہارا پکڑوں ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است	رفتن بپائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت

اسی خیال سے میں نے شخص وحدانی دشمنِ وحدانی کو اپنا شعار قرار دے کر اصلی ہمدردی کرانی ہے جسکو
آپ جیسے لوگ کبھی کبھی میرے خطوط اور لفافوں پر ثبت کیا ہوا دیکھا ہوگا۔ بہر کیف نکاح سے پہلے
میں نے جہاں اور بہت سی بنیادیں کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھکو زیادہ خرچ درکار ہوگا تو میں نے دیکھا
ہوں اس کے لیئے پورا پورا طیار ہوں۔ جس بات میں مجھکو زیادہ غور کرنا پڑا وہ یہ تھی کہ میں نے اُن
ذمہ داریوں پر نظر کی جو مجھپر عائد ہوں گی اس لیئے میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی خانہ داریوں کی طرف
توجہ کی تو اُن کو ناگفتہ بہ حالت میں پایا کہ مردوں نے عورتوں کے حقوق پامال کر دیئے ہیں اور یوں کوئی عورت
شوہر پر غالب آگئی ہو تو وہ اتفاقی صورت ہے عام دستور کے مطابق عورت مرد کے مقابلے میں ہوں بھی تو
نہیں کر سکتی۔ حالانکہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو ایسی عمدگی کے ساتھ مقرر کر دیا تھا
کہ اگر اس قاعدے پر عمل ہوتا تو ہماری قوم کی ہرگز یہ ردی حالت نہ ہوتی۔ وہ قاعدہ کیا تھا دلھن مثل

الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجہ۔ ذرا الفاظ درجۃ کے اطلاق پر نظر کرو کہ وہ مردوں کی مطلق فضیلت ظاہر کرتا ہے اور بس۔ میں نے خیال کیا تو وہ فضیلت اسی کی ہے کہ مرد کماتا اور رب البیت کہلاتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایک طرح پر اسی حیثیت میں وہ اہل و عیال کا خادم ہے عجیب انتظام ہے کہ دنیا میں ہر ایک شخص محتاج اور محتاج الیہ اور خادم و مخدوم دونوں ہے۔ پس مرد اور عورت میں فرق ہے تو دائیں بائیں آنکھ یا دائیں بائیں ہاتھ کا سا۔ لیکن ہمارے طرز تمدن نے اس فرق کو حد سے زیادہ بڑھا رکھا ہے اور جو مسافت مرد اور عورت دونوں کی حالتوں میں واقع ہے اُسکے کم کرنے کو بڑی مدتیں چاہئیں۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ابھی سے عورتوں کی اصلاح حالت کی تدبیر کی جائے سو اسکا تو ابھی ہم لوگوں میں مذکور بھی نہیں۔ رب البیت ہونے کے اعتبار سے مرد کا نہ صرف یہ فرض ہے کہ وہ اہل و عیال کے لیئے معاش پیدا کرے کہ یہ تو ہر کوئی کرتا ہے اور شاید تقاضائے طبیعت بھی ہے بلکہ ایک مہذب خانہ دار کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بی بی کے ساتھ محبت اور خاطر داری و دلجوئی سے پیش آئے ہمیشہ اُسکی ہمت بڑھاتا رہے اور جیسا اُسکو اپنی امانت دار سمجھتا ہے آپ بھی اس کی امانت میں خیانت نہ کرے یہ وہ فرائض ہیں جن کی تعمیل میں اکثر کوتاہی ہوتی اور یہی کوتاہی اکثر خانہ داریوں کو بدمزہ رکھتی ہے۔ مجکو اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ خانہ داری سے بہتر کوئی چیز انسان کو ادب نہیں سکھا سکتی۔ خانہ داری اسکے حق میں جفر کا کام دیتی ہے کہ اسکے سارے بل نکلجاتے ہیں۔ پہلے شوہر اور پھر باپ بننا ایسے بوجھ نہیں ہیں کہ انکے تلے آکر آدمی اُچھل کود کر سکے بشرطیکہ آدمی آدمی ہو۔ اور اگر ظاہر کا آدمی اور باطن کا جانور ہے تو اس سے کچھ بحث نہیں۔ میں نے تو اپنے اصول پر ٹھیرا رکھے ہیں کہ کوئی شخص کتنے ہی سرٹیفکٹ دکھائے مجکو اُسکی نیک چلنی کی طرف سے ایسا اطمینان نہیں ہوتا جیسا صرف ایک اتنی سی بات سے کہ وہ خانہ دار ہے۔ کاہلی کے دور کرنے کو خانہ داری جیسا کوئی کاری تازیانہ نہیں۔ وہ حکایت آپ نے نہیں سنی کہ ایک شخص نے پیغمبر صاحب سے تنگ دستی کی شکایت کی اور وہ تھا مجرد نہ آگے اگاڑی نہ پیچھے پچھاڑی۔ فرمایا نکاح کرو۔ کیا اور تنگ دستی زیادہ ہوئی پھر شکایت کی اور پھر ارشاد ہوا اور نکاح کرو۔ آخر خدا نے کشایش دی۔ بات کیا تھی کہ وہ شخص بے فکری کی وجہ سے کاہل ہو گیا تھا۔ دو بھڑ بھڑ لپٹ پڑیں تو لگا ناچا ناچا پھرنے۔ پھر تو وہ شخص جسکو بیٹھ کر اٹھنا مشکل تھا

دل سے محنت کرنے پر آمادہ ہوا اور خدا نے اسکو ایسی توانائی دی کہ لگدڑ کی چوڑی کے لغلی اور روبانی کا خاصی طرح صفائی سے ہلانے لگا۔ غرض میں نے دوسروں کی طرح بے سوچے سمجھے ادائے رسم کے طور پر اس تعلق کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کوئی خواہش نفسانی اسکی متقاضی ہوئی کہ جلدی کرتا۔ مجکو اس تعلق کے لیئے انتخاب کے کرنے میں بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ میں نے اپنی آزادی کو اس معاملے میں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہ میرے اختیار کی بات تھی اور میرے ہی اختیار سے ہونی بھی چاہیئے تھی۔ لیکن رسم و رواج نے اُس اختیار کو حقدار سے چھین کر دوسروں کو دے رکھا ہے ایسی کارروائی کے نتیجے کبھی قباحت سے خالی ہو نہیں سکتے کہ ذمہ داری کسی کی اور اختیار کسی کا۔ چنانچہ میں نے اپنے اختیار کو آپ نافذ کرنا چاہا۔ گو اُن لوگوں نے جو اُسپر غصبًا قبضہ کیئے ہوے تھے بُرا بھی مانا ہو۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے اور اسی کا تجربہ مجکو پہلے پہل اسی معاملے میں ہوا۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ میں نے کس مشکل سے اپنے اختیار کو سنبھالا ہے۔ تک مجکو کسی طرح کی تکلیفیں نہیں اور سب میں زیادہ ایذا دہ تھی ناحق کی بدگمانی۔ مگر جیسی بدگمانی کی تکلیف تھی ویسی ہی اس بات کی خوشی بھی تھی کہ میں دوسروں کے لیئے ایک نمونہ قائم کرتا ہوں اس اصلاح کا جسکی ہماری سوسائٹی کو سخت ضرورت ہے۔ اگرچہ امید نہیں کہ میرا بے وقعت اور بے حقیقت نمونہ کوئی بڑی تحریک پیدا کرے گا۔ مگر تمام اصلاحوں کا یہی حال ہے کہ شروع میں ضعیف ہوتی اور بتدریج قوت پکڑتی جاتی ہیں دوسری مشکل اور میں کہوں گا کہ سخت تر مشکل انتخاب کی تھی۔ ہمارا طرز تمدن سکو انتخاب کی اجازت دے نہیں سکتا اسکو چاہیئے معاشرت اور اختلاط اور وہ ممکن نہیں۔ میں قریب ایسا بے دل ہو چلا تھا کہ کئی بار میں نے آزادی سے دست برداری کرنی چاہی کہ بلا سے دوسروں پر بوجھ تو رہے گا۔ اُن کو مواقع بھی مل سکتے ہیں۔ گو میرا [illegible] ہو مگر عام طور کا رجحان تو سبھی کو معلوم ہے۔ اور جو لوگ میری طرف سے اور میرے لیئے انتخاب کرینگے وہ یقینًا میرے خیرخواہ بھی ہیں۔ قریب تھا کہ میں بھی عام دستور کی لگ کے تلے سے ہوکر نکلوں کہ میری خوش قسمتی نے مجکو ایک موقع دیا اور میں اپنے اختیار اور انتخاب دونوں کو اچھی طرح [illegible] لا سکا۔ مجکو ایک دوست سے ایک شریف زادی کے ایسے تفصیلی حالات سننے کا اتفاق ہوا کہ وہ گویا معاشرت اور اختلاط کے قریب قریب تھا میں ایک دن [illegible] فلسفہ عقلی

کی ایک کتاب بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ دلی کے رہنے والے ایک آشنا میرے کمرے میں تشریف لائے اور پوچھا کہ
ایسی توجہ سے کیا پڑھ رہے ہو۔ میں نے کتاب کا نام بتایا۔ انھوں نے پوچھا کس فن میں ہے۔ میں نے کہا فلسفہ
عقلی۔ انھوں نے زیادہ تصریح چاہی تو میں خواب کا بیان پڑھ رہا تھا۔ اس میں سے اُن کو کچھ سُنایا۔ اس پر
اُنھوں نے کہا کہ ہمارے محلے میں ایک میر خسرو صاحب ہیں۔ بڑے شریف اور معاش کی طرف سے
بھی آسودہ۔ اُن کی ایک لڑکی ہے خدا نے اُس کا عجیب طرح کا دماغ بنایا ہے کثرت سے خواب دیکھتی
اور اُس کا خواب کبھی غلط نہیں ہوتا اور تعبیر بھی ایسی دیتی ہے کہ اس کے خلاف کبھی ہوا ہی نہیں سارا
شہر اس کا معتقد ہے۔ میری والدہ کا تو یہ حال ہے کہ ابا جان کے یا بڑے بھائی کے یا کسی کے گھر آنے میں ایک
دن کی بھی دیر ہو جاتی ہے تو میر خسرو کے گھر دوڑی جاتی ہیں اور خدا کی قدرت جب کبھی کسی بات کے
پوچھنے کو گئی ہیں ہمیشہ جواب باصواب لے کر آئی ہیں۔ حسن کی لیاقت کی پاکدامنی کی ہنر و سلیقے کی
نیک بختی کی دھاک ہے مگر باوجودیکہ بائیس برس کی ہو گئی ہے اور دو چھوٹی بہنیں بیاہی جا کر بچوں
کی مائیں ہیں۔ اس بیچاری سے کوئی بیاہ نہیں کرتا کہ اسکے سر پر کچھ ہو۔ حالانکہ خواب کے سوائے کچھ بھی تو نہیں
ناحق کا واہمہ ہی واہمہ ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑی بزرگ عورت ہے۔ عابدہ پرہیزگار قرآن خوان تہجد گزار
آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس تقریب سے اس دوست نے تذکرہ کیا۔ اس میں تصنع یا مبالغے یا طرفداری کو
دخل ہو نہیں سکتا۔ پس مجکو تو ان کا کہنا پتھر کی لکیر ہو گئی۔ اجنبی بن کر میں نے دو چار باتیں ان سے
اور بھی پوچھیں۔ اُدھر وہ اُٹھ کر گئے۔ اِدھر میں نے بسم اللہ کر کے میر خسرو صاحب کو ایک بڑا لمبا خط لکھا۔
اُسکی نقل بھی میرے پاس محفوظ ہے اور کبھی موقع ہوا تو وہ خط بھی میں آپ صاحبوں کو سناؤں گا۔ اگرچہ ہم
لوگوں میں عورتوں کا تذکرہ کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے مگر ایک تو یہ کمیٹی خاص طرح کی ہے ممکن نہیں کہ یہاں
بحث ہو اور عورتوں کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ دوسرے درحالیکہ ہم بزرگانِ دین حتی کہ پیغمبر صاحب کی
ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کے بے تکلف نام لیتے بے مضایقہ اُنکے کل حالات بیان کرتے
تو ہماری عورتیں کیا حقیقت ہیں کہ اُنکا نام لینا اُن کے حالات کا بیان کرنا موجب بے عزتی سمجھا جائے
بس اسی ایک بات سے قیاس کر لینا چاہیے کہ ہم نے اپنی عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور آئندہ کیا کرنے

والے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہے اور اس میں چند در چند مصلحتیں تھیں مگر ہم کو دیکھنا ہے کہ جن لوگوں کے گھر سے پردہ نکلا وہ خود کس طرح کا پردہ کرتے تھے ان کی عورتیں لڑائیوں میں ساتھ ہوتیاں تھیں نہ اس لیے کہ خیموں میں بیٹھی پانوں کی گلوریاں بنا بنا کر رکھیں بلکہ اس لیے کہ سپاہیوں کی خدمت بجا لائیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ پانی پلائیں رسیاں بٹیں۔ اور اسی قسم کے اور کام جو عورتوں کے بوتے کے تھے عورتوں کو نماز میں شریک ہونے کی اجازت تھی عورتیں نامحرم مردوں سے باتیں کر سکتیاں تھیں۔ چنانچہ اس وقت تک وہ خطبے لکھے ہوئے موجود ہیں جو عورتوں نے مردوں کی جماعت کو مخاطب کرکے بیان کیے۔ غرض پردہ تھا اور پردے کے ساتھ آزادی بھی تھی کہ فتنے کا بھی انسداد ہوا اور دنیا کے کاروبار میں بھی خلل نہ پڑے۔ ہم نے پردے میں تشدد کر دیا کہ عورتوں کا نام تک لینا ان کی بے حرمتی کا موجب بے حرمتی ہے مگر یہ ادعائی حرمت دنیا کی فلاح دنیا کی ترقی کے ساتھ تو جمع نہیں ہو سکتی۔ خیالات تو یہ ہیں اور اس پر پڑا بڑا ہے کہ اہل یورپ نے ہماری سلطنت چھین لی۔ اہل یورپ ہم کو پیٹ بھرا نہیں دیکھ سکتے۔ اہل یورپ ہماری ملکی دولت گھسیٹے لیے چلے جاتے ہیں۔

اسلام حقیقت میں ہمارے حق میں میگنا چارٹا (فرمان آزادی) کا حکم رکھتا تھا اور کل دنیاوی ترقیوں کے دروازے ہمارے لیے مفتوح تھے۔ مگر ہم کمبختوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ آپ اپنے اوپر قیدیں لگاتے گئے اور تھان پر بندھے بندھے پانچوں عیب شرعی ہم میں آگئے۔ خیر مسلمانوں کی قسمت کا رونا تو ہمارے اس کالج میں ہوتا ہی رہتا ہے لوگ اس کو کہتے ہیں کالج اور میں کہتا ہوں امام باڑہ۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورتوں کا تذکرہ ہم لوگوں میں خلاف آداب مجلس ہے مگر میں اس قسم کی تکلفات شرع خلاف مصلحت ادعائی عزت کو مسلمانوں کی بے عزتی کا موجب سمجھتا ہوں اس لیے بے محابا آپ سب صاحبوں کے روبرو کہتا ہوں کہ میں نے نکاح سے پہلے جو تفتیش کی اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ مجھ میں باپ بننے کی صلاحیت ہے تو فریق ثانی میں ماں بننے کی بھی صلاحیت ہے یا نہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس امر کی تحقیقات محال سے زیادہ مشکل تھی۔ مگر میں نے خیال کیا کہ جو امور جسمانی شناخت سے متعلق

ہمیں رہا ایک خاندان کے لوگوں میں اکثر یکساں ہوتے ہیں چنانچہ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس خاندان کی کل عورتیں کیا ددھیال کی اور کیا ننھیال کی سب کثیر الاولاد ہیں -

یہ باتیں میں نے اس غرض سے بیان کی ہیں کہ گو یہ دوسرے تحقیقات سے سب بند کر سکتے ہیں مگر آدمی درپے تفتیش ہو تو بہت کچھ کر سکتا ہے جیسے کیا اور میں افسوس کرتا ہوں کہ دوسرے کیوں نہیں کرتے - ادھر میرے خسر صاحب بھی روشن خیال آدمی ہیں - انھوں نے بھی میرے حالات کیوں نہ دریافت کیئے ہوں گے - بارے میری خوش نصیبیوں میں سب سے بڑی خوش نصیبی یہ بھی تھی کہ انھوں نے مجکو اپنی فرزندی میں لینا قبول کیا - اور میں نے اپنے تعلق کو اس سے جو سنا تھا اور اپنی توقع بلکہ تمنا سے بہت زیادہ پایا والحمد للہ علیٰ ذالک -

اس تعلق کی وجہ سے جو دلی میں زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا تو مجکو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت بہت ہی خراب ہے - وہ مفلس اور کاہل ہیں - خود پسند اور مغرور ہیں - پرانی لکیر کے فقیر ہیں - ان پر ناز کرتے اور ترقی کے رستے میں نہ ایک انچ آگے کو سرکے اور نہ ایک انچ آگے کو سرکنا چاہتے ہیں - وہ بڑے تیرہ خیال اور متعصب ہیں - ان میں اصلاح پانے کی مطلق صلاحیت نہیں - وہ جلی ہوئی رسیاں ہیں مگر ان کے بل جیسے کے تیسے موجود ہیں - وہ قومی خیالات سے بالکل نا آشنا ہیں - شروع سے آخر تک الا ما شاء اللہ - میں جب پہنچا تو لوگوں نے شاید دوسرے دن سے از خود بلا تقریب میرے پاس آنا شروع کیا - اور آئے تو ایسے جمے کہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے - معلوم ہوا کہ ہزاروں آدمی اسی طرح نکمے پڑے پھرتے ہیں - بعض تو ایسے بیہودہ خیالات کے تھے کہ ان سے مجکو دلی نفرت تھی - انھوں نے دیکھا کہ میں ان کے ڈھب پر چڑھنے والا نہیں تو بے دل ہو کر بیٹھ رہے - ساری بادی چھنٹ چھٹا کر آخر وہ لوگ رہے جو مولوی یا طالب علم یا پڑھے لکھے کہلاتے تھے - مگر پڑھنا لکھنا وہی اپنے پرانے طور کا - لوگوں کی ملاقات کے

حالات میں روزنامچے میں لکھتا گیا ہوں اور کبھی نہ کبھی آپ صاحبوں کو سناؤں گا بھی۔ کیونکہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ اِس وقت تو مجکو اسی قدر کہنا ہے کہ دلّی والوں میں بلا کا تعصب ہے۔ اور مُسلمانوں ہی میں باخود ہا اِس قدر اختلاف ہے کہ پولیس فوجداری دیوانی کوئی کچہری نہیں جس میں اِن کے مقدمات دائر نہ ہوں۔ اِن کے آپس میں تو اتنا اختلاف ہے مگر میرے مسلمان نہ ہونے میں سب کو اتفاق تھا میں حیران کہ الٰہی میرے مونہ سے کفر کا کونسا کلمہ نکلا کہ یہ لوگ مجکو مسلمان نہیں سمجھتے۔ آخر معلوم ہوا تو صرف علی گڈھ کالج کا سبب ہے میرا تو جی اُلجھتا تھا مگر یہ لوگ مجکو بخشتے ہی نہ تھے اور میری مذہبی معلومات جو تھی سو تھی۔ میں اپنے کو سنبھالتا یا مذہب کے گورکھ دھندے کو بیٹھا سُلجھاتا۔ تو میں بعض اوقات لاجواب ہو جاتا تھا مگر میں بھی اِس خیال میں غلطاں پیچاں رہنے لگا۔ بیسیوں مذہبی رسلے دیکھ ڈالے اور شوق ہے کہ بڑھتا چلا جاتا ہے پر تسلی نہیں ہوتی۔ خیال کو دل سے دور کرنا چاہتا ہوں تو دور نہیں ہوتا اور طبیعت ہے کہ کسی طرف سے نہیں ہٹکتی۔ اُقلیدس کی نئی شکلیں اور جبر و مقابلے کی مساواتیں حل کرنے میں جو اُلجھن پیدا ہوتی ہے جس نے طالب العلمی کی ہے وہی اُسکی قدر خوب جانتا ہے۔ مگر میں آپ صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مذہبی اُلجھن کے آگے میں ساری اُلجھنوں کو بھول گیا۔ ہر وقت کی سوچ سے نیند اُچاٹ ہو گئی۔ کھانا کم کھانے لگا۔ قریب تھا کہ میری تندرستی میں خلل آ جائے کہ اتنے میں میری بی بی نے جن کی نسبت آپ سُن چکے ہیں کہ وہ بچپن سے بہت خواب دیکھا کرتی تھیں اور کبھی اُن کا خواب جھوٹا ہوا ہی نہیں میرے بارے میں ایک بڑا لمبا خواب دیکھا جیسے میں کسی بزرگ کے ساتھ مذہبی مباحثہ کر رہا ہوں اور ان بزرگ نے میرے سارے شکوک رفع کر کے میرا پورا اطمینان کر دیا ہے یوں تو اُنھوں نے ہزاروں خواب دیکھے اور سارا شہر اِس بات سے واقف ہے مگر اِن کے دو خواب بڑے عجیب ہیں۔ ایک تو اُنھوں نے وقت سے پہلے اپنے ماموں کو امتحان تحصیلداری کے سوالات خواب کے ذریعے سے بتا دیئے تھے۔ ماموں کہیں الہ آباد کے علاقے میں تحصیلدار تھے اور یہ دلّی میں۔

خواب میں سوالات معلوم ہوئے۔ انھوں نے صبح اٹھ سوالات قلمبند کر رجسٹری کرا [illegible] پاس
بھیج دیئے کئی دن بعد امتحان ہوا تو ایک نقطے کا فرق نہ تھا۔ وہ خط رجسٹری کے لفافے سمیت
اس وقت تک تحصیلدار صاحب کے پاس موجود ہے۔ یہ خواب جو میرے بارے میں دیکھا اُسے بھی
[illegible] کر ہے۔ میں نے اس خواب کو زبانی نہیں سُننا چاہا۔ بلکہ اُن سے کہا کہ لکھدو۔ وہ لکھتی
جاتی تھیں اور میں برابر بیٹھا ہوا دیکھتا جاتا تھا۔ میرے جتنے سوالات ہیں جو بات میرے دل میں
تھی وہی ان کے قلم سے نکلتی تھی۔ یہ رسالہ جو آپ میرے ہاتھ میں دیکھتے ہیں وہی خواب ہے۔
اور جنھوں نے دیکھا ہے اُن ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا بھی ہے۔ اس کے مضامین ہی اس بات کا
ثبوت ہے کہ یہ خواب دل سے نہیں بنایا گیا۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ جنھوں نے یہ خواب دیکھا ہے
اس کی بعض باتوں کو سمجھ بھی نہیں سکتیں اگرچہ اس خواب کو میں اُن فوائد میں شمار کرتا ہوں
جو نکاح کی وجہ سے مجکو حاصل ہوئے مگر چونکہ یہ ہر ایک کے نکاح کا نتیجہ لازمی نہیں ہے اس لیے
میں اس کو کمیٹی میں پیش کرتے ہوئے تامل کرتا تھا کہ نہیں معلوم اس کو اغراض کمیٹی میں داخل بھی
سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ مگر مجکو اس خواب میں ایسی مسرت ہوئی ہے کہ آپ سب صاحبوں کو شریک
کیے بدون مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور مطلب بھی ایسا اہم ہے کہ اس سے زیادہ ضروری کوئی مطلب
ہو نہیں سکتا۔

غرض میں یہ رسالہ بڑی خوشی سے کمیٹی کی نذر کرتا ہوں اور اگر کمیٹی کی نظر میں بکارآمد
ثابت ہو اور اس کے چھپوانے کی صلاح ٹھیرے تو اس کا کاپی رائٹ بھی کمیٹی کی نذر ہے۔

صادق کا بیان سُن کر لوگوں کے شوق تو اس قدر مشتعل ہو رہے تھے کہ چاہے ساری رات ہی
کیوں نہ بیٹھنا پڑے مگر خواب ابھی سُنا جائے۔ لیکن گفت و شنود کے بعد آخر یہ رائے قرار پائی کہ نہیں
خواب کو بڑے اطمینان سے سُننا ہوگا اور عجب نہیں کسی موقع پر کچھ بحث بھی پیش آجائے ختم
ہونے تک کمیٹی کے آئندہ اجلاس اسی خواب کے لیے وقف ہیں۔ لوگوں نے بہتیرا چاہا کہ ان کو کتاب
مستعار دی جائے اور کمیٹی سے خارج ان کو اس کے پڑھنے اور دیکھنے کی اجازت ہو مگر پریزیڈنٹ

نے اس کو منظور نہ کیا اور وہ کتاب قفل میں بند کی گئی۔ جب کمیٹی کا اجلاس ہوتا نکالی جاتی۔ لوگ سنتے اور سر دھنتے۔ اس پر بحث بھی اتنی ہوئی کہ کسی مضمون پر نہ ہوئی ہوگی۔ انجام یہ ہوا کہ کمیٹی نے بالاتفاق رزولیوشن پاس کیا کہ۔

جو اس کتاب میں تھی میں جانتا ہوں اس کا اصل کیا

پھر تو کالج کا کوئی طالب العلم نہ تھا جس کے پاس اس کی ایک چھپی ہوئی کاپی نہ ہو۔ کاپی رائٹ سے کالج میں ہر سال دو تین فری بورڈنگ ہوس تعمیر ہوتے رہتے ہیں۔ طالب العلموں نے بڑا زور مارا کہ یہ کتاب کالج کے مذہبی کورس میں داخل ہو مگر مسلمانوں کے تعصب کے آگے کسی کی پیش نہ گئی لیکن کب تک۔ بہرکیف اس وقت تو کالج کے ہاتی کے مذہبی دانت دکھانے کے ان کی پرانی کتابیں ہیں اور کھانے کے یہ کتاب۔ اس خواب کے متعلق ایک عجیب بات اور ہے کہ اس کے بعد سے صادقہ کے خوابوں کا سلسلہ آپ سے آپ بالکل منقطع ہو گیا۔ وہ اور اس کے لوگ بہتیرا چاہتے تھے کہ وہ کوئی خواب دیکھے مگر دکھائی دے تو دیکھے۔ جس غرض سے اس کو یہ نعمت دی گئی تھی کہ اس کے آخری خواب سے اس کے شوہر کو خصوصاً اور مسلمانوں کو عموماً فائدہ پہنچے سو پہنچا۔ اب اس کو خواب نظر آئیں کیوں اور لوگ منتظر رہیں کس لیئے۔ فقط

تمت

نام کتاب	قیمت	محصول ڈاک
فطری ہیں۔ جو شخص ذرا بھی سمجھ رکھتا ہے وہ بخوبی تصفیہ کر سکتا ہے کہ بنا بریں اگر کوئی مذہب سچا ہے تو وہ اسلام ہی ہے "کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو"	عہ	۴ر
(۹) حیات النذیر۔ مولانا مرحوم کی مکمل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے ۴۹۴ صفحات۔	سے	۸ر
(۱۰) نظم بے نظیر۔ مولانا مرحوم کی کل نظموں کا مجموعہ مع صراحت اس امر کے کہ کس جلسے اور تقریب کے لیے کہی گئی	عہر	۴ر
(۱۱) مرآۃ العروس۔ لڑکیوں کو امور خانہ داری اور سلیقہ سکھلانے کی بے نظیر کتاب جس پر گورنمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا	عہ	۴ر
(۱۲) بنات النعش۔ گویا کہ مرآۃ العروس کا حصہ دوم ہے جس میں لڑکیوں کی اصلاح حالت اور تمدن میں ان کو زیادہ تر کارآمد بنانے کے لیے عمدہ عمدہ تعلیمی مضامین لکھے گئے ہیں۔ اس پر گورنمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا ہے	عہ	۴ر
(۱۳) توبۃ النصوح۔ نیک کرداری۔ اخلاق اور مذہبی تعلیم کا بیش بہا ذخیرہ جس پر گورنمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا	عہ	۴ر
(۱۴) محصنات۔ یعنی فسانہ مبتلا جس میں دو شادیاں کرنے کی مصیبتوں کو نہایت دردناک طور سے بیان کیا گیا ہے اور آخر میں ایک مخمس بھی ہے	عہر	۴ر
(۱۵) ایامیٰ۔ بیواؤں کی دکھ بھری کہانی خود ان کی زبانی۔ ان کے اصلی حالات اور دلی جذبات کا فوٹو۔ ان کی مشکلات کا ایسا سچا حال ہے کہ بیواؤں کا نکاح ثانی کیا جانے	عہر	۴ر
(۱۶) ابن الوقت۔ انگریزی کورانہ تقلید کی خرابیاں نتیجہ یہ کہ از ایں سو راندہ و از آں سو ماندہ۔ مذہبی مسائل پر نہایت عمدہ معقول اور مسکت مباحث	عہر	۳ر
(۱۷) موعظۂ حسنہ۔ وہ تمام نصیحت آمیز خطوط جو مولانا نے اپنے لڑکے بیٹے کو تعلیم کے زمانے میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے	عہر	۴ر
(۱۸) منتخب الحکایات۔ بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیاں	۶ر	۲ر
(۱۹) چند پند۔ بچوں کے لیے عمدہ عمدہ نصیحت آمیز مضامین	۶ر	۳ر
(۲۰) صرف صغیر۔ فارسی زبان کے قواعد سلیس اردو میں	۶ر	۳ر

نام کتاب	قیمت	محصول
(۲۱) نصاب خسرو۔ امیر خسرو کی ترمیم شدہ خالق باری	۶/	۳/
(۲۲) رسم الخط۔ املاء انشاء کے نو آموز بچوں کے لیے سلیس قواعد	۶/	۳/
(۲۳) مبادی الحکمت علم منطق کے قواعد سلیس اور عام فہم اردو میں جس کو گورنمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا	[illegible]	۳/
(۲۴) بالغیکہ فی الصرف۔ صرف عربی کے قواعد زبان اردو میں	۱۲/	۳/
(۲۵) لکچروں کا مکمل مجموعہ دو جلد ۱۲۰۴ صفحے	[illegible]	۹/
(۲۶) اجتہات الامہ۔ یہ وہ کتاب ہے جسے مفتی قرار دے کر لشاہ برکۃ کا فتوی ہوا تھا اب چند مستند علماء کی نظر ثانی ترمیم اور تعدیل کے بعد خواہش مندوں کے سخت اصرار پر طبع ہو سکتا ہے نام رجسٹر کرالیں		
مصنف مرحوم کی آخری اور ناتمام تصنیف		
(۲۷) مطالب القرآن۔ کلام مجید کی مکمل اردو تفسیر حصہ اول مقدمات صفحہ (۲۸۰) تکمیل پوری تفسیر کی چھ حصوں میں لکھنا مرکوز خاطر تھی لیکن آخر یہی حصہ بھی چھپ جاتی تھی افسوس ہے کہ مولف کی زندگی نے چھوڑے اور وفا نہ کی اور کتاب ادھوری رہ گئی۔ اب جتنی اور جس حیثیت سے تیار تھی ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے	[illegible]	۳/

خاکسار کی تصانیف

نام کتاب	قیمت	محصول
(۱) واقعات مملکت بیجاپور ۱۲۰۰ صفحے تین حصے مجلد مصور و نقشہ	[illegible]	۱۳/
مستورات کے لیے خانہ داری کا سلسلہ		
(۲) اقبال دلہن	[illegible]	۵/
(۳) حسن معاشرت	[illegible]	۴/
(۴) اصلاح معیشت	[illegible]	۵/
(۵) تحفہ جنگ حصہ اول و دوم	[illegible]	۹/
مردوں کے لیے اخلاقی سلسلہ		
(۶) حرز اطفال	[illegible]	۴/
(۷) نشاط عمر	[illegible]	۴/
(۸) جھلک پیری۔ اسی سلسلے میں [illegible]	[illegible]	۴/
(۹) اپنے بچیوں سے دو دو باتیں۔	[illegible]	۴/
(۱۰) عروس [illegible]	۴/	۱۳/

(۱۱) تاریخ دہلی تین حصے صفحہ ۲۵۹۴ [illegible] ہر حصہ [illegible] کی جلد
(۲۰۹) (۹) [illegible] ہر حصہ [illegible]
علیحدہ علیحدہ خرچ [illegible]

ملنے کا پتہ بشیر الدین احمد۔ تعلقدار، پنشنر، کھاری باؤلی دہلی۔